

قرآن اور جدید سائنس

ڈاکٹر حشمت جاہ

قرآن اور جدید سائنس

ڈاکٹر حشمت جاہ

شرکت الامتیاز

رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور، پاکستان

0322-2344826 - 0333-8867047

نام کتاب .... قرآن اور جدید سائنس

تالیف .... ڈاکٹر حشمت جاہ

ناشر .... شرکت الامتیاز

اہتمام .... امتیاز احمد

قیمت .... -/380 روپے

شرکت الامتیاز

رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور، پاکستان

0322-2344826 - 0333-8867047

فہرست

فہرست

فہرست

☆☆☆☆☆

ادارے کی طرف سے

''قرآن اور جدید سائنس'' میں جگہ جگہ عربی استعمال ہوئی ہے ہم نے اپنی سی پوری کوشش کی ہے کہ کہیں غلطی رہنے نہ پائے مگر پھر بھی کوئی غلطی رہ گئی ہو تو ہم معذرت خواہ ہیں براہ کرم ہماری توجہ اس غلطی کی طرف ضرور دلائیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اسے درست کیا جا سکے۔

یوں تو مارکیٹ میں ڈاکٹر صاحب کی کتابیں خاصی تعداد میں آچکی ہیں مگر یہ اپنے موضوع اور تحقیقی لحاظ سے منفرد ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کہیں کہیں آپ کو ڈاکٹر صاحب کی رائے یا تحقیق سے اختلاف ہو ضروری نہیں ہم، ہمارا ادارہ یا آپ ان کی رائے یا تحقیق سے مکمل اتفاق کریں یہ ان کی اپنی تحقیق ہے ظاہر ہے جب کوئی مصنف کوئی کتاب ترتیب دیتا ہے تو اس میں اس کے اپنے خیالات بھی شامل ہوتے ہیں ایسے میں ہمارا اختلاف کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ بہرحال ڈاکٹر صاحب نے یہ کتاب بڑی تحقیق کے بعد ترتیب دی ہے اب دیکھتے ہیں کہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ کس نتیجے پر پہنچتے ہیں۔

ادارہ

قرآن کی عظمت

موجودہ دنیا خدا کی صفات کا ایک اظہار ہے۔ یہاں مخلوقات کے آئینہ میں آدمی اس کے خالق کو پاتا ہے وہ اس پر غور کر کے خدا کی قدرت اور عظمت کا مشاہدہ کرتا ہے مگر قدیم مشرکات افکار نے دنیا کی چیزوں (مثلاً سورج' چاند' ستاروں) کو پراسرار طور پر مقدس بنا رکھا تھا۔ ہر چیز کے بارے میں کچھ توہماتی عقائد دین بن گئے تھے اور یہ عقائد ان چیزوں کی تحقیق و جستجو میں مانع تھے۔ توحید کے انقلاب کے بعد جب تمام دنیا خدا کی مخلوق قرار پائی تو اس کے بارے میں تقدس کا ذہن ختم ہو گیا۔ اب دنیا کی ہر چیز کا بے لاگ مطالعہ کیا جانے لگا اور اسکی تحقیق شروع ہو گئی۔

اس تحقیق اور مطالعہ کے نتیجے میں چیزوں کی حقیقتیں کھلنے لگیں۔ دنیا کے اندر قدرت کا جو مخفی نظام کار فرما ہے' وہ انسان کے سامنے آنے لگا یہاں تک کہ جدید سائنسی انقلاب کی صورت میں وہ پیش گوئی کامل صورت میں پوری ہو گئی جس کا ذکر سورہ حم السجدہ کی آیت نمبر 53 میں کیا گیا ہے:

سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِي اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ

یعنی عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے۔

جدید سائنسی مطالعہ نے کائنات کے جو حقائق انسان پر کھولے ہیں انہوں نے ہمیشہ کیلئے توہماتی دور کا خاتمہ کر دیا ہے۔ ان دریافت شدہ حقائق سے بیک وقت دو فائدے حاصل ہوئے ہیں:

ایک یہ کہ دینی عقائد اب محض مدعیانہ عقائد نہیں رہے بلکہ خود علم انسانی کے ذریعے ان کا برحق ہونا ایک ثابت شدہ چیز بن گیا ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ معلومات ایک مومن کے لئے اضافہ ایمان کا بے پناہ خزانہ ہیں۔ ان کے ذریعے کائنات کے بارے میں جو کچھ معلوم ہوا ہے' وہ اگرچہ بہت جزئی ہے تاہم وہ اتنا زیادہ حیرت ناک ہے کہ اس کو پڑھ کر اور جان کر آدمی کے رونگٹے کھڑے ہوں' اس کا ذہن معرفت رب کی روشنی حاصل کرے' اس کی آنکھیں خدا کی عظمت اور خوف سے آنسو بہانے لگیں اور وہ آدمی کو اس درجہ احسان تک پہنچا دے جس کو حدیث میں تعبد اللہ کانک تراہ (اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو) کہا گیا ہے۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ

وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ○ (سورہ الانعام 6:104) 6- آیت 104

''دیکھو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بصیرت کی روشنیاں آ گئی ہیں۔ اب جو بینائی سے کام لے گا اپنا ہی بھلا کرے گا اور جو اندھا بنے گا خود نقصان اٹھائے گا۔ میں تم پر کوئی پاسبان نہیں ہوں''۔

قرآن کی دعوت فکر

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمائی۔ اس کا پڑھنا باعث خیر و برکت' اس کا سمجھنا باعث ہدایت اور اس پر عمل کرنا ذریعہ نجات ہے۔ آخری کتاب کی حیثیت سے اس کے احکامات اور ہدایات کسی زمانے کیلئے خاص نہیں بلکہ ابدی ہیں۔ حکمت و دانائی کی جو باتیں اس میں ہیں وہ زمان و مکان کی قید سے آزاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار کہہ کر کہ

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ

یعنی "بیشک اس میں نشانیاں ہیں غور و فکر کرنے والوں کیلئے"۔

(مثلاً سورۃ رعد (۱۳) آیت ۳۔ سورۃ زمر (39) آیت 42)۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ

یعنی "بیشک اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لئے"۔

مثلاً سورہ رعد (13) آیت (4) اور سورہ نحل (16) آیت (12)

اور اسی معانی سے ملتی جلتی اور بہت سی دوسری آیات میں غور و فکر کی جو دعوت دی ہے وہ کسی ایک زمانے کے لئے نہیں بلکہ قیامت تک کے لئے ہے۔ اور غور و فکر کرنے والوں کے لئے یہ ہدایات کا ایک ایسا سلسلہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔ قرآن مجید کی یہی خصوصیت ہمیشہ کے لئے اس کے کلام الٰہی ہونے کا زندہ ثبوت ہے۔

قرآن مجید کے احکام شریعت' احکام معاشرت' ان کی حدود اور ان پر عمل کرنے یا نہ کرنے کی صورت میں ثواب و عذاب اور اسی ضمن میں جنت دوزخ اور قیامت کے دن کے متعلق بہت سے علماء نے لکھا ہے لیکن اس کی سائنسی حیثیت پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی۔ حالانکہ اس میں سائنس کے اصولوں اور ایجادات کے اتنے اشارات ہیں کہ سائنس کے نقطۂ نظر سے غور و فکر کرنے والوں کے لئے قرآن مجید ایک سائنسی تحقیق کے انسائیکلوپیڈیا سے کم نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سائنسی لحاظ سے غور و فکر کی جو دعوت دی ہے ان بہت ساری مثالوں میں سے دو مثالیں یہاں بیان کرتا ہوں۔ پہلی مثال سورۃ قمر (54) ہے جس میں مختلف قوموں پر عذاب کی کچھ تفصیل بتائی گئی ہے۔ آیات 9 تا 12 میں قوم نوح پر عذاب کا ذکر ہے۔ آیات 18 تا 21 میں قوم عاد پر عذاب کا ذکر ہے۔ آیات 23 تا 31 میں قوم ثمود پر عذاب کا ذکر ہے۔ آیات 33 تا 39 میں قوم لوط پر عذاب کا ذکر ہے۔ آیات 41 اور 42 میں قوم فرعون پر عذاب کا ذکر ہے اور اس کے فوراً بعد لوگوں کو مخاطب کر کے ان کو

تنبیہ کی گئی ہے۔ ان آیات میں ہر قوم کے لئے مختلف قسم کے طریقہ عذاب کا ذکر کیا گیا ہے اور قابل غور بات یہ ہے کہ ہر عذاب کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بات دہرائی ہے کہ کیا کوئی ہے غور کرنے والا۔ یعنی ہے کوئی جو سوچے سمجھے"۔ اب اگر صرف احکام الٰہی سے روگردانی اور نبیوں کی نافرمانی پر عذاب الٰہی کا بیان مقصود ہے تو یہ آیات خود بہت واضح ہیں۔ لیکن مختلف قسم کے طریقہ عذاب کا ذکر کر کے اس بات کی تکرار کہ "ہے کوئی جو سوچے سمجھے" اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ ان سب اذکار اور طریقہ عذاب میں کچھ ایسی باتیں بھی ہیں جن میں سوچنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔

دوسری مثال یہ ہے۔ سورۃ یونس (10) آیات 38۔39 میں اللہ نے کفار مکہ کو یہ چیلنج دے کر کہ "اس جیسی ایک سورۃ لے آؤ اور (اس کام میں مدد کے لئے) اللہ کو چھوڑ کر جن جن کو بلا سکو سب کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔

قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

فرمایا کہ "بلکہ جس علم پر قابو نہ پا سکے اسے جھٹلا دیا اور ابھی اس کی حقیقت ان پر کھلی ہی نہیں"۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ

یعنی کفار مکہ نے قرآن مجید کا بے سوچے سمجھے انکار کر دیا جس کے علوم اور حکمتیں ان کو معلوم ہی نہیں ہوئی تھیں۔ آیت 39 میں علوم اور ان کی حکمتوں کے معلوم ہونے سے انکار نہیں ہے بلکہ صاف یہ مطلب ہے کہ بہت سے علوم ایسے ہیں جن کی حکمتیں بعد میں معلوم ہوں گی۔ اور اس سے قرآن مجید میں مذکورہ سائنس اور دوسرے علوم کے متعلق جو بعد میں معلوم ہونے والے ہیں واضح اشارہ ملتا ہے۔ اس آیت کی مزید تفصیل اور سائنسی تشریح اس کتاب کے حصہ "قوموں کی ترقی معجزات کی روشنی میں" ملاحظہ فرمائیے۔

اوپر لکھی ہوئی آیات اور اسی قسم کی دوسری آیات جن میں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے میرے لئے اس بات کا محرک بنے کہ میں "قرآن اور سائنس" کے موضوع پر کچھ لکھوں۔

سائنس کا آغاز

سولہویں سترہویں صدی میں اہل یورپ کا کارنامہ سائنسی طریقہ تحقیق کا استعمال ہے۔ اس طریقہ کار کی بنیاد پر مغرب کے سائنسدانوں نے سائنس کا قصر عالیشان تعمیر کیا۔ جس کے بعد انسان کی قدرت اور انسان کے تصرف میں غیر معمولی بلکہ ناقابل تصور حد تک اضافہ ہو گیا ہے۔ آج وہ زمین کا سینہ چیر کر اس کے اندر گھس گیا۔ فضائے بسیط میں اڑ رہا ہے بلکہ کرہ ہوائی پھاڑ کر خلاء میں چلا گیا۔ چاند اور مریخ پر جا کر

جھنڈے گاڑ دیئے۔ آج ہر قسم کی آسائشیں اور سہولتیں اس کو حاصل ہے۔ آج جن دہا کر وہ اپنے تمام کام سرانجام دیتا ہے۔ بلاشبہ یہ سائنس کے محیر العقول کارنامے ہیں۔

سائنس کے آغاز کے لئے دو بنیادوں کا فراہم ہونا ضروری ہے۔ قانون کی آفاقیت اور قانون کی ابدیت' ایک ہی قانون ہو جو ساری کائنات میں نافذ العمل ہو۔ ایک ہی قانون ہو جو ہمیشہ سے تھا اور ہمیشہ رہے گا۔ قانون کی یہ دو بنیادیں خالص توحیدی مذہب اسلام پیش کرتا ہے۔ مشرکانہ مذاہب جہاں بہت سارے خدا ہوتے ہیں' یہ بنیادیں فراہم کرنے سے عاجز ہیں۔

وحدت خالق سے وحدت مخلوق کا تصور پیدا ہوتا ہے اور وحدت مخلوق سے وحدت قانون کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ واحد قانون لازماً آفاقی بھی ہوگا اور ابدی بھی ہوگا یہ بنیادیں قرآن مجید فراہم کرسکا۔ قرآن مجید کہتا ہے' زمین میں اور آسمان میں وہی ایک خدا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ (43-84) سورة زخرف

وہی ایک خدا آسمان میں بھی ہے اور وہی خدا زمین میں بھی ہے۔

جب زمینوں اور آسمانوں میں ہر جگہ ایک ہی خدا ہے تو ظاہر ہے' ہر جگہ اس کا قانون جاری وساری ہے۔ اس آیت سے قانون کی آفاقیت ظاہر ہوتی ہے۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا۔

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا (43-35) سورہ فاطر

تم اللہ کے طریقے میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔ اور تم کبھی نہ دیکھو گے کہ اللہ کی سنت کو اس کے مقرر راستے سے کوئی طاقت پھیر سکتی ہے۔

اس آیت سے قانون کی ابدیت واضح ہو جاتی ہے۔

قرآن نے تخیل اور توہم کی پرستار دنیا میں علم صحیح کا طریقہ کار بھی بتایا کہ علم وہ صحیح ہے جو محسوس ہو اور معقول ہو۔ قرآن کہتا ہے۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ
وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا (17-36) سورہ بنی اسرائیل

کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو یقیناً کان' آنکھ اور دل سب کی باز پرس ہوتی ہے۔

یہ آیت اکتساب علم میں ذمہ دارانہ رویہ اختیار کرنے کی نصیحت کرتی ہے۔ یہ بتاتی ہے کہ علم کی صحیح بنیاد محسوسات ہے' جس کی تائید معقولات کرتی ہے۔ منہاج علم پیش کرنے والی یہ آیت بڑی انقلاب انگیز تعلیم دیتی ہے' جس کے اثرات دور رس نکلے۔

صرف اتنا ہی نہیں صنمیات اور دیومالا دیوتاؤں کے خرافاتی قصوں میں منہمک دنیا کے سامنے

قرآن مجید مطالعہ فطرت کا راستہ دکھاتا ہے۔ مظاہر فطرت پر غور کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ آسمان کے متعلق کہتا ہے۔

أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ (6-50) سورہ ق

کیا انہوں نے کبھی اپنے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا کس طرح ہم نے اسے بنایا اور اس میں کہیں کوئی رخنہ نہیں۔

زمین کے بارے میں کہتا ہے۔

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ (20-22) سورة عنکبوت

ان سے کہو کہ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اس نے کس طرح خلق کی ابتدا کی۔

اونٹ' زمین کے متعلق کہتا ہے۔

أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ (88-17-20) سورة غاشیہ

کیا یہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے؟ آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کیسے اٹھایا گیا؟ اور پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے جمائے گئے؟

ان قرآنی شواہد کے بعد کوئی شک نہیں کہ سائنس کی موجد اسلام کی مواحدانہ تہذیب ہے۔ مصر' بابل' یونان اور روما کی مشرکانہ تہذیبیں ہرگز سائنس کی موجد نہیں ہیں۔ یونانی محسوسات اور تجربہ کی دنیا سے کس قدر بیگانہ تھے اس کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جاسکتا ہے کہ ارسطو دو بیویوں کا شوہر ہونے کے باوجود لکھتا ہے کہ عورت کے منہ میں 38 دانت ہوتے ہیں اور مرد کے منہ میں 32 دانت۔ علوم کی تحقیق کے لئے تجربات پر اعتماد کرنا عربوں نے دنیا کو سکھایا ہے۔

عباسی دور میں یونانی فلسفہ کا عالم اسلام پر اثر اتنا شدید ہوا کہ دو تین صدیوں تک وہ قرآن کی روح کی طرف نہ لوٹ سکے اور جب بعد کی صدیوں میں انہوں نے سائنس کی بنیادیں فراہم کیں تو ان پر سیاسی زوال طاری ہو چکا تھا' تاہم اندلس نے ابن حزم اندلسی (994ء سے 1064ء) ابن طفیل (1185ء) ابن رشد (1198ء) ابن خلدون (1332ء 1406ء) جیسے سائنسدان پیدا کئے مگر یہ وہ زمانہ تھا جب اندلس پر زوال پوری طرح طاری ہو چکا تھا۔

سائنس کا طفل نوزاد اہل فرنگ نے اندلس سے لیکر حقی بنالیا۔ تربیت اس نے اہل فرنگ کے یہاں پائی ہے رابرٹ بریفالٹ لکھتا ہے۔

"سائنس عربوں کا سب سے عظیم الشان عطیہ ہے۔ عہد جدید کی لئے اگرچہ اس کو پھل لانے میں کافی دیر لگی۔ جب عرب تہذیب کی شمع اندلس میں بجھ کر خاموش ہوگئی۔ تب یہ دیو اٹھ کھڑا ہوا جس کو انہوں

نے پیدا کیا تھا"

اس طفل نوزاد نے یورپ کے لادینی ماحول میں تربیت پائی۔ اب یہ خدا اور آخرت، اخلاقیات اور روحانیت سب کا دشمن ہے اس کی خودسری اس مرحلہ پر جا پہنچی ہے کہ اس کے ہاتھوں اب خود حضرت انسان کا وجود خطرے میں پڑ گیا ہے۔ اس طفل نوزاد کی طینت نیک ہے۔ تربیت اور ماحول نے اس کو خونخوار دیو کی شکل میں پروان چڑھایا ہے اس کے ہاتھوں میں لا سلاطین لا کلیسا لا الٰہ کا تیشہ ہے اور اب وہ انسان کی طرف بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ آج اس تخریب کار کو دیکھ کر کوئی گمان کر سکتا ہے کہ اس کی تخلیق میں قرآنی عوامل کارفرما تھے۔ بات یہ ہے کہ مسلمان نے جب اس کو گھر سے نکال دیا تو یہ آوارہ مزاج اور آوارہ سرشت بن گیا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ اس آوارہ مزاج کو پھر سے رام کیا جائے، پھر اس کو سدھایا جائے اور بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے کام پر لگایا جائے۔ تخریب کاروں کے چنگل اس سے دور کئے جائیں۔ اس میں احساس ذمہ داری پیدا کیا جائے۔ اس میں خوف حقیقی کیا پیدا جائے۔ اس کو خدا ترس اور رحم دل بنایا جائے۔

یہ کام قرآن ہی کر سکتا ہے اور اسلام ہی کر سکتا ہے۔ مگر ادھر مسلمان عامۃ الناس کا حال یہ کہ وہ گزشتہ صدیوں سے فکری جمود میں مبتلا ہیں۔ سائنس سے وہ بیگانہ ہیں۔ جب تک بیگانگی کی فضا برقرار رہتی ہے اس وقت تک اصلاح سائنس کی کوئی امید نہیں ہے۔

فضا برقرار رہتی ہے اس وقت تک اصلاح سائنس کی کوئی امید ہے۔

بحالت موجودہ سائنس کو عام مسلمانوں میں متعارف کرانا اور اس حیثیت سے کرانا کہ یہ سرکش گھوڑا دراصل آپ کے اصطبل سے ہی نکل کر بھاگا ہے آپ کو اس سے بعد اور اجنبیت نہیں ہونی چاہئے۔

اول مرحلہ پر یہی کام بہت اہم ہے اور میں گمان کرتا ہوں کہ میں نے یہ کام بدرجہ احسن انجام دیا ہے۔ میں نے سائنس کے مختلف شعبوں سے متعلق آیات قرآنی پیش کر کے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ سائنس اور قرآن میں نہ عناد ہے نہ تضاد ہے۔ بلکہ توافق اور سازگاری ہے۔ اب تک اس سرکش گھوڑے پر ناخدا شناس غیر ذمہ دار لوگ سوار رہے ہیں۔ یہ تخریب کاری ان کی وجہ سے تھی۔ اب خدا ترس اور آخرت پر ایمان لانے والا مسلمان اگر اس گھوڑے کی سواری اختیار کرے تو یہ ہر تخریب کی تعمیر، ہر فتنہ کا انسداد اور ہر زخم کا مرہم ثابت ہوگا۔ سائنس عظیم قوت ہے۔ ناخدا شناس غیر ذمہ دار کے ہاتھوں میں آلہ تخریب ہے اور متقی اور پرہیزگار ہاتھوں میں ذریعہ تعمیر و تحسین ہے۔

سائنس کا تعارف

اسلام کے مخالفین مسلسل یہ افواہیں پھیلاتے رہتے ہیں اور جن سے ہمارے بعض دوست خاصے متاثر نظر آتے ہیں کہ اسلام سائنس اور علوم جدیدہ کا مخالف ہے اور چونکہ بیسویں صدی سائنس کی ایجادات و اکتشافات و ترقی کی صدی ہے اس لئے موجودہ ترقی یافتہ دور میں چودہ سو سال کا پرانا نظام اسلام قابل عمل نہیں ہے گویا کہ ان کے خیال میں اسلام اور سائنس دو متضاد چیزیں ہیں۔ اور ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام سے ناواقف اور اسلام کے مخالفین اسلام کے نام لیواؤں کو رجعت پسند (Reactionarles) اور (Conservative) اور اپنے آپ کو ترقی پسند (Progressive) جیسے ناموں سے موسوم کرتے ہیں۔ اب اشتراکیوں (Communists) اور اشتمالیوں (Socialists) کے ہاں یہ اصطلاحات عام ہیں جن کا وہ روز مرہ زندگی میں بار بار استعمال کرتے رہتے ہیں۔

عیسائی اور یہودی دنیا بھی اس "نیک" کام میں کسی سے پیچھے نہیں ہے۔ انہوں نے اس مشن کو ایک اور طرح سے آگے بڑھایا ہے اور وہ یہ کہ اسلام کا تعلق صرف مسجد اور خانقاہ سے ہے۔ روز مرہ زندگی سے اس کا کوئی تعلق نہیں گویا کہ ان کے ہاں دین و دنیا دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ ان کی اس منطق نے ہمارے ایک بہت بڑے طبقے کو خاصہ متاثر کیا ہے اور وہ بھی طوطے کی طرح اس بات کو دہراتے رہتے ہیں۔

حقیقت کیا ہے؟ آیا ان کی یہ منطق درست صحیح ہے یا ہماری۔ اسلام ایک ابدی دین یعنی طرز زندگی ہے۔ اس میں دین و دنیا کی کوئی تمیز نہیں ہے۔ یہ ہر زمانے میں نیا ہے اور ہر زمانے میں ہر قسم کے حالات سے نبرد آزما ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے؟ ہمارے پاس اپنی بات کو ثابت کرنے کے لئے عقلی اور نقلی دلائل موجود ہیں جو موافقین کے ایمان کو بڑھانے اور مخالفین کی غلط فہمی اور ہٹ دھرمی کو ختم کرنے کے لئے کافی و شافی ہیں۔

یہ حقیقت تو آج کل ہر معقول آدمی تسلیم کرتا ہے کہ یقینی علم دو ذریعوں سے حاصل ہوتا ہے۔ ایک وحی (Revelation) اور دوسرا سائنس۔ حضرت آدم علیہ السلام جو سطح زمین پر پہلے انسان ہیں کو ان دو ذرائع سے علم دیا گیا۔ ایک طرف ان کو پیغمبر بنایا گیا اور وحی کا یقینی علم دے کر دنیا میں اتارا گیا۔ اور دوسری طرف چونکہ ان کو اس دنیا میں وقت گزارنا تھا اور اللہ کی نیابت جیسے بہت عظیم فریضے کو سرانجام دینا تھا۔ اس لئے ان کے لئے سائنسی علوم کے سرچشمے بھی کھول دیئے گئے ان دو ذرائع کے علاوہ یقینی علم کے کسی تیسرے ذریعے کو نہ اسلام تسلیم کرتا ہے اور نہ سائنس۔ علم الاسماء کی تعلیم سے مراد بھی سائنس کی تعلیم ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ جنگ بدر میں جب مشرکین مکہ کے ستر آدمی قیدی بنائے گئے تو ان کا فدیہ مقرر

کیا گیا کہ ان میں سے ہر تعلیم یافتہ قیدی مسلمانوں کے دس دس بچوں کو تعلیم دے گا۔ اس تعلیم کا منبع آج کل کے دینی مدارس میں پڑھائے جانے والے منبع جیسا نہیں تھا۔ بلکہ اس وقت جو تعلیم مروج تھی مسلمانوں کے بچوں کو دی تعلیم دلائی گئی۔

اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ کے ذاتی منشی حضرت زید کو متعدد زبانیں یاد تھیں جن میں اس وقت کی مروجہ ساری زبانیں شامل تھیں۔ گویا کہ مختلف زبانوں کو سیکھنا اور سکھانا بھی اسلام کے ہاں ایک ضروری اور مستحسن عمل ہے جس کو جاری رکھنا مسلمانوں کے لئے اب بھی ضروری ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ قرآن پاک میں پانچ قسم کے علوم ہیں ان میں سے ایک علم الاحکام ہے جس کی آیات کی تعداد باختلاف روایات 95-200 اور 500 ہیں۔ ان کے مقابلے میں ایک علم تذکیر بالا ءاللہ ہے جس کی آیات کی تعداد 750 ہے۔ گویا کہ احکام کے مقابلے میں سائنس (کائنات) سے متعلق آیات کی تعداد زیادہ ہے۔ اب اگر اسلام اور سائنس میں تضاد مانا جائے تو پھر نعوذ باللہ قرآن پاک کی 750 آیات لغو ٹھہریں گی۔ حالانکہ قرآن پاک کا ایک ایک حرف اپنی جگہ ایک حقیقت ہے اور ان کے اندر بہت اہم معانی چھپے ہوئے ہیں جس سے انکار کفر کے مترادف ہے۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور اس کو گوناگوں صلاحیتوں سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو سننے کے لئے کان، دیکھنے کے لئے آنکھ، سوچنے کے لئے دماغ اور جانچنے کے لئے فواد یا قلب عطا کیا۔ ارشاد ربانی ہے۔

قُلْ هُوَ الَّذِي أَنشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ (23-67) سورۃ ملک

"اور آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ ہی نے تم کو پیدا کیا اور تم کو کان، آنکھیں اور دل دیئے مگر تم لوگ جو کہ ان کی قدر یعنی صحیح استعمال بہت کم کرتے ہو"

کان آنکھ اور دل کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ قیامت کے دن انسان سے ان کے بارے میں پوچھ ہو گی۔ ارشاد ربانی ہے۔

إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا (سورۃ بنی اسرائیل آیت 7-36)

"بے شک کان، آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں پوچھا جائے گا"

مذکورہ آیت میں کان، آنکھ اور دل (سمع، بصر، فواد) کے الفاظ غور طلب ہیں۔ ان کا مفہوم محض سننے، دیکھنے اور جانچنے کی حد تک محدود نہیں ہے بلکہ سمع سے مراد دوسرے لوگوں سے معلومات حاصل کرنا ہے۔ بصر سے مراد آنکھیں کھول کر کائنات کا مشاہدہ کرنا ہے۔ اور فواد سے مراد سمع اور بصر سے حاصل شدہ معلومات کا تجزیہ کرنا اور ان سے وحی کی روشنی میں نتائج اخذ کرنا، اور ان نتائج کی روشنی میں اپنے

مستقبل کا لائحہ عمل وضع کرنا ہے۔ ان تینوں قوتوں کی مشترکہ کارکردگی کو علم کہتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ سب انسان ان تین قوتوں سے کام لیتے ہیں اور ان ہی کے ذریعے انسان کو دوسری تمام اشیاء اور مخلوقات اور تسلط اور برتری حاصل ہے۔ جو لوگ ان قوتوں سے اجتماعی حیثیت میں کام لیتے ہیں ان کو اقوام عالم کی قیادت سونپی جاتی ہے۔ اور جو لوگ ان قوتوں کا باقاعدہ استعمال نہیں کرتے وہ محکوم اور مغلوب رہتے ہیں۔ کوئی قوم اس وقت قائد اور پیشوا بن سکتی ہے جب وہ ایک طرف ماضی اور حال کے انسانوں سے زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرتی ہے۔ اور دوسری طرف اپنی آنکھوں سے کائنات کا مشاہدہ کرتی ہے۔ اور ان سے حتی المقدور معلومات جمع کرتی ہے۔ پھر ان معلومات کا تجزیہ کر کے ان سے نتائج اخذ کرتی ہے اور ان نتائج سے روز مرہ کی زندگی میں مفید کام لیتی ہے ان نتائج کی روشنی میں گزشتہ اور حال کے انسانوں کے جو غلط کام ہوں ان کی اصلاح کی کوشش کرتی ہے اور جن چیزوں میں نقص ہو ان کا نقص دور کرتی ہے اور جو نئی معلومات ان کو حاصل ہوتی ہیں اپنی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کر کے ان سے زیادہ سے زیادہ کام لیتی ہے۔ یہ صفات انسانوں کی جس جماعت میں دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ہوں وہ قوموں کی قیادت سنبھالتی ہے۔ اور جو لوگ ان صفات سے جس قدر عاری ہوں اسی قدر ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ کرتا ہے اور وہ پہلی جماعت کے تابع اور پیروکار ہوتے ہیں اور اگر کسی وجہ سے یہ لوگ ان کی اطاعت سے بچ بھی جائیں تو پیروی سے تو کسی حالت میں نہیں بچ سکتے۔

اس دور عروج کے بعد جب ایسے لوگوں کے زوال کا وقت آتا ہے تو وہ اپنے کانوں اور اپنی آنکھوں کے ذریعے مفید معلومات حاصل کرنا اور ان سے اپنے دلوں کے ذریعے نتائج اخذ کرنے کا عمل چھوڑ جاتے ہیں۔ ان کے علم کا سارا سرمایہ گزشتہ اور حال کے لوگوں سے معلومات حاصل کرنے کی حد تک محدود ہو جاتا ہے۔ ان کی قوت مشاہدہ سلب ہو جاتی ہے پھر وہ صرف اپنے گزشتہ کارناموں کو دہراتے رہتے ہیں اور وہ بھی دہرانے کی حد تک اس سے آگے وہ نہیں بڑھتے۔ اس قوت علم سے محروم ہو کر یہ لوگ قوموں کی امامت کے منصب پر قائم نہیں رہ سکتے اور یہ امانت ان لوگوں کو سونپی جاتی ہے جن کے پاس علم کی یہ قوت بدرجہ کمال موجود ہو۔

اس پس منظر میں دیکھا جائے تو اس نتیجے پر پہنچنا آسان ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس جب علم کی یہ قوت موجود تھی تو دنیا کی امامت اور قیادت ان کے ہاتھ میں تھی۔ مگر جب مسلمان علم کی دولت سے محروم ہو گئے تو قیادت دوسروں کے ہاتھ میں چلی گئی۔ اور مسلمان ان کے مطیع اور پیروکار بن گئے۔

آج کل غیر مسلم اقوام اس قوت کی مالک ہیں اور یہی وجہ ہے کہ تمام قیادت ان کے ہاتھ میں ہے۔ مسلمان محض صرف اپنے آباؤ اجداد کے کارناموں کو دہراتے رہتے ہیں کانوں سے محدود پیمانے پر تو کام لیتے ہیں مگر اپنی آنکھوں اور دلوں پر تالے لگا بیٹھے ہیں۔ کائنات کا مشاہدہ کرنا اور نئے نئے

انکشافات کرنے کے عمل سے یہ قطعی بے بہرہ ہیں۔ نتیجتاً ان غیر مسلم اقوام کے دست نگر ہیں جن کے پاس علم کی یہ قوت بدرجہ کمال موجود ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ علم ایک زبردست قوت ہے۔ دنیا کی جو قوم یہ قوت حاصل کر لے دنیا کی قیادت اس کے پاس ہوگی۔ اب اگر یہ طاقت رحمانی ہاتھوں میں ہے تو یہ انسانیت کے فائدے اور بہتری کے لئے استعمال ہوگی اور اگر یہ شیطانی ہاتھوں میں ہے تو یہ انسانیت کی تباہی اور بربادی کے لئے استعمال ہوگی۔ جنگ عظیم اول و دوم اور آج کل کے تشویش حالات اس سلسلے میں ناقابل تردید شواہد فراہم کرتے ہیں۔ اس لئے یہ بات قطعی ہے کہ جب تک مسلمان علم کی یہ قوت دوبارہ اپنے ہاتھ میں نہیں لیتے اس وقت تک یہ دوسری اقوام کے دست نگر رہیں گے۔

مگر علم کی یہ قوت حاصل ہوگی کیسے؟ کیا یہ قوت ہمیں اس نظام تعلیم اور اس نصاب تعلیم سے حاصل ہوگی جو آج کل دنیا کے مسلمان ممالک کے تعلیمی اداروں میں بالعموم اور پاکستان کے تعلیمی اداروں میں بالخصوص رائج ہے۔ کیا پاکستان کے مسلمان گذشتہ 45 سال میں لارڈ میکالے کے رائج کردہ نظام تعلیم اور نصاب تعلیم سے یہ قوت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں؟ کیا اقدار سے خالی تعلیم (Values Free Education) نے ہمیں طاقت مہیا کرنے کی بجائے ہمارے انفرادی اور اجتماعی وجود کو کھوکھلا کر کے نہیں رکھ دیا؟ آزادی کے بعد انگریز نے ہمیں ورثے میں ایک ایسی مشین دی جس سے ایک انچ کے پرزے نکلا کرتے تھے اور ان کو ان کی اشد ضرورت تھی ہم نے کیا کیا۔

ہم نے اس مشین کو سبز رنگ دیا اور اس کے اوپر کلمہ طیبہ تحریر کیا۔ اندر کوئی تبدیلی نہیں کی اور مشین کو حکم دیا کہ وہ دو انچ کے پرزے نکال دے جن کی ہمیں ضرورت تھی۔ ظاہر ہے مشین کا کام تو ایک انچ پرزے بنانا ہے اور ہماری ضرورت دو انچ کے پرزوں کی ہے۔ ہماری سادگی کا کیا کہنا۔ ہم نے اپنے آپ کو بیوقوف بنا کر ایک انچ کے پرزوں کو دو انچ کے پرزے سمجھ رکھا ہے اور یہی عمل آج تک جاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے تعلیمی اداروں سے مسلمان' احساس ذمہ داری رکھنے والے' وقت کے پابند' دیانتدار' مخلص اور محب وطن افراد نکلنے کی بجائے بحیثیت مجموعی سست' کام چور' کاہل' خود غرض' وطن فروش' احساس ذمہ داری نہ رکھنے والے' دین سے ناآشنا اور دوسروں کے اشاروں پر ناچنے والے افراد نکلتے ہیں اور گذشتہ 45 سال سے ہماری قوم کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے۔

اس کا علاج دریافت کرنا ہمارا سب سے بڑا ہدف ہے۔ میری ناقص رائے میں اس کا علاج یہ ہے کہ ہمارے ہاں علم کو "دینی" اور "دنیاوی" جن خانوں میں بانٹا گیا ہے اس تقسیم کو ختم کیا جائے اور قرآن و سنت کی تعلیم کے ساتھ ساتھ سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم پر توجہ مرکوز کی جائے۔

مگر اس بات کا خیال ضرور رکھا جائے کہ ہمارے اداروں میں ان علوم کی تدریس، ہماری' ثقافت'

ہماری ضرورت اور مزاج کے مطابق ہو۔ انگریزی کے بجائے اپنی زبان میں ہو۔ اس عظیم کام کے لئے مسلمان اور مشنری جذبہ رکھنے والے اساتذہ کی ضرورت ہوگی۔ ایسے اساتذہ جو قدیم و جدید دونوں علوم سے آشنا ہوں اور پیشہ تدریس کو ملازمت کی بجائے عبادت سمجھتے ہوں۔ بصورت دیگر مطلوبہ نتائج حاصل نہ ہو سکیں گے۔

چنانچہ گذشتہ کئی صدیوں سے مسلمان کا سب سے بڑا اور بنیادی مسئلہ علوم کا اسلامی تناظر میں یعنی اسلامی روشنی میں پڑھانا ہے۔ مگر اس ضرورت سے ناقابل برداشت اغماض برتا جا رہا ہے۔ اگرچہ دین کا درد اور تڑپ رکھنے والے حضرات اسی مسئلہ پر مختلف اوقات میں توجہ دیتے رہے اور اس کیلئے مختلف تجاویز پیش کرتے رہے ہیں لیکن ان پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی۔

اس کی وجہ ایک تو ہماری روایتی سستی اور مسئلے کی سنگینی کا احساس نہ کرنا ہے اور دوسری طرف کچھ خفیہ ہاتھ ایسے ہیں جو اس سمت میں ہر قدم پر روڑے اٹکاتے رہتے ہیں پھر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ احساس بعض حلقوں میں بڑھتا جا رہا ہے اور اللہ کے کچھ نیک بندے ضرور پیدا ہوتے ہیں جو اس مسئلے کے حل میں لگے ہوئے ہیں ظاہر بات ہے جب تک اس احساس اور بنیادی مسئلے کا حل نہیں نکالا جاتا اس وقت تک ایک مسلمان قوم کی حیثیت سے ہم اپنا تشخص برقرار نہیں رکھ سکتے راقم الحروف نے اس ضمن میں حقیری کوشش کی ہے جو آپ کے سامنے ہے۔

قرآن اور جدید سائنس

ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارا ایمان ہے کہ قرآن پاک انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہے اور انسانی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس کے لئے قرآن میں رہنمائی نہ ملتی ہو علماء نے قرآنی علوم کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

1- علم الاحکام۔
2- علم تذکیر بالاء اللہ۔
3- علم تذکیر بایام اللہ۔
4- علم مخاصمہ مع اہل الکتاب المشرکین۔
5- علم حیات بعد الممات۔

علم الاحکام میں انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لئے واضح اور بنیادی احکامات بیان ہوئے ہیں۔ مگر ان احکامات سے متعلق آیات کی تعداد بہت محدود ہے چونکہ محدود آیات روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے لامحدود مسائل کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ اس لئے جن مسائل کا حل براہ راست قرآن مجید میں نہیں

مسائل کے حل کے لئے قرآن حکیم کے بعد سنت رسول ﷺ کی طرف لوٹنا پڑتا ہے۔ بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ خود قرآن میں احکام کی تفصیل جاننے کے لئے سنت رسول ﷺ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا اور جب سنت رسول ﷺ میں کسی مسئلے کا حل نہیں ملتا تو پھر علماء اپنے اجتہاد کی روشنی میں اس مسئلے کا حل ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس پس منظر میں دیکھا جائے تو قرآن حکیم بنیادی طور پر ایک ایسی کتاب ہے جس کا بنیادی مقصد انسانی زندگی کے تمام گوشوں کی اصلاح اور رہنمائی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مقصد بھی مسلمانوں کی زندگی کا تزکیہ تھا۔ اور تزکیہ سے مراد یہ تھا کہ مسلمان اپنی دنیاوی زندگی میں اپنی ہر حرکت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کے تابع بنائیں۔ اس بارے میں قرآن سے رہنمائی حاصل کرنے کے لئے طریقہ کار یہ وضع کیا گیا کہ جن چیزوں کا تعلق مشاہدات یعنی کائنات سے نہ تھا اور ان تک عقل کی رسائی ممکن نہ تھی یا وہ عقل کی گرفت سے ماوراء تھیں ان کی مکمل فہرست قرآن مجید میں دے دی گئی اور جن اشیاء تک عقل کی رسائی ممکن تھی یعنی ان کا تعلق محسوسات اور مشاہدے سے تھا ان کے بارے میں تحقیق کرنے کے لئے عقل کو مکمل آزادی دی گئی۔ بلکہ علم الاشیاء اور علم الاسماء کے بارے میں تفکر و تدبر کی دعوت دے دی گئی۔ دین اسلام کی عظمت کو دیکھئے کہ یہ ان اشیاء میں بالکل مداخلت نہیں کرتا جو عقل کے دائرہ کار میں آتی ہیں۔ البتہ اس بارے میں یہ قدغن ضرور رکھتا ہے کہ عقلی جستجو سے جو ایجادات بروئے کار لائی جائیں گی ان میں خالق کائنات کی مرضی اور قانون کا بہرحال خیال ضرور رکھا جائے گا۔ چنانچہ مختلف مروجہ علوم کے بارے میں قرآن مجید میں تفصیلات نہیں ملیں گی۔ البتہ ان علوم کے بارے میں علم مجرد جاننے کے معنوں میں استعمال نہیں کیا گیا۔ بلکہ ذات باری کو علم کا سرچشمہ قرار دے کر معرفت حق کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً قرآن مجید کا ارشاد ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (سورۃ جمعہ 62 آیت 2)

"وہ اللہ ہی تو ہے جس نے امیوں میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو ان کے سامنے اس کی آیات پڑھتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو اللہ کی کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ اس سے پہلے یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے"

ایک دوسری آیت میں آیا ہے۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (سورۃ زمر 39 آیت 9)

"کہہ دیجئے کیا جاننے والا اور نہ جاننے والا برابر ہو سکتا ہے"

ایک مقام پر فرمایا

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ (سورۃ رعد 13 آیت 16)

"اے پیغمبر کہہ دو کہ کیا اندھا یعنی جاہل اور بینا یعنی عالم برابر ہو سکتے ہیں؟"

اس طرح فرمایا۔

أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ (سورۃ رعد 13 آیت 16)

"کیا روشنی یعنی علم اور تاریکیاں یعنی جہل یکساں ہو سکتے ہیں؟"

قرآن حکیم اگر ایک طرف ان سوالوں کا جواب ہر سلیم الفطرت انسان سے نفی میں چاہتا ہے تو دوسری طرف وہ ان تمام سوالات کا جواب خود بھی دیتا ہے کہ

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ (سورۃ فاطر 35 آیت 19 سے 21)

"اندھا اور آنکھوں والا یعنی عالم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے اور نہ تاریکی اور روشنی یعنی جہل اور علم برابر ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح چھاؤں اور دھوپ بھی برابر نہیں ہو سکتے"

قرآن مجید میں علم کے ساتھ حکمت یعنی دانائی کی بات بڑی معنی خیز ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا (سورۃ بقرہ 2 آیت 269)

"جسے حکمت کی نعمت عطا کی گئی اسے حقیقت میں بڑی دولت دے دی گئی"

حکمت کے بارے میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔

كَلِمَةُ الْحِكْمَةِ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ حَيْثُ يَجِدُهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا

"حکمت اور دانائی کی بات مومن کی گمشدہ پونجی ہے جہاں کہیں وہ اس کو پالیتا ہے تو وہ اس کا زیادہ مستحق ہے"

ایک دوسری آیت میں آیا ہے۔

لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا فَسَلَّطَهُ عَلَىٰ هَلَكَتِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا

"صرف دو آدمی قابل رشک ہیں ایک وہ آدمی جس کو اللہ مال دیتا ہے اور پھر اس کو راہ حق میں خرچ کرنے کی توفیق بھی دیتا ہے اور دوسرا وہ جس کو اللہ تعالیٰ حکمت کی نعمت سے نوازتا ہے اور پھر وہ اس حکمت کے مطابق فیصلے بھی کرتا ہے اور اسے دوسروں کو سکھاتا بھی ہے"

گویا ہر وہ پیشہ یا علم جس کا تعلق انسان کی زندگی کے ساتھ ہے اس میں مہارت تامہ حاصل کرنا حکمت کہلائے گا۔ چنانچہ کلمہ حکمت میں ہر وہ علم آ سکتا ہے جو آج کل مروج ہے یا آئندہ رونما ہوگا۔

جہاں تک رسول کریم ﷺ کی اس حدیث کا تعلق ہے کہ

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ

"علم کا حصول ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے"

تو اس سے مراد دین کی بنیادی ضروریات کا جاننا ہے۔ البتہ علوم کی کسی شاخ میں مکمل دسترس حاصل کرنا تمام مسلمانوں کے لئے انفرادی طور پر فرض عین نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے۔ گویا کہ علم کی مختلف شاخوں میں ماہرین کا تیار کرنا بحیثیت قوم مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے اور اگر ایسی جماعت پیدا نہ ہو تو مسلمان من حیث القوم گناہگار ہوں گے اور اللہ کے سامنے اس غفلت کے لئے جوابدہ ہونا پڑے گا۔ اس بات کے ثبوت میں قرآن مجید کی یہ آیت پیش کی جا سکتی ہے۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ (سورۃ توبہ 9 آیت 122)

"ایسا کیوں نہ ہو کہ ان کی آبادی کے ہر حصے میں سے کچھ لوگ نکل آتے اور دین میں فہم و بصیرت حاصل کرتے"

علماء اس آیت کا مفہوم تقسیم کار لیتے ہیں یعنی علم کی ہر شاخ میں تفقہ حاصل کرنا ضروری ہے۔

رسول کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ

"اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے اس کو دین میں سمجھ عطا فرماتا ہے"

مذکورہ بالا آیت اور حدیث شریف سے اگرچہ بالعموم مجرد علوم قرآنی اور تفقہ فی الدین کا مفہوم لیا جاتا رہا ہے۔ لیکن قرآن مجید کی دوسری آیات اور صحابہ کرام کے اسوہ حسنہ اور احادیث کے مجموعی مطالعے سے یہ بات نہایت وضاحت کے ساتھ سامنے آتی ہے کہ دوسرے مروجہ علوم کا حصول بھی مسلمانوں پر من حیث القوم فرض ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ (سورۃ انفال 8 آیت 60)

"اور جہاں تک تمہارا بس چلے تم لوگ ان کے مقابلے کے لئے زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے مہیا رکھو تاکہ ان کے ذریعے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداء کو خوف زدہ کرو جنہیں تم نہیں جانتے۔ اللہ انہیں جانتا ہے"

یہاں لفظ قوت غور طلب ہے اس میں ہر وہ امکانی تیاری شامل ہے جو مسلمان بحیثیت قوم کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وقت اور زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق قوت کا مفہوم بھی بدلتا رہے گا۔ اور

موجودہ زمانہ میں ایٹم بم، میزائل، آبدوزیں، ٹینک، ہوائی جہاز غرض یہ کہ جدید ٹیکنالوجی کی ایک ایک شاخ کو سیکھنا مسلمانوں کے لئے لازم ہے اور اس تیاری میں کوتاہی برتنے کا مسلمان کو اللہ کے حضور جواب دینا پڑے گا اور اس میدان میں کسی طرح کی کوتاہی اور غفلت پوری امت مسلمہ کو دوسروں کا دست نگر اور کمزور بنا کے رکھ دے گی۔

علامہ اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا ہے۔

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

اس کتاب کے لکھنے میں راقم الحروف کا واحد مقصد یہ ہے کہ طلباء کا تعلق قرآن کے ساتھ جوڑا جائے اور اگر استاد یہ تعلق قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر وہ اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اس تعلق کو جوڑنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ استاد تدریس کے دوران کبھی کبھار اپنے مضمون سے متعلق قرآن مجید یا احادیث نبوی ﷺ سے ایک حصہ طلباء کے سامنے تلاوت کرے اور ان کو بتادے کہ کلاس میں جو مضمون پڑھایا جا رہا ہے اس کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے مثلاً

نباتیات کا استاد بھی کبھار اپنے طلباء کو مخاطب کر کے کہے۔ بچو! آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ علم نباتات پودوں، درختوں اور زمین سے اگنے والی ہر چیز سے بحث کرتا ہے۔ قرآن مجید میں مختلف درختوں، پودوں اور سبزے کا ذکر موجود ہے مثلاً قرآن مجید کی ایک سورت کی ابتداء تین (انجیر) اور زیتون سے ہوتی ہے اور انجیر اور زیتون دونوں مشہور درخت ہیں۔

حیوانات کا استاد کہے۔ بچو! آپ کو معلوم ہے کہ علم حیوانیات مختلف جانوروں سے بحث کرتا ہے اور قرآن مجید میں مختلف جانوروں کا ذکر موجود ہے۔ قرآن مجید کی چھ سورتیں جانوروں کے نام پر موسوم ہیں۔ مثلاً بقرہ-2 (گائے) انعام-6 (جانور) نمل-27 (چیونٹی) نحل-16 (شہد کی مکھی) عنکبوت-29 (مکڑی) اور فیل-105 (ہاتھی)

اسی طرح اس کتاب میں موجود تمام مضامین کے بارے میں کبھی کبھار ایک ایک آیت طالب علموں کو سنائی جا سکتی ہے اور ان کا رابطہ قرآن مجید سے جوڑا جا سکتا ہے۔

مگر یہ ایک مشکل کام ہے اور یہ وہ استاد کر سکتا ہے جو صحیح معنوں میں مسلمان ہو۔ جو تدریس کو اپنی زندگی کا مشن سمجھتا ہو۔ جس کے دل میں دین کے لئے درد اور تڑپ پایا جاتا ہو، جو معلم ہو، ملازم نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تدریس کا پیشہ ایک مشن کا نام ہے اور اس کا حق ایک مشنری استاد ہی ادا کر سکتا ہے۔

دل میں دینی تڑپ اور درد ہو تو طلباء کے سامنے تختہ سیاہ پر دوران تدریس امرء القیس اور متنبی کے اخلاق سوز اشعار میں سے ایک شعر لکھا جا سکتا ہے اور ترجمہ اور تفصیل کے بعد اس میں اسم، فعل، حروف، ماضی، مضارع، امر وغیرہ کی نشاندہی کی جا سکتی ہے۔ اس طرح طلباء بھی محظوظ ہوں گے اور

استاد بھی۔ اور اگر سامنے کوئی مقصد اور مشن ہو اور دل میں دینی تڑپ اور درد پایا جاتا ہو اور طلبہ کو قوم کی امانت اور اولاد سمجھا جاتا ہو تو پھر تختہ سیاہ پر قرآن مجید کی ایک آیت یا احادیث نبوی ﷺ میں سے کسی حدیث کا ایک ٹکڑا بھی لکھا جا سکتا ہے اور ترجمہ اور تفصیل کے بعد ان میں عربی قواعد سے متعلق ضروری باتیں سمجھائی جا سکتی ہیں۔

ان تمہیدی کلمات کے بعد ہم قرآن کریم کے ان اشارات کی طرف آتے ہیں جو مختلف علوم کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ اور اگر ہمارے معلمین حضرات اپنے دلوں میں دین اور ملک وملت کے لئے درد اور تڑپ رکھتے ہیں تو وہ اپنے ہر مضمون کو قرآنی اشارات کی روشنی میں پڑھا کر اور اپنے طالب علموں کی توجہ قرآن مجید اور احادیث نبوی ﷺ کی طرف مبذول کرا کے ان میں قرآن فہمی اور سنت فہمی کا شعور بیدار کر سکتے ہیں اور یہ بات قطعی ہے کہ جب طالب علموں یعنی نئی نسل میں قرآن فہمی اور سنت فہمی کا شعور بیدار ہو جائے تو پھر وہ ہمیشہ صحیح اور فعال مسلمانوں کی حیثیت سے زندگی گزاریں گے اور کسی بھی ازم کا ان پر اثر انداز ہونے کا سوال پیدا نہیں ہوگا۔

نظام شمسی

علم کی ترقی کے لئے آزادانہ تحقیق کا ماحول انتہائی طور پر ضروری ہے۔ قدیم زمانہ میں مختلف قسم کے خودساختہ عقائد کی وجہ سے آزادانہ تحقیق کا ماحول باقی نہیں رہا تھا۔ قدیم زمانہ میں بار بار ایسا ہوا کہ ایک ذہین اور صاحب علم آدمی غور وفکر کرتے ہوئے کسی حقیقت تک پہنچا۔ مگر جب اس نے اپنا خیال لوگوں کے سامنے پیش کیا تو وہ اس کو اپنے توہماتی عقائد کے غیر موافق پا کر اس کے مخالف بلکہ دشمن بن گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا فکر مزید آگے نہ بڑھ سکا۔

یونان کے فلسفی سقراط (Socrates) کو زبردستی زہر کا پیالہ پلا کر ہلاک کر دیا گیا۔ اس کا جرم یہ تھا کہ وہ ان دیوتاؤں کو نظرانداز کرتا ہے جس کو شہر ایتھنز کے لوگ پوجتے ہیں۔ وہ مذہب میں نئے نئے طریقے نکالتا ہے، وہ یونان کے نوجوانوں کے ذہن کو خراب کر رہا ہے۔ سقراط کو ہلاک کرنے کا یہ واقعہ 399 قبل مسیح میں پیش آیا۔

گلیلیو نے زمین کی گردش کے نظریہ کی تائید کی تو رومی کلیسا اس کا سخت دشمن ہو گیا۔ اس پر مذہبی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا۔ اس کو اندیشہ ہوا کہ اس کو موت سے کم کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔ چنانچہ اس نے فلکیاتی نظریہ سے توبہ کر لی۔ اس نے رومی کلیسا کی عدالت کے سامنے ان الفاظ میں اپنے رجوع کا اعلان کیا۔

"میں گلیلیو عمر 70 سال آپ لوگوں کے سامنے گھٹنے ٹیک کر انجیل مقدس کو گواہ بنا کر اس پر اپنے

دونوں ہاتھ رکھ کر اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہوں اور زمین کی حرکت کے بعید از حقیقت دعوے سے دست بردار ہوتا ہوں، اس سے انکار کرتا ہوں اور اس نظریہ کو قابل نفرت خیال کرتا ہوں"

یہ کوئی ایک واقعہ نہ تھا۔ اس زمانہ میں مسیحی علماء کا یہی عام طریقہ تھا۔ نئی حقیقتوں کی کھوج اور فطرت کے رازوں کی تلاش جس کا نام سائنس ہے، ان کو انہوں نے صدیوں تک ممنوع بنائے رکھا۔ ایسی چیزوں کو کالا علم، جادو اور شیطانی تعلیم بتایا جاتا تھا۔ ان حالات میں ناممکن تھا کہ تحقیق وتلاش کا عمل مفید طور پر جاری رہ سکے۔ قرون وسطی میں یہ کام پہلی بار مسلمانوں کے ذریعہ شروع ہوا۔ کیونکہ قرآن کی تعلیمات نے ان کے ذہن سے وہ تمام رکاوٹیں ختم کر دیں جو گلیلیو جیسے لوگوں کی راہ میں حائل تھیں۔

اس کی ایک مثال نظام شمسی کی گردش کا معاملہ ہے۔ اس معاملہ میں صحیح نظریہ کی حوصلہ افزائی پہلی بار اسلامی انقلاب کے بعد ہوئی اور پھر مزید ترقی کرتے ہوئے وہ جدید دریافت تک پہنچی۔

قدیم یونان میں ایک عالم فلکیات گزرا ہے جس کو ارسٹاکس (Aristarchus of Samos) کہا جاتا ہے۔ اس کا انتقال 270 ق م میں ہوا۔ اس نے شمسی نظام کا مطالعہ کیا اور غالباً پہلی بار آفتاب مرکزی (Heliocentric) نظریہ پیش کیا۔ یعنی یہ کہ سورج مرکز میں ہے اور زمین اس کے گرد گھوم رہی ہے۔ تاہم اس کے نظریہ کو لوگوں کے درمیان مقبولیت حاصل نہ ہو سکی۔

اس کے بعد بطلیموس (Ptolemy) پیدا ہوا۔ اس کا زمانہ دوسری صدی عیسوی ہے۔ بطلیموس نے اس کے برعکس زمین مرکزی (Geocentric) نظریہ پیش کیا۔ یعنی یہ کہ زمین مرکز میں ہے اور سورج اس کے گرد گھوم رہا ہے۔

زمین مرکزی نظریہ مسیحی حضرات کو اپنے اس عقیدہ کے عین مطابق محسوس ہوا جو انہوں نے حضرت مسیح کے بعد بنایا تھا اور جس کی تصدیق آخری طور پر 325ء میں نیقیا (Nicaea) کی کونسل میں ہوئی۔ قسطنطین اعظم 280ء سے 337ء کے مسیحیت قبول کرنے کے بعد عیسائیت سارے رومی علاقہ میں پھیل گئی اور اس کو زبردست اقتدار حاصل ہو گیا۔ اب مسیحی حضرات نے بطلیموس کے نظریہ کی خصوصی سرپرستی کی اور ارسٹارکس کے نظریہ کو مکمل طور پر تاریکی میں ڈال دیا۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا 1984 کے الفاظ میں اس کے بعد اس نقشہ کائنات میں مزید غور وفکر کا موقع باقی نہ رہا۔ 17 ویں صدی عیسوی کے آخر تک تقریباً ہر جگہ یہی نظریہ پڑھایا جاتا رہا۔

There was no further scope for cosmology in the model,which continued to be taught and used almost everywhere until the 17th century (18/1013).

مگر مسلمان جو غیر مقدس کو مقدس سمجھنے کی غلطی میں مبتلا نہیں تھے، انہوں نے اس معاملہ پر کھلے ذہن

کے ساتھ خالص علمی انداز میں غور کیا' انہوں نے پایا کہ آفتاب مرکزی نظریہ زیادہ قرین عقل ہے' چنانچہ انہوں نے اس کو اختیار کر لیا۔

ایڈورڈ میکنال برنس (Edward Mc Nall Burns) نے اس موضوع پر کلام کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ نظریہ کہ سورج ہمارے شمسی نظام کے مرکز میں ہے' اب ایک ثابت شدہ واقعہ بن چکا ہے۔ یہ نظریہ ابتداءً ارسٹارکس (310 سے 230 ق م) نے پیش کیا تھا۔ مگر تقریباً ارسٹارکس کا نظریہ دب گیا اور بطلیموس کا زمین مرکزی نظریہ غالب آ گیا۔ اس کے بعد 12 سو سال سے بھی زیادہ مدت تک بطلیموس کا نظریہ ساری دنیا میں لوگوں کے ذہنوں پر چھایا رہا۔ 1496ء میں کوپرنیکس نے بتایا کہ زمین ہماری دنیا کا مرکز نہیں ہے۔ تحقیق اور فلکیاتی مطالعہ کے بعد کوپرنیکس اس نتیجہ پر پہنچا کہ سیارے سورج کے گرد گھومتے ہیں۔ مگر چرچ کی مخالفت کے اندیشہ کی بناء پر وہ اپنی تحقیقات کے نتائج کو شائع کرنے سے 1543ء تک رکا رہا۔

اسپینی مسلمانوں نے کسی اور مضمون کو اتنی ترقی نہیں دی جتنی سائنس کو۔ درحقیقت اس میدان میں ان کی کامیابیاں نہایت اعلیٰ تھیں جو اب تک دیکھی نہیں گئی تھیں۔ اسپینی مسلمان فلکیات' ریاضیات' طبیعیات' کیمسٹری اور طب میں ممتاز ترین علمی درجہ رکھتے تھے۔ ارسطو کے احترام کے باوجود وہ اس سے نہیں ہچکچائے کہ وہ اس نظریہ پر تنقید کریں کہ زمین کائنات کا مرکز ہے۔ انہوں نے اس امکان کو تسلیم کیا کہ زمین اپنے محور پر گردش کرتی ہوئی سورج کے گرد گھوم رہی ہے۔

Despite their reverence for Aristotle,they did not hesitate to criticize his notion of a universe of concentric spheres withthe earth at the centre,and they admitted the possibility that the earth rotates on its axis and revolves around the sun (P.264).

Edward Mc Nall Burns,Western Civilization, W.W.Norton & Company Inc,New York 1955,pp.36.

نظام شمسی کے بارہ میں مسلمانوں کا صحیح نظریہ تک پہنچنا صرف اس لئے ممکن ہو سکا کہ اسلام نے پابندی فکر کے اس ماحول کو توڑ دیا جو انسان کے لئے ذہنی ترقی میں رکاوٹ بنا ہوا تھا۔ مصنوعی بندشوں کے ختم ہوتے ہی انسانی فکر کا قافلہ تیزی سے ترقی کی طرف سفر کرنے لگا اور بالآخر اس مرحلہ تک پہنچا جہاں وہ بیسویں صدی میں ہم کو نظر آ رہا ہے۔

کائنات کے راز

یہ عہد حاضر کی ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ تحقیقات اور ایجادات کے اعتبار سے سائنس کے کمالات آج اپنے پورے عروج پر ہیں۔ چنانچہ حیات انسانی کے ان گنت شعبوں کے علاوہ سائنس دانوں نے بری' بحری اور فضائی حوالوں سے ایسی ایسی تحقیقات کی ہیں اور جنگلوں' صحراؤں' سمندروں اور پہاڑوں کے بارے میں ایسی ایسی نادر و نایاب معلومات فراہم کی ہیں کہ جن کا مطالعہ کر کے اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرتوں کا مزید انکشاف ہوتا ہے جو ایمان میں اضافے اور پختگی کا سبب بنتی ہیں۔ حقیقت ہے کہ علم و تحقیق کے حوالے سے یہ سائنس دان بصیرت اور فراست رکھنے والے ہر فرد کے محسن ہیں اور ان کے لئے دل میں بے اختیار تشکر اور احسان مندی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

لیکن سائنس کی بے مثال اور محیر العقول ترقیوں کے باوجود کرۂ ارض اور کائنات کے حوالے سے چند سوالات ایسے ہیں کہ سائنس دان تمام تر کوششوں کے باوجود ان کے جواب تلاش نہیں کر سکے اور سال ہا سال کی تلاش و جستجو کے باوجود ان کی کوئی وضاحت اور توجیہہ سامنے نہیں آ سکی۔ وہ سوالات مندرجہ ذیل ہیں۔

1- برمودا مثلث (ٹرائی اینگل) کا راز کیا ہے؟

2- اڑن طشتریوں کی حقیقت کیا ہے؟

3- امریکی خلائی ادارے ناسا (NASA) نے اپنی دوربین "ہبل" (Hubble) کے ذریعے سے کائنات کے دور دراز گوشوں کی جو تصاویر حالیہ برسوں میں فراہم کی ہیں' ان کی حقیقت کیا ہے؟

4- بلیک ہولز (Black Holes) دراصل کیا ہیں؟

5- دنیا میں گرمی کا تناسب کیوں بڑھ رہا ہے اور گلیشیئر کیوں پگھلنے لگ گئے ہیں؟

آیئے سب سے پہلے برمودا مثلث کے راز کو معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

میں اس امر کا کھلے دل سے اعتراف کرتا ہوں کہ میں اوسط درجے کی صلاحیتوں کا ایک فرد ہوں اور دینی و سائنسی حوالوں سے میرا مطالعہ بہت ہی محدود ہے' لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق سے میں جدید ترین سائنسی معلومات بہت شوق اور توجہ سے پڑھنے کی کوشش کرتا ہوں اور ان سے ایسے نتائج اخذ کر لیتا ہوں جو نادر ہیں اور ایمان میں اضافے کا موجب بن سکتے ہیں۔ آیئے آپ بھی اس مطالعے میں میرے شریک ہو جایئے۔

امریکہ کے جنوب مشرقی ساحلوں کے قریب بحر اوقیانوس میں برمودا (Bermuda) نامی جزائر ہیں۔ ان جزائر کے قریب میں ایک مثلث نما (Triangle) بحری علاقہ صدیوں سے پراسرار واقعات اور حادثات کا موضوع بنا ہوا ہے۔ اس علاقے سے گزرنے والے بحری جہاز' کشتیاں' بلکہ ہوائی جہاز بھی

ٹھیک اس علاقے میں جا کر یکایک غائب ہو جاتے ہیں اور پھر ان کا کہیں سراغ نہیں ملتا۔ چنانچہ ایک محتاط اندازے کے مطابق اب تک ڈیڑھ سو بحری اور ہوائی جہاز اور ہزاروں افراد کوئی سراغ یا نشان چھوڑے بغیر یہاں غائب ہو چکے ہیں۔

1974ء سے 1976ء کے دو سالوں میں چھ سو سے زیادہ کشتیاں اور چھوٹے جہاز اس علاقے میں گم ہو گئے اور ان کا کوئی سراغ نہ ملا۔

شاید برمودا عہد حاضر کا شاید سب سے بڑا راز ہے۔ امریکا اور یورپ بھر کے سائنس دان اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود اس راز کے چہرے پر پڑے ہوئے نقاب ہٹا نہیں سکے۔ اس علاقے میں بے حد حیرت انگیز واقعات رونما ہوتے ہیں جن کی کوئی بھی سائنسی یا عقلی توجیہ نہیں کی جا سکتی۔ یہاں پہنچتے ہی ہوائی جہازوں کے کمپاس کی سوئیاں تیزی سے گھومنے لگتی ہیں اور جائروسکوپ (Gyro Scope) جہاز کے توازن اور سمت کو درست رکھنے والا آلہ) ناکام ہو جاتے ہیں، ریڈیائی پیغامات میں خلل آ جاتا ہے اور جہازوں کے پائلٹ ایک بالکل ہی انوکھے ماحول میں گھر جاتے ہیں۔ چنانچہ ان کے جو آخری پیغامات کنٹرول روم میں سنائی دیتے ہیں وہ شدید ترین خوف اور گھبراہٹ کی عکاسی کرتے ہیں "یہاں مکمل اندھیرا ہے۔ گھپ اندھیرا، جہاز بے قابو ہو رہا ہے، ہم کہاں جا رہے ہیں؟ یہ کیا ہو رہا ہے" اور اس کے بعد گہری خاموشی چھا جاتی ہے ہمیشہ کی خاموشی۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ ان حادثات کی زد میں آنے والا کبھی ایک فرد بھی زندہ نہیں بچا اور گم ہونے والے ہوائی یا بحری جہازوں کی تلاش میں جو ٹیمیں ادھر گئیں وہ بھی کبھی لوٹ کر نہیں آئیں نہ ان کا کوئی پتہ نشان مل سکا۔

البتہ چند جہاز جو اس فضا کی لپیٹ میں آ تو گئے لیکن دس پندرہ منٹ کے بعد انہیں رہائی مل گئی تو حیرت انگیز طور پر ان کی گھڑیاں پیچھے رہ گئیں اس علاقے کی پراسراریت کا یہ عالم ہے کہ دسمبر 1945ء میں پانچ امریکن بمبار ہوائی جہازوں کا پورا ایک فلیٹ تربیتی پرواز کے دوران یوں غائب ہو گیا کہ جیسے کبھی اس کا وجود ہی نہ تھا اور جب یہ حادثہ پیش آیا تو موسم بڑا ہی سازگار تھا اور سمندری طوفان یا جھکڑ کا کوئی وجود نہ تھا۔ اسی طرح برٹش ملٹری امریکا ایئر لائنز کے تین جہاز اپنے تمام مسافروں سمیت غائب ہو گئے اور ان کا کوئی نشان تک نہ ملا۔

غائب ہونے والے جہازوں کے کپتانوں نے آخری پیغامات میں اپنے سامنے چمکدار بادلوں اور سفید پانیوں کا ذکر تکرار کے ساتھ کیا ہے سب سے حیرت انگیز اور پراسرار چیز اس علاقے میں اڑن طشتریوں کا وجود ہے جن کو اب تک ہزاروں افراد کھلی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔ ڈسک کی شکل کی یہ خلائی گاڑیاں برمودا کی فضاؤں میں عام اڑتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ ان کی رفتار غیر معمولی حد تک تیز ہوتی ہے ان میں سے کوئی آواز برآمد نہیں ہوتی اور ان کے رنگ کبھی سرخ اور کبھی نارنجی شیڈ میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یہ یکایک نمودار ہوتی اور کوئی شور پیدا کئے بغیر یکایک سمندر میں غائب ہو جاتی ہیں۔ بے

شمار

شمار لوگوں نے دیکھا ہے کہ برمودا کے پانیوں میں سے ایک "جہاز" نکلتا ہے اور آواز پیدا کئے بغیر آسمان کی وسعتوں میں گم ہو جاتا ہے اسی طرح یکایک ایک جہاز فضا میں نمودار ہوتا ہے اور سمندر میں اس طرح غوطہ لگا جاتا ہے کہ نہ پانی اڑتا ہے اور نہ لہریں پیدا ہوتی ہیں اور نہ کوئی شور سنائی دیتا ہے امریکی خلائی ادارے ناسا کے جاری کردہ اعداد و شمار کے مطابق 1947ء سے 1970ء تک بارہ ہزار چھ سو اٹھارہ افراد نے شہادت دی کہ انہوں نے برمودا کی فضاؤں میں پراسرار اڑن طشتریاں اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھی ہیں۔

اسی نوعیت کے ان گنت غیر معقول واقعات اس علاقے میں وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ ایک بار رات کے پونے بارہ بجے ایک امریکی بحری جہاز برمودا کے علاقے میں محو سفر تھا۔ کوئی چلایا کہ جہاز کے دائیں جانب والے نگران نے کوئی چیز دیکھی ہے اور وہ بے ہوش ہو گیا ہے۔ کوئی اور چیخا کہ باہر کوئی پراسرار چیز ہے۔ اس جہاز کا ایک افسر رابرٹ ریلے لکھتا ہے کہ میں اپنے ساتھیوں کی معیت میں باہر نکلا دیکھا کہ چاند جیسی کوئی چیز تھی جو تقریباً پندرہ میل کے فاصلے پر افق سے بلند ہو رہی تھی۔ مگر اس کا حجم چاند سے تقریباً ایک ہزار گنا بڑا تھا۔ وہ چیز خود بے حد روشن تھی مگر اس سے روشنی خارج نہیں ہو رہی تھی۔ مزید حیرت انگیز بات یہ تھی کہ وہ چیز راڈار پر نظر نہیں آ رہی تھی۔

اسی طرح گوبھی کے پھول سے مشابہ پانی کے ایک بڑے پہاڑ کے بلند ہونے کا منظر 11 اپریل 1963ء کو بوئنگ 707 کے ہوابازوں نے دیکھا۔ یہ منظر دن کے ڈیڑھ بجے اکتیس ہزار فٹ کی بلندی سے پائلٹ، کیپٹن اور فلائٹ انجینئروں نے بڑے واضح انداز میں دیکھا۔ پانی کے اس پہاڑ کی چوڑائی تقریباً ایک میل اور بلندی تقریباً تین ہزار فٹ تھی۔

صاف کھلے وسیع آسمان پر عجیب و غریب ساخت کے اکیلے دکیلے بادلوں کا مشاہدہ بھی یہاں روزمرہ کا معمول ہے۔ یہ بادل ڈراؤنے انداز میں چمکتے اور عجیب عجیب شکلیں اختیار کرتے رہتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایئر فورس کا ایک طیارہ اسی طرح کے بادلوں کے قریب سے گزرا تو ان میں سے انتہائی تیز سرچ لائٹ کی شعاع نکلی اور تقریباً دو سیکنڈ تک جہاز کے گرد و پیش کا جائزہ لیتی رہی۔ پھر طیارے پر آ کر ٹھہر گئی اور اس وقت تک طیارے کو اپنے حصار میں لئے رہی جب تک طیارہ بادلوں کے قریب سے نکل نہ گیا۔ یہ سب کچھ چھ سیکنڈ میں ہو گیا پائلٹ نے صورت حال کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے طیارے کا رخ جلدی سے موڑ لیا۔

برمودا کے علاقے میں ایسی مثالیں بھی بہت سی ہیں کہ بحری جہاز تو سلامت رہا لیکن اس کے سیکڑوں مسافر پراسرار طور پر غائب ہو گئے اور ان کا کوئی سراغ نہ ملا۔ مسافروں کے کمروں میں ایک ایک چیز صحیح حالت میں اپنی اپنی جگہ موجود پائی گئی۔

اور جیسا کہ عرض کر چکا ہوں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ بعض ہوائی جہاز اس فضاء میں غیر

معمولی حالات سے دوچار ہوئے ان کے سارے آلات جام ہو گئے وہ شدید ترین تاریکیوں میں گھر گئے لیکن پھر اس بحرانی کیفیت سے نکل گئے لیکن حیرت انگیز طور پر جہاز کی اور عملے کی گھڑیاں دس یا پندرہ منٹ پیچھے ہو گئیں۔

مثلث برمودا کے اسرار کا ایک اور حیرت انگیز پہلو لانگ وڈ کالج ورجینیا کے فزکس کے پروفیسر رائن سٹیمن اپنے معاونین کے ساتھ کئی برسوں سے موسمی سیاروں سے حاصل کردہ تصاویر کے تجزیے میں مصروف ہیں۔ انہوں نے مشاہدہ کیا کہ گذشتہ دو سالوں میں موسمی سیارے آٹھ سو میل کی بلندی پر جب برمودا مثلث کے عین اوپر پہنچتے ہیں تو ان کے سارے آلات ایک دم ناکارہ ہو جاتے ہیں اور ٹیپ شدہ تصاویر میں سگنلز کی ترسیل بند ہو جاتی ہے۔

برمودا ٹرائی اینگل

”آخر کار خونی سمندر کا راز کھل گیا“

بحر اوقیانوس میں صدیوں سے خوف اور دہشت کی علامت برمودا کی تکون میں اب تک بے شمار بحری اور ہوائی جہازوں کے پراسرار طریقے سے غائب ہو جانے کا راز بالآخر کھل گیا۔

شمالی امریکا میں واشنگٹن میامی اور جزیرہ برمودہ کے درمیان بحر اوقیانوس کے اندر ایک تکون بنتی ہے۔ بظاہر اس مثلث میں کوئی خاص جزیرہ علاقہ یا کوئی اور غیر معمولی بات نظر نہیں آتی لیکن صدیوں سے اس کے پانیوں میں اور فضاؤں میں کوئی انتہائی خوفناک اور پراسرار خونی بلا ناچتی رہی ہے اور لاتعداد تجارتی مال بردار مسافر بردار اور جنگی جہاز ایسے ہیں کہ جب وہ یہاں سے گزرنے لگے تو یا تو ان کو اچانک آگ لگ گئی اور وہ منٹوں میں راکھ کا ڈھیر بن کے بکھر گئے اور یا پھر وہ پلک جھپکنے میں سمندر کے پیٹ میں جا پہنچے۔ اس طرح بے شمار مسافر اور لڑاکا ہوائی جہاز فضاء میں اڑتے اڑتے اچانک آگ کا گولا بن کر یا زخمی پرندے کی طرح گھومتے غوطے کھاتے پانی میں ڈوب گئے۔ اس سلسلے میں ایک بات اور بڑی حیران کن ہے کہ آج تک غائب شدہ کسی بحری یا ہوائی جہاز کا ملبہ تو کیا نام و نشان تک کسی کو نہیں ملا۔ اگر اس خونخوار سمندری تکون کی خوراک بننے والے بحری اور ہوائی جہازوں اور انسانی جانوں کی صحیح تعداد کا تو کسی کو اندازہ نہیں تاہم بیسویں صدی کے دوران اس حوالے سے جو تفصیلات ریکارڈ پر ہیں ان کے مطابق 1945ء سے لیکر اب تک ایک سو سے زائد ہوائی اور بحری جہاز اس تکون میں غرقاب ہو چکے ہیں اور ایک ہزار سے زائد جانیں بھی ضائع ہوئی ہیں۔ حیران کن بات یہ ہے کہ یہاں گم ہونے والا ایک بھی شخص یا اس کی لاش آج تک نہیں مل سکی۔ اب تک رونما ہونے والے حادثات میں سب سے مہلک حادثہ 4 مارچ 1918ء کو ہوا۔ جب امریکی بحریہ کا ایک جہاز 309 افراد سمیت سمندر میں غرق ہو گیا اور اس کا بھی آج

تک نام و نشان نہیں مل سکا۔

دنیا بھر میں اس بحری تکون کے حوالے سے ان گنت کہانیاں اور افسانے بنتے رہے۔ کئی ایک ناول لکھے گئے اور فلمیں بھی بنیں لیکن اس کا راز کوئی نہ جان سکا۔ بالآخر یہاں بھی سائنس کی ترقی ہی کام آئی اور سائنس دانوں نے یہ عقدہ کھول دیا۔ انہوں نے برسوں کی تحقیق کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہاں سمندر کی تہہ کے نیچے میتھین گیس کے بہت بڑے بڑے ذخیرے موجود ہیں اور سمندر کے فرش میں موجود کئی مساموں کے ذریعے اس گیس کے دیوہیکل بلبلے برآمد ہوتے ہیں جو کہ سمندر کی سطح پر آتے ہیں اور چونکہ یہ گیس ہوا سے بھی ہلکی ہے اس لئے یہ خوفناک بلبلے گیس کو فضا میں بکھیر دیتے ہیں۔ یوں ایک طرف تو سمندر میں سفر کرنے والے بحری جہاز ان عظیم بلبلوں کی زد میں آ جانے پر سمندر کی خوراک بن جاتے ہیں اور دوسری طرف اس گیس کے ہوا سے ہلکا ہونے کی وجہ سے فضاء میں عدم توازن کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جس سے ہوائی جہاز بھی اپنا توازن کھو دیتے ہیں۔

ڈاکٹر رچرڈ میک آئیور جو کہ ایک جیو کیمسٹ اور تیل و گیس کے ماہر سائنسدان ہیں نے سب سے پہلے برمودا کی تکون کے اس ہلاکت خیز راز کو جانا انہوں نے اس کی مثال یوں دی کہ اگر سوڈے کی ایک بہت بڑی بوتل یا ٹب ہوا اور اس کے زوردار طریقے سے ہلایا جائے تو یقیناً اس میں موجود گیس دھماکے سے باہر نکل آئے گی انہوں نے کہا کہ سمندر سے نکلنے والی میتھین گیس کی وجہ سے ہی جہاز ڈوبتے ہیں اور اگر یہ گیس شعلہ دیکھ لے تو جہاز آگ کا گولا بن جاتا ہے۔

ڈاکٹر میک آئیور نے اپنی تحقیقات کو سائنسی جریدوں میں شائع کرایا اور اس کے بارے میں لیکچر بھی دیئے انہوں نے اس کی وضاحت یوں کی کہ زیر سمندر زلزلے جو کہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے اور پانی کے نیچے زمین کھسکنے سے زمین کی تہوں میں موجود گیس کے بڑے بڑے ذخیرے باہر نکل آتے ہیں۔

زیر سمندر گیس کے ذخیروں کی موجودگی کی تصدیق حال ہی میں سائنس دانوں کی ایک جماعت نے کی ہے۔ جنہوں نے سمندر کی تہہ میں ڈرلنگ کر کے تحقیقات کیں۔ سائنس دانوں کی اس مہم میں امریکا کے علاوہ دنیا بھر کے کئی بڑے بڑے محققین شامل تھے انگلستان کی ڈرہم یونیورسٹی کے جیالوسٹ ڈاکٹر جولین پیٹرفس نے بھی اس بات سے اتفاق کیا کہ برمودا کی تکون میں ہونے والے حادثات کی وجہ بھی گیس ہی ہے۔ ڈاکٹر جولین نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ اگر کوئی جہاز ان دیوہیکل بلبلوں میں پھنس جائے تو وہ اتنی جلدی ڈوب جائے گا کہ کسی کو اس میں نکلنے کی مہلت بھی نہ ملے گی۔ اس طرح ہوائی جہاز چاہے جتنی ہی بلندی پر اڑ رہے ہوں وہ اس گیس کی وجہ سے بچ نہیں سکتے۔

امریکی جیالوجیکل سروے کے اوشنو گرافر اور جیالوسٹ ڈاکٹر بل ڈلون اس تحقیقی پروگرام کا انچارج

تھا۔ جس نے سب سے پہلے اس تکون کے نیچے سمندر کی تہہ کا صحیح نقشہ تیار کیا۔ اس نقشے سے بات مزید واضح ہوئی کیونکہ اس میں زیر سمندر بہت بڑی بڑی سلائیڈز نظر آ رہی تھیں ان میں بعض کی لمبائی میلوں میں تھی ان سلائیڈز میں کھسکنے کے عمل کی وجہ سے بڑی مقدار میں گیس باہر نکلتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں زیر سمندر ایک آتش فشاں کی طرح زمین پھٹ جاتی ہے اور گیس اس میں سے برآمد ہوتی ہے جو سطح سمندر کی طرف سفر کرتی ہے۔ اگر کسی وقت سطح سمندر پر ان کا اور کسی بحری جہاز کا ٹکراؤ ہو جائے تو بحری جہاز آن واحد میں ڈوب جائے گا۔ یعنی تصور کیجئے کہ اگر کسی ہزاروں ٹن وزنی جہاز کے نیچے پانی نکل جائے اور صرف گیس رہ جائے تو کیا ہوگا۔ یہی کچھ اس خونی تکون میں غائب ہونے والے بے شمار جہازوں کے ساتھ ہوا ہوگا۔ اس طرح ایسے سمندر یا فضا میں اگر کبھی کسی جہاز کے انجن سے یا کسی اور وجہ سے یہ انتہائی تیزی سے جلنے والی گیس آگ پکڑ لے تو پھر ایک دھماکے سے سب کچھ راکھ بن کر سمندر کی نذر ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر میک آئیور کے مطابق اس قسم کے حادثات دنیا میں ہر اس جگہ رونما ہو سکتے ہیں۔ جہاں زیر سمندر گیس کے ذخیرے موجود ہوں لیکن بدقسمتی سے برمودا کی تکون جس جگہ واقع ہے وہاں دنیا میں زیر سمندر گیس کے سب سے بڑے ذخائر موجود ہیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ علاقہ دنیا بھر میں جہاز رانی کا مصروف ترین علاقہ بھی ہے۔

اتنی واضح تحقیقات سامنے آنے کے باوجود ہمارے تحقیق نگاروں کے نزدیک برمودا مثلث کے یہ اسرار کی ایک ہی ممکن توجیہہ ہے کہ ہم کامل اعتماد کے ساتھ قرآن مجید اور نبی اکرم ﷺ کے فرمودات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کا حل تلاش کرنے کی کوشش کریں۔ اس حوالے سے ان کا حاصل مطالعہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

قرآن مجید میں ہے کہ موت کے بعد انسانوں کی گناہگار یا مجرم روحیں سجین میں رکھی جاتی ہیں جبکہ نیک روحوں کو علیین میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ (سورۃ المطففین 83 آیات 7 سے 18)

نبی اکرم ﷺ نے علیین کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ علیین تو آسمانوں پر ہے جبکہ سجین زمین کی گہرائیوں کے اندر ہے۔ سجین کے لغوی معنی ہیں کھلے منہ کا تنگ گہرا غار۔

(روایت حضرت براء بن عازب تفسیر ابن کثیر سورۃ المطففین جلد پنجم و مسند امام احمد جلد چہارم)

حضور نبی اکرم ﷺ ہی کی حدیث ہے کہ جب ایک شخص مرتا ہے تو دفن ہونے تک اس کی روح وہیں موجود رہتی ہے اور اس کے لواحقین جو کچھ کر رہے ہوتے ہیں اسے دیکھتی اور سنتی ہے لیکن کچھ بھی کرنے کے لائق نہیں ہوتی۔ (او کما قال)

اس تناظر میں امریکہ کے ایک باہمت سائنس دان ڈاکٹر ریمونڈ اے موڈی (Raymond A Moodi) نے بڑے ہی نادر موضوع پر تحقیق کی ہے۔ موصوف فلسفہ میں پی ایچ ڈی اور میڈیکل سائنس میں ایم ڈی ہیں اور ورجینیا یونیورسٹی میں ریڈر کے عہدے پر فائز ہیں۔ انہوں نے "لائف آفٹر لائف"

کے عنوان سے ایک کتاب مرتب کی جس کا ترجمہ مختار طاہر مرحوم نے "موت کے بعد زندگی" کے عنوان سے کیا تھا اور اسے "دار البلاغ" محمد نگر لاہور نے نومبر 1980ء میں شائع کیا تھا۔ ڈاکٹر موڈی نے ڈیڑھ سو ایسے افراد تلاش کر لئے جو کسی حادثے یا بیماری کے نتیجے میں مر گئے تھے اور انہیں Clinically Dead قرار دے دیا گیا تھا لیکن کچھ دیر کے بعد وہ زندہ ہو کر ہوش میں آ گئے۔ موصوف نے ان سے انٹرویو کئے۔

کم و بیش ان سب نے تین باتیں مشترک طور پر بیان کیں۔

ایک یہ کہ وہ اپنے ہی جسم کو کچھ فاصلے سے مردہ حالت میں دیکھ رہے تھے۔ یعنی ایک شخص اپنی کار میں سفر کر رہا تھا۔ راستے میں اسے سنگین حادثہ پیش آ گیا۔ اس نے بتایا کہ میں حیران تھا کہ میرا جسم کار میں بے جان حالت میں پڑا تھا اور میں باہر کھڑا ہوا سے دیکھ رہا تھا۔ لوگ شور مچا رہے تھے کار کو کاٹ رہے تھے۔ پھر انہوں نے میرے جسم کو باہر نکالا اور فٹ پاتھ پر لٹا دیا اور میں یہ سب کچھ حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے بعد مجھے ایک گہرے غار میں لے جایا گیا جس کے آخری کنارے پر روشنی نظر آ رہی تھی لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد مجھے واپس لایا گیا میرا اصل جسم حرکت میں آ گیا اور میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

اس نوعیت کے تجربات سب نے بیان کئے ہیں یعنی اپنے مردہ جسم کو فاصلے سے دیکھنا، ایک گہرے غار میں اترنا اور غار کے آخری کنارے پر روشنی کا نظر آنا۔

ایک عورت دل کی مریضہ تھی۔ اسے آپریشن کے لئے آپریشن تھیٹر میں لے جایا گیا۔ اس نے بتایا کہ میں نے ڈاکٹر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اس کے دل نے تو حرکت کرنا بند کر دیا ہے اور اس کے ساتھ ہی میں اپنے جسم سے نکل کر چھت کے ساتھ معلق ہو گئی اور اسٹریچر پر پڑے ہوئے اپنے جسم کو دیکھنے لگی۔ میں دیکھ رہی تھی کہ ایک نرس میرے منہ کے ساتھ منہ لگا کر مصنوعی تنفس دینے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس اثناء میں مجھے ایک طرف لے جایا گیا اور عجیب بات یہ ہے کہ میں درختوں اور چٹانوں کے اندر سے گزرتی ہوئی جا رہی تھی حتیٰ کہ مجھے ایک غار میں لے جایا گیا لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد مجھے واپس لایا گیا اور میں نے اسٹریچر پر پڑے پڑے آنکھیں کھول دیں۔

گویا اس طرح نبی اکرم ﷺ کی فرمائی ہوئی دونوں باتوں کی من و عن تصدیق ہو گئی کہ ایک شخص کے مرنے کے بعد اس کے دفن ہونے تک اس کی روح وہاں موجود رہتی ہے اور جو کچھ ارد گرد کے ماحول میں ہو رہا ہوتا ہے اسے بقائمی ہوش و حواس دیکھتی ہے۔ گویا اس سے یہ بھی تصدیق ہو گئی کہ روح جسم سے الگ اپنی ایک علیحدہ با قاعدہ حیثیت رکھتی ہے۔

ثانیاً حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجرم روحیں سجین میں رکھی جاتی ہیں اور سجین زمین کے اندر ہے۔ اور چونکہ انٹرویو دینے والے یعنی عارضی طور پر مرنے والے سب غیر مسلم ہیں اس لئے ان سب نے ایک غار

کا ذکر کیا ہے وہ دراصل سجین کا غار ہے۔

چنانچہ ان معلومات کی روشنی میں جن کی تصدیق عقائد، شواہد اور عقل تینوں اعتبار سے ہو رہی ہے، ہم پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ برمودا مثلث دراصل سجین ہی کا راستہ ہے۔ مضبوط قرائن اس امر کے ہیں کہ لاکھوں فرشتے ہمہ وقت انسانی روحوں کو قبض کر کے سجین کا رخ کرتے ہیں اور خدائی احکامات کے تحت جلد از جلد انہیں ان کے ٹھکانے پر پہنچانے کی فکر کرتے ہیں۔ وہ اپنے فرض کی ادائیگی میں لمحہ بھر کی تاخیر یا رکاوٹ برداشت نہیں کرتے اس لئے سجین کی طرف سفر کرتے ہوئے جو چیز بھی ان کے سامنے میں حائل ہوتی ہے وہ اسے کھینچ کر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور اس طرح بڑے بڑے ہوائی جہاز، بحری جہاز اور کشتیاں چشم زدن میں غائب ہو جاتی ہیں اور ان کا کہیں سراغ نہیں ملتا۔ (ایک اندازے کے مطابق روزانہ تقریباً ساٹھ لاکھ افراد مرتے ہیں جن کی اکثریت آبادی کی نسبت سے غیر مسلم اور بے عمل لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے)۔

کراچی کے مشہور عالم دین مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی روایت کے مطابق ڈاکٹر ریمونڈ اے موڈی نے "لائف آفٹر لائف" کے بعد The Light Beyound کے عنوان سے ایک کتاب مرتب کی جس میں مزید ایک ہزار افراد سے انٹرویو کئے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض افراد نے بتایا کہ وہ نیچے چلتے گئے وہاں ان گنت لوگ تھے وہ اتنی بڑی تعداد میں تھے کہ ان کا شمار کرنا ممکن نہ تھا۔ اس بیان سے سائنس دانوں کی اس رائے کی تصدیق ہوتی ہے کہ زمین کا اندرونی مرکز سورج ہی کی طرح گرم ہے۔

یونیورسٹی کالج لندن کے سائنس دانوں نے تحقیق کی ہے کہ زمین کا مرکز 5500 ڈگری سینٹی گریڈ پر دہک رہا ہے جو سورج کے درجہ حرارت کے برابر ہے۔ یہ تحقیق سپر کمپیوٹر کے ذریعے کی گئی۔ (روزنامہ جنگ لاہور یکم اکتوبر 1999ء)

اور قرائن یہ ہیں کہ مجرم روحوں کو برمودا مثلث کے غار کے راستے زمین کے گرم ترین مرکز میں پہنچایا جاتا ہے۔ گویا مجرم اور ظالم روحیں بغیر کسی تاخیر کے عذاب کے حوالے کر دی جاتی ہیں اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انٹرویو دینے والوں کی اکثریت نے غار کے آخری کنارے پر جس روشنی کا ذکر کیا ہے وہ دراصل زمین کے مرکز کی کھولتی دہکتی آگ ہے جہاں مجرم روحوں کو مقید کیا جاتا ہے۔

اب اگر غور کریں تو اس امر کو سمجھنا مشکل نہیں رہتا کہ برمودا مثلث کے علاقے میں پر اسرار اڑن طشتریوں کی حقیقت کیا ہے؟ متذکرہ واقعات و مشاہدات کی روشنی میں دراصل یہ فرشتے ہیں جو مختلف روپ دھار کر اس فضاء میں محو پرواز رہتے ہیں اور وجودیت کے علمبردار مادیت کے پرستار لوگوں کو زبان حال سے چیلنج کر رہے ہوتے ہیں کہ تم خدا کا اس لئے انکار کرتے ہو کہ وہ نظر نہیں آتا لیکن ہم تو اس وقت مختلف صورتوں میں نظر آ رہے ہوتے ہیں، اب بتاؤ کہ ہم کیا ہیں؟ جرأت ہے تو ہمارا بھی انکار کرو، لیکن تم

ایسا نہیں کر سکتے کہ ہزاروں لوگ مختلف وقتوں میں کھلی آنکھوں سے ہمارا مشاہدہ کرتے ہیں اور ہمارے حوالے سے حیرت انگیز تجربات سے دوچار ہوتے ہیں۔

یوں لگتا ہے کہ برمودا مثلث کے اسرار اور اڑن طشتریوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ دراصل اہل یورپ خصوصاً دہریت و الحاد کے امام امریکا والوں پر عہد حاضر میں اپنی حجت تمام کر دینا چاہتا ہے تاکہ وہ کھلی آنکھوں سے نظر آنے والے ان معجزات کو دیکھ کر اللہ اور اس کے دین حق کا اقرار کر لیں اور باطل پرستی کا رویہ ترک کر دیں۔

تو قارئین کرام! ہمیں پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہئے کہ برمودا کا مثلث دراصل سجین کا راستہ ہے اور یہاں کی فضاؤں میں اڑن طشتریاں، عجیب و غریب جہاز اور مافوق سفید بادل دراصل فرشتوں کے مختلف روپ ہیں اس کے سوا اس کی کوئی توجیہہ نہیں کی جا سکتی اور ہمیں یہ توجیہہ کرتے ہوئے ذرا بھی کسی Complex میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔

ناسا(NASA) کی تصاویر کی حقیقت

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ امریکی خلائی تحقیقاتی ادارے ناسا کی دوربین ہبل نے جو تصاویر گزشتہ برسوں میں فراہم کی ہیں اور اخبارات میں شائع ہوئی ہیں ان کی حقیقت کیا ہے؟

امریکی ماہر فلکیات ایڈون پاول ہبل نے 1920ء میں یہ نظریہ پیش کیا کہ ہماری کہکشاں سے آگے کائنات خالی نہیں بلکہ وہاں بے شمار کہکشائیں موجود ہیں ہبل 1953ء میں 64 برس کی عمر میں وفات پا گیا۔ بعد میں اس نظریے پر تحقیق جاری رہی اور اسی حوالے سے 1990ء میں امریکی خلائی ادارہ ناسا نے خلائی شٹل "ڈسکوری" کے ذریعے ایک خلائی دوربین خلاء میں بھیجی جس کا نام ایڈون پاول ہبل کے نام پر "ہبل" رکھا گیا۔ یہ وہی دوربین ہے جو سب سے پہلے 1986ء میں خلاء میں بھیجی گئی تھی لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد خراب ہو گئی تھی اور اسے بمشکل زمین پر اتار لیا گیا تھا۔

ہبل دوربین زمین سے 380 میل دور اپنے مدار میں گردش کر رہی ہے۔ اس میں مختلف وقتوں میں خرابیاں بھی پیدا ہوتی رہی ہیں لیکن ناسا کے حوصلہ مند سائنس دان اس کی مرمت کرتے رہے ہیں چنانچہ 1995ء سے 2003ء تک اس دوربین نے تواتر کے ساتھ کائنات کے دور دراز گوشوں (Daep Universe) کی تصاویر حاصل کیں جن سے فلکیات کے بارے میں بڑی ہی حیرت انگیز اور پراسرار معلومات کا انکشاف ہوا اور ایڈون پاول ہبل کا نقطہ نظر درست ثابت ہوا۔ ناسا کی طرف سے اعلان ہوا کہ ہبل دوربین کم از کم 2010 تک مطلوب تصاویر بھیجتی رہے گی مگر حیرت انگیز طور پر 2004ء میں ہبل خراب ہو گئی اور اس نے تاریک کائنات (Daep Universe) کی تصاویر بھیجنی بند کر دیں۔

میں نے اخبارات میں شائع ہونے والی ہبل کی فراہم کردہ تصاویر درجنوں کی تعداد میں محفوظ کی ہیں۔ کھلی آنکھوں سے صاف نظر آتا ہے کہ یہ تصاویر شعلوں کی ہیں بھڑکتے ہوئے نیلے پیلے سرخ شعلوں کی لیکن حیرت انگیز طور پر ان تصاویر کے نیچے ناسا کی طرف سے جو تعارفی جملے لکھے نظر آتے ہیں وہ یوں ہیں ایک ستارہ خودکشی کر رہا ہے ایک ستارہ پیدا ہو رہا ہے ایک کہکشاں دوسری کو نگل رہی ہے وغیرہ۔ میں ذیل میں ان تصویروں کے تعارفی جملے اور متعلقہ خبروں کا خلاصہ درج کر رہا ہوں اور آخر میں ان کے حوالے سے اپنا نتیجہ فکر بیان کروں گا۔ یہ معلومات واقعی چونکا دینے والی ہیں دہشت زدہ کر دینے والی ہیں۔

-1 ایک خبر: کھربوں میل دور سینکڑوں ستارے ٹکرا گئے خوفناک دھماکے ہوئے جن کے بعد سینکڑوں ستارے پھٹ کر بکھر گئے۔ انسانی تاریخ میں پہلی بار اتنی زبردست روشنی پھیلی۔ عظیم ترین دوربین ہبل نے ریکارڈ کر لیا۔ (نوائے وقت 12 جون 1997ء)

-2 ناسا کی رصدگاہوں کے مطابق خلاء میں ہزاروں نئے ستاروں نے جنم لینا شروع کر دیا ہے ماہرین کے مطابق اب تک کئے جانے والے مشاہدے کی رو سے ثابت ہوا ہے کہ کہکشاؤں کے تصادم سے ستارے جنم لیتے ہیں۔ کیونکہ اس وقت خلاء میں بے شمار ستاروں کی روشنیاں جھلملاتی ہوئی نظر آ رہی ہیں۔ (جسارت کراچی 24 اکتوبر 1997ء)

-3 ایک خبر: سورج سے تیس کروڑ گنا بھاری بلیک ہول مل گیا۔ بلیک ہول دراصل بہت بڑے بڑے مردہ ستاروں پر مشتمل ہے۔ وہاں کثافت کا یہ عالم ہے کہ اس کی کشش ثقل روشنی کو بھی اپنے اندر قید کر لیتی ہے۔ یہاں ایسے تنگ علاقے بھی ہیں جن میں خلائی گرد اور گیسیں فوارے کی طرح اچھل رہی ہیں۔ (جنگ لاہور 6 نومبر 1997ء)

-4 ایک خبر: ماہرین فلکیات نے آسمان پر ایک روشن ترین ستارہ دریافت کیا ہے جو سورج سے ایک کروڑ گنا (دس ملین گنا) طاقت ور اور کئی سو گنا بڑا ہے۔ لاس اینجلس کے ایک اخبار دلاٹیمز کے مطابق ایک سائنس دان نے خوفزدہ آواز میں بتایا کہ یہ ستارہ زمین کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس کا نام "پسٹل اسٹار" رکھا گیا ہے۔ یہ حرارت اور روشنی کے بہت بڑے گولے کی طرح چودہ کروڑ میل قطر پر مشتمل ہے جبکہ اس کے مقابلے میں سورج کا قطر چار لاکھ تیس ہزار میل ہے۔ اس ستارے سے چھ سیکنڈ میں جتنی روشنی اور توانائی خارج ہوتی ہے وہ سورج ایک سال میں خارج کرتا ہے۔ بہت سے ماہرین فلکیات یہ بات کہتے ہوئے خوف و دہشت سے کانپ جاتے ہیں کہ یہ ستارہ بڑی تیز رفتاری کے ساتھ زمین کی طرف بڑھ رہا ہے اور جوں جوں یہ قریب آتا جائے گا زمین کا درجہ حرارت بڑھتا چلا جائے گا۔ (روزنامہ خبریں 8 جنوری 1998ء)

-5 ایک خبر: خلائی سائنس دانوں نے عجیب و غریب دھماکا خیز گامار یز کا ایک بڑا جھکڑ دریافت کیا ہے جو زمین سے بارہ کروڑ نوری سال کے فاصلے پر ہے۔ اس میں سے ایک سے دو سیکنڈ میں

پیدا ہونے والی روشنی پوری کائنات کی روشنی سے کہیں زیادہ ہے۔ (خبریں 9 مئی 1998ء)

(نوری سال؟؟ اگر ایک جہاز ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے چلے اور ایک سال تک مسلسل چلتا رہے تو یہ ایک نوری سال ہوگا)۔

-6 ایک خبر: تصویروں کے ساتھ کائنات میں عجیب و غریب طاقت کے حامل نئے ستاروں کی دریافت۔ تنظیم کلیئر راکھ سے بنے ہوئے نئے ستارے سورج سے آٹھ گنا بڑے ستاروں کی توڑ پھوڑ سے پیدا ہوئے۔ ایک ستارے کا حجم 12 میل اور مادہ سورج سے زیادہ ہے۔ مادے کا ایک چمچ زمین کے اربوں ٹن کے برابر ہے۔ (نوائے وقت 9 اکتوبر 1998ء)

-7 ہولناک شعلے کی تصویر: سپر ہاٹ (غیر معمولی گرم) قسم کے یہ ستارے انتہائی نایاب ہیں اور ان کی عمر بہت کم ہوتی ہے۔ (نوائے وقت 7 اکتوبر 1998ء)

-8 نیلے پیلے سرخ سیاہ اور سفید شعلے کی پھیلی ہوئی تصویر۔ اس کے نیچے یہ مضحکہ خیز تعارفی سطور ہیں ہماری کہکشاؤں میں ایک نیا ستارہ پیدائش کے عمل سے گزر رہا ہے۔ ستارہ پیدا ہونے کی یہ تصویر چلی میں نصب ایک بڑی دوربین سے لی گئی۔ (نوائے وقت 2 دسمبر 1998ء)

-9 ماہرین فلکیات نے پہلی بار گاما ریز دھماکوں سے روشنی نکلتے ہوئے دیکھی ہے۔ یہ اپنی قسم کے پراسرار اور طاقتور دھماکے ہیں جو کائنات کی تہوں میں باقاعدگی سے ابھل پڑتے ہیں۔ تقریباً ایک سو سیکنڈ تک جاری رہنے والے دھماکے کا پتہ دو مواصلاتی سیاروں نے چلایا اور یہ کھربوں سورجوں سے نکلنے والی توانائی کے برابر ہے۔ (نوائے وقت 29 جنوری 1999ء)

-10 سرخ پیلے اور سیاہ رنگوں میں گھری ہوئی واضح شعلوں کی تصویر۔ اس کا عنوان ہے "ستارے کی خودکشی" تصویر کے نیچے تعارفی جملے یوں ہیں "ہبل خلائی دوربین نے ایک پڑوسی کہکشاں میں واقع ایک بہت بڑے ستارے (سپرنووا) کی خودکشی کی یہ تصویر لی ہے۔ ستارے کے از خود تباہ ہونے کا منظر 23 فروری 1987ء کو جنوبی کرۂ ارض میں سائنس دانوں نے مشاہدہ کیا تھا۔ سپرنووا کی تباہی کا عمل طویل عرصہ تک جاری رہتا ہے۔ (نوائے وقت لاہور 10 فروری 1999ء)

-11 مختلف رنگوں پر مشتمل ایک تصویر اور اس میں روشنیوں کی چکا چوند۔ نیچے لکھا ہے اس تصویر میں دیئے گئے مقام پر بڑے بڑے سورج پھٹ رہے ہیں۔ اس مقام کو ماہرین فلکیات "موج 301" کے نام سے پکارتے ہیں۔ موج 301 کے اکثر سورج اپنی عمر پوری کر کے پھٹ کر سپرنووا میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ یہ پھٹے ہوئے سورج اپنے اطراف میں تین سو میل فی سیکنڈ کے حساب سے مواد بکھیر رہے ہیں۔ (روزنامہ پاکستان 18 اپریل 1999ء)

-12 ایک خبر: ہبل سپیس دوربین نے تین متحرک کہکشاؤں کی تصویر اتاری جو ایک دوسرے کے قریب ناچتی نظر آتی ہیں۔ منظر انتہائی خوبصورت ہے۔ اگر کبھی ان کے گھومنے کی رفتار میں کمی آ گئی تو

آپس میں ٹکرا کر ایک دوسرے میں مدغم ہو سکتی ہیں۔ یہ تینوں کہکشائیں مرغولوں کی صورت میں ہیں۔(روزنامہ دن 8 ستمبر 1999ء)

-13 سیاہ اور براؤن رنگ کی عجیب خوفناک ڈراؤنی تصویر کے نیچے لکھا ہے ناسا کی ہبل دوربین نے کارینا نامی نیبولا (Nebola) کے اندر موجود کروڑوں اربوں میل لمبے چوڑے پراسرار دھندلے جسم کی تفصیلی پہلی تصویر حاصل کی ہے۔ یہ پراسرار جسم پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ اس نیبولا میں ایسے بہت سے سورج ہیں جو ہمارے سورج سے دس گنا زیادہ گرم اور سو گنا بڑے ہیں(دن لاہور 4 فروری 2000ء)

-14 ایک خبر سائنس دانوں نے ایک کہکشاں میں ایک مقناطیسی بلبلہ دریافت کیا ہے اور اس پر وہ حیران رہ گئے ہیں کہ یہ بلبلہ کیسے بنا؟ "یہ کہکشاؤں کی نئی خصوصیت ہے جس کا ہمیں پہلے علم نہ تھا" (روزنامہ دن 19 اپریل 2000ء)

-15 ایک خبر اور تصویر: ایک بلیک ہول دریافت۔ سینکڑوں نوری سال بلند بلبلے اٹھ رہے ہیں۔ بلبلوں کی لمبائی چوڑائی آٹھ آٹھ سو نوری سال کے برابر ہے۔ گرد کے دھبوں کے نیچے سے اٹھ رہے ہیں سائنس دان بلبلے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اپنی نوعیت کا ایک واحد بلیک ہول جس میں گیس کی مقدار بے پناہ ہے۔ تصویر میں ایک سرخ شعلہ بلند ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے۔(روزنامہ دن لاہور 7 جون 2000ء)

-16 ہماری کہکشاؤں میں اگرچہ ایک ارب سے زیادہ ستارے ہیں لیکن مجموعی طور پر یہ نسبتاً خاموش اور کم عمل کہکشاں ہے۔ اس کے مقابلے میں "سیفن ٹائرز" کہکشاں کے مرکز میں بڑے پیمانے پر دھماکے ہو رہے ہیں۔ ابھی پتہ نہیں چلا کہ اس قدر غیر معمولی توانائی کا ماخذ کیا ہے۔(روزنامہ دن 25 جون 2000ء)

-17 گہرے سرخ رنگ کی تصویر جس میں پیلے اور سفید دھبے ہیں۔ نیچے لکھا ہے "ناسا کی جاری کردہ تصویر میں باہم متصادم دو کہکشاؤں کے مرکزی حصے کو دکھایا گیا ہے۔ دو روشن نقطے دو نیوٹران اسٹار (بلیک ہول) ہیں جو نزدیکی سورجوں سے روشنی کھینچ رہے ہیں۔ روشن قطعہ عظیم بلبلے ہیں جن کی چوڑائی ہزاروں نوری سال پر مشتمل ہے۔ یہ بلبلے ہزاروں سپر نووا کی اجتماعی طاقت کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔(پاکستان 18 اگست 2000ء)

-18 زمین سے چھ سو نوری سال کے فاصلے پر ایک ایسا غیر معمولی قسم کا بلیک ہول دریافت ہوا ہے جہاں وقت تھم جاتا ہے خلا بے معنی اور روشنی قید ہو جاتی ہے۔(روزنامہ پاکستان 15 ستمبر 2000ء)

-19 تین تصویریں مع وضاحتی خبر خلاؤں میں روپوش ایم 16 ایگل نیبولا کو ہبل کی خلائی دوربین نے 1996ء میں دریافت کیا۔ جب ماہر فلکیات ہیسٹر نے ہبل کی تصاویر کا تجزیہ کیا۔ ہیسٹر نے دیکھا کہ تصویروں میں چھوٹے چھوٹے دمدار ستاروں کا گروہ موجود ہے اور یہاں سے گیسیں اٹھ رہی ہیں جو

بھی ہولی ہائیڈروجن کے ستونوں سے بیرونی ریڈی ایشن کی وجہ سے بنتی ہیں۔ ماہرین نے بتایا کہ ایگل نیبولا کے ستونوں سے نکلنے والی گیسیں رنگین ہیں اور ان کا درجہ حرارت 250 سے K320 ہے۔ ہاتھی کی سونڈ کی مانند ان ستونوں کے درمیان موجود مادوں سے ستارے تشکیل پا رہے ہیں۔ ایگل نیبولا زمین سے سات ہزار نوری سال کے فاصلے پر ہے اور اس کے اندر کل مادہ میں سے 20 فیصد غاروں کی شکل اختیار کر رہا ہے۔(نوائے وقت 16 اکتوبر 2000ء)

-20 ایک خبر ملکی وے گلیکسی اربوں سال سے چھوٹی کہکشاؤں کو نگل رہی ہے۔ پوری گلیکسی اپنے مرکز کے گرد خاص ردھم کے ساتھ حرکت پذیر ہے۔(نوائے وقت 10 جنوری 2001ء)

-21 ایک تصویر، سرخ، سیاہ اور سفید رنگ عظیم الجثہ بلبلہ نما جسم، پاس ایک بھڑکتا ہوا غیر معمولی شعلہ۔ نیچے لکھا ہے امریکی خلائی ادارے ناسا کی جاری کردہ تصویر جہاں انتہائی روشن نومولود ستارے نظر آ رہے ہیں جو نیبولا (N83B) میں شدید تابکاری کے باعث دائرہ نما بلبلے خارج کر رہے ہیں۔ تصویر میں بہت زیادہ روشن حصے کے بالکل نیچے نیبولا کے مرکز میں واقع بے ضرر سا نظر آنے والا ستارہ حقیقت میں ہماری سورج سے تیس گنا بڑا اور اس سے دو لاکھ بار زیادہ روشن ہے۔(جنگ لاہور 29 مارچ 2001ء)

-22 روزنامہ جنگ لاہور کے سنڈے میگزین مورخہ 6 مئی 2001ء میں ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ عنوان ہے "ایک ستارے کی موت" نظر بظاہر یہ کسی انگریزی مضمون کا ترجمہ ہے۔ ساتھ تین تصویریں بھی ہیں جو دہکتے ہوئے مواد کی عکاسی کرتی ہیں۔ اس مضمون کے بعض فقرے معنی خیز اور غور طلب ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

"ہماری اس پوری کہکشاں میں ہر پل ستارے بنتے ہیں، اپنی عمر پوری کرتے ہیں اور پھر فنا ہو جاتے ہیں"

"بڑے ستارے" ستاروں کے اس گروہ کو کہتے ہیں جن کی کمیت دس سورجوں سے زیادہ ہوتی ہے اور ایسے ستارے غیر معمولی انجام سے دوچار ہوتے ہیں جس کا نظارہ ہیبت ناک قرار دیا جا سکتا ہے۔ ایسے میں ان کا حجم بڑھنا شروع ہو جاتا ہے اور یہ ہیئت میں کسی سرخ عفریت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ جہاں ان کی بیرونی پرت ٹھنڈی ہونے کے ساتھ ساتھ پھیلنا شروع ہو جاتی ہے۔ یا آخر ان کا مرکزی حصہ جسے مرکزہ کہتے ہیں، ایک عظیم دھماکے کے ساتھ پھٹ پڑتا ہے۔ یہ دھماکا اس قدر شدید ہوتا ہے کہ بالائے فضا اس کی دھمک دور دور تک محسوس ہوتی ہے۔ اس دھماکے کو سپر نووا کہا جاتا ہے(سپر نووا ایک انفجاری ستارہ جس کے پھٹنے سے ہماری سورج کی روشنی سے ایک سو ملین (یعنی ایک کروڑ گنا) سے بھی زیادہ روشنی پیدا ہوتی ہے)

-23 پیچ در پیچ گھومتے شعلوں کی تصویر، نیچے لکھا ہے "زمین سے ایک لاکھ ستر ہزار نوری برس کے فاصلے پر ملکی وے کہکشاں میں واقع نیبولا۔ اس میں گیسوں اور گرد و غبار پر مبنی وسیع علاقہ نظر آ رہا ہے۔ یہاں

ہزاروں ستارے جنم لے رہے ہیں۔ (جنگ 28 جولائی 2001ء)

24- سرخ، زرد، نیلے، نارنجی اور سفید رنگوں میں ایک کیکڑا نما شعلہ۔ نیچے لکھا ہے "ریڈ یا ئنڈر نیبولا" تین ہزار نوری سال کے فاصلے پر۔ اس نیبولا میں سرخ رنگ کے گندھک کے آئنز یعنی برق پارے، نارنجی رنگ میں نائٹروجن آئنز، سبز رنگ میں ہائیڈروجن آئنز، ہلکے نیلے رنگ میں معمول کی آکسیجن جبکہ گہرے نیلے رنگ میں آئنائزڈ آکسیجن دکھائی دے رہی ہے۔ یہ تصویر ہبل ٹیلی اسکوپ نے حاصل کی ہے۔ (نوائے وقت 30 جولائی 2001ء)

25- ایک تصویر اور خبر، راٹن ایگ نیبولا (Rotten Egg Nebola) کی دریافت۔ (ایک بادل نما انبار جس میں سے گلے سڑے انڈے کی بدبو آ رہی ہے) کاش انسان خلاء میں سونگھ سکتا تو گندھک کے جلنے کی ناقابل برداشت بو اسے راٹن ایگ نیبولا کی طرف رہنمائی کرتی۔ یہ نیبولا 144 نوری سال پر محیط ہے۔ سائنس دانوں نے "ہبل" کی فراہم کردہ اس تصویر کا تجزیہ کرتے ہوئے بتایا کہ "نیبولا" کے مرکزہ سے نکلنے والی گیس مختلف تہوں اور رنگوں پر مشتمل ہے۔ گاڑھا سنہری رنگ دراصل وہ مواد ہے جس کا ستارے کے مرکز سے حال ہی میں اخراج ہوا ہے اور اس کی رفتار کروڑوں میل فی گھنٹہ ہے یہ گیس اندر پھیلتی ہے اور نیلے رنگ میں دکھائی دینے والے سست رفتار مواد کو گرماتی ہے۔ (نوائے وقت 31 اگست 2001ء)

26- ایک خبر، ماہرین فلکیات نے کہا ہے کہ کائنات کے دور دراز گوشے میں غیر معمولی جسامت کا ایک بلیک ہول ہے جو ستاروں کو ان کی روشنیوں سمیت نگل جاتا ہے سائنس دانوں نے بعض ستاروں کو پچاس لاکھ کلو میٹر فی گھنٹہ کی ناقابل تصور رفتار سے بلیک ہول کی طرف بڑھتے اور معدوم ہوتے ہوئے دیکھا۔ اس کا رقبہ ہمارے سورج سے 26 لاکھ گنا بڑا ہے۔ (روزنامہ پاکستان 6 ستمبر 2001ء)

27- ایک تصویر میں دو روشنیاں۔ ایک نیم دائرے کی صورت میں، دوسری لکیر کی شکل میں۔ نیچے لکھا ہے "ناسا ہبل ٹیلی اسکوپ نے 8 اگست کو یہ تصویر کھینچی ہے۔ اس میں پہلی بار ایک بڑی گلیکسی کو چھوٹی گلیکسی کو نگلتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔ (نوائے وقت 10 اگست 2003ء)

28- ایک خبر، بلیک ہول کی آواز سن لی گئی۔ ماہرین فلکیات پہلی بار خلاء میں واقع ایک بہت بڑے بلیک ہول سے برآمد ہونے والی آواز کو سننے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ ناسا کے ماہرین نے اسے ایک عظیم ترین کامیابی قرار دیتے ہوئے یقین ظاہر کیا ہے کہ اس سے ایک بہت بڑے سائنسی راز کے افشاء ہونے میں مدد ملے گی۔ بلیک ہول سے برآمد ہونے والی مذکورہ آواز کا زیر و بم اتنا گہرا ہے کہ انسانی قوت سماعت اس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ (روزنامہ صحافت 11 ستمبر 2003ء)

قارئین گرامی! آپ نے یہ خبریں مطالعہ فرمائیں۔ یہ کائنات کے دور دراز گوشوں (Deep

Universe) کے حوالے سے بڑی ہی نادر و نایاب معلومات ہیں اور ہمیں ان سائنس دانوں اور اہل کمال کا شکر گزار ہونا چاہیے جنہوں نے فلکیات کے بعید ترین گوشوں کی جھلکیاں ہم تک پہنچا دیں۔ یہ خبر پڑھتے ہوئے اور تصویریں دیکھتے ہوئے میں بار بار غور کرتا رہا کہ سائنس دانوں نے ایک خاص حوالے سے معلومات تو یقیناً بے مثال نوعیت کی حاصل کر لیں، مگر افسوس وہ اپنی کوتاہی فکر کی وجہ سے صحیح نتائج تک نہ پہنچ سکے۔ یہ تصاویر دیکھ کر اور خبریں پڑھ کر صاف محسوس ہوتا ہے کہ کائنات کے جس گوشے اور علاقے کی اس میں عکاسی کی گئی ہے وہ جہنم کا علاقہ ہے۔ یہ تصویریں جن کے نیچے "پیدا ہوتے ہوئے ستارے" "مرتے ہوئے ستارے" اور "خودکشی کرتا ہوا ستارہ" کے تعارفی کلمات لکھے ہوئے ہیں، واضح طور پر بھڑکتے ہوئے، پیچ و تاب کھاتے ہوئے شعلوں کی تصویریں ہیں۔ کوئی ان سے پوچھے کہ کیا ستارے بکری یا گائے کے بچے ہیں کہ انہیں پیدا ہوتے ہوئے دکھایا جا سکتا ہے یا وہ کوئی انسان یا حیوان ہیں کہ ان کے عالم نزع کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ شعلوں کی تصویریں ہیں اور یہ لازماً جہنم کے شعلے ہیں۔

یوں لگتا ہے کہ دنیا کی سب سے طاقتور دوربین نے زمین سے کروڑوں نوری میل کے فاصلے سے کائنات کے دور دراز گوشوں کی جو تصاویر حاصل کی ہیں، ان میں مختلف زاویوں سے جہنم کے کچھ مناظر محفوظ ہو گئے ہیں۔ بھڑکتے، دہکتے، چنگھاڑتے جہنم کے مختلف گوشوں کو ان سائنس دانوں نے کہکشاں (گلیکسی) کا نام دیا ہے جہاں ان غیر معمولی جسامت کے شعلوں کا دھواں یا فضاء میں تحلیل ہوتی ہوئی باقیات نظر آتی ہیں۔ لیکن انہوں نے تعبیر یہ کی "ستارہ مر رہا ہے" یا "خودکشی کر رہا ہے"۔ تحلیل ہوتے ہوئے شعلوں اور دھوئیں سے انہوں نے اندازہ کر لیا کہ "سپر ہاٹ" ستاروں کی عمر بہت کم ہوتی ہے۔"

جہنم کے ان علاقوں سے دھوئیں اور گیسوں کے مرغولے اٹھتے ہیں، غیر معمولی چنگھاڑ کی آوازیں آتی ہیں، شعلے آپس میں گتھم گتھا ہوتے ہیں، تو سائنس دان فرض کر لیتے ہیں کہ دو کہکشائیں ایک دوسری کو نگل رہی ہیں یا بڑے بڑے سورج پھٹ رہے ہیں۔ "حمیم" اور "غسلین" کی جھیلوں میں دیو ہیکل بلبلے پیدا ہوتے ہیں تو سائنس دان پریشان ہو جاتے ہیں، ان کی کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ اس کی کیا تعبیر کریں۔

جہنم کے گڑھوں سے بے پناہ خروش کی آوازیں آتی ہیں۔ یہاں ہائیڈروجن گیس کے مہیب ستون ہیں (دیکھیے خبر نمبر 19) اور قرآن میں بھی آگ کے ستونوں کا ذکر ہے۔ دیکھیے سورۃ ہمزہ 104 (آیات کا ترجمہ) "وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے پاس رہے گا۔ ہرگز نہیں وہ شخص تو چکنا چور کر دینے والی جگہ میں پھینک دیا جائے گا اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ چکنا چور کر دینے والی جگہ؟ اللہ کی آگ، خوب بھڑکائی ہوئی، جو دلوں تک پہنچے گی۔ وہ ان پر ڈھانک کر بند کر دی جائے گی (اس حالت میں کہ وہ) اونچے اونچے ستونوں میں گھرے ہوں گے")

امریکا اور یورپ کے سائنس دانوں کا المیہ یہ ہے کہ وہ انفس و آفاق کی غیر معمولی معلومات رکھنے کے

باوجود اور ہر جانب ایک شاندار، بے مثال اور مربوط و معقول نظام کی کارفرمائی دیکھنے کے باوصف وہ اس سب کچھ کو محض اتفاق قرار دیتے ہیں اور اہل کتاب ہونے کے باوجود وہ یہ ادراک کرنے سے معذور ہیں کہ یہ کائنات کسی حادثے یا اتفاق کے نتیجے میں معرض وجود میں نہیں آئی بلکہ اس کے حی و قیوم خالق نے اسے بڑی ہی حکمت کے ساتھ ایک خاص منصوبے اور پلان کے مطابق تخلیق کیا ہے۔ وہ انسانوں کو بے مثال صلاحیتوں کے ساتھ بے حد و حساب وسائل فراہم کر کے اس دنیا میں ایک محدود مدت کے لئے محض امتحان کی خاطر بھیجتا ہے۔ اور پھر ایک وقت آتا ہے جب لازماً ان پر موت وارد ہو جاتی ہے اور کوئی شخص خواہ کتنے ہی لامحدود اور غیر معمولی اختیارات کا مالک ہو یا اپنے غیر معمولی کردار اور حیثیت کی وجہ سے وہ انسانیت کے لئے خواہ کتنا ہی اہم اور ناگزیر کیوں نہ ہو، بہرحال اس کا مادی وجود ختم ہو کے رہتا ہے۔ (لیکن اس کی روح زندہ و محفوظ رکھی جاتی ہے) اور پھر جیسا کہ سارے نبیوں نے اس کی تعلیم دی، تورات، زبور اور انجیل نے اس کی تصدیق کی اور آخری الہامی کتاب۔ قرآن پاک۔ میں اس کا تفصیل اور تکرار کے ساتھ ذکر موجود ہے کہ ایک روز لازماً قیامت برپا ہوگی۔ یہ دنیا ختم کر دی جائے گی اس کے بعد حشر بپا ہوگا، تاریخ انسانی کے ہر فرد بشر کو اپنے مادی جسم کے ساتھ دوبارہ زندہ کیا جائے گا، اس کے ایک ایک عمل کا حساب ہوگا۔ پھر اگر اس نے خوش قسمتی سے اللہ کی رضا حاصل کر لی تو اسے غیر معمولی نعمتوں اور راحتوں سے آراستہ باغوں میں داخل کیا جائے گا اور اگر خدانخواستہ وہ میزان عدل پر پورا نہ اترا تو اسے سزا اور تعذیب کے حوالے کر دیا جائے گا۔

عقوبت کے اس مقام کا نام جہنم ہے۔ قرآن مجید اور مستند احادیث کے مطابق جب یہ دنیا تخلیق کی گئی تھی تو اس کے ساتھ ہی جنت اور جہنم بھی معرض وجود میں آ گئے تھے۔ وہ ہمیشہ سے موجود ہیں لیکن انسان کی نظروں سے بہت دور کائنات کے دور دراز گوشوں میں مستور رکھے گئے ہیں۔

قرآن مجید جہنم کے ذکر سے بھرا پڑا ہے اور نبی اکرمؐ نے اس کی تفصیلات کا جا بجا تذکرہ فرمایا ہے۔ جہنم کی دہشت ناکی کا یہ عالم ہے کہ حضورﷺ ان سورتوں کو پڑھتے ہوئے جن میں عذاب جہنم کا ذکر ہے سخت خوفزدہ ہو کر رو دیا کرتے تھے۔ فرمایا کہ مجھے سورۃ تکویر 81، انفطار 82 اور انشقاق 84 نے بوڑھا کر دیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں جہنم کی دہشت کا جو نقشہ نظر آتا ہے وہ مختصراً یوں ہے۔

سورۃ الفرقان 25 آیات 11 سے 14 میں ہے "اور جو اس گھڑی کو جھٹلائے اس کے لئے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ مہیا کر رکھی ہے۔ وہ جب دور سے ان کو دیکھے گی تو یہ اس کے غضب اور جوش کی آوازیں سن لیں گے اور جب یہ دست و پابستہ اس میں ایک تنگ جگہ ٹھونسے جائیں گے تو اپنی موت کو پکارنے لگیں گے (اس وقت ان سے کہا جائے گا) آج ایک موت کو نہیں بہت سی موتوں کو پکارو۔"

سورۃ الملک 67 آیات 7 سے 8 "جب کافر جہنم میں پھینکے جائیں گے تو وہ جہنم کے دھاڑنے کی خوفناک آوازیں سنیں گے۔ جہنم جوش کھا رہی ہوگی۔ ایسا معلوم ہوگا کہ وہ غصے کے مارے پھٹ جائے گی۔"

ابوداؤد اور ترمذی کی ایک طویل حدیث ہے جس میں یہ غور طلب الفاظ ہیں کہ جہنم کے بعض حصے بعض پر سوار ہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر غالب اور مسلط ہیں (یعنی شدت غضب میں)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں حضورؐ نے فرمایا کہ جب کفار کو جہنم کی طرف گھسیٹا جائے گا تو جہنم چیخنے لگے گی اور ایک ایسی جھرجھری لے گی کہ تمام اہل محشر خوفزدہ ہو جائیں گے۔ حضرت عبید بن عمیر فرماتے ہیں کہ جب جہنم غصے سے تھرتھرائے گی، شور و غل، چیخ و پکار اور جوش و خروش شروع کرے گی تو تمام مقرب فرشتے اور بلند مرتبہ انبیاء کانپنے لگیں گے حتیٰ کہ خلیل اللہ حضرت ابراہیمؑ بھی اپنے گھٹنوں کے بل گر جائیں گے اور پکاریں گے کہ یا اللہ! میں آج تجھ سے صرف اپنی جان کی سلامتی چاہتا ہوں اور کچھ نہیں مانگتا (تفسیر ابن کثیر سورۃ الفرقان)

نبی اکرمؐ کے فرمان کے مطابق جہنم اس قدر گہرا ہے کہ اگر ایک پتھر اس میں پھینکا جائے تو وہ ستر سال تک گرتا ہی چلا جائے گا۔

قرآن مجید کے مطابق پتھر اور انسان جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ (سورۃ البقرہ 2 آیت 24)

ابن کثیر نے اس کی تفسیر میں متعدد روایات نقل کی ہیں کہ یہ پتھر گندھک کے ہوں گے یا گندھک کے بے حد بدبودار۔ ان پتھروں کی بدبو مردار سے بھی زیادہ ہوگی۔

جہنم کی حرارت کا یہ عالم ہے کہ نبی اکرمؐ کے فرمان کے مطابق دنیا کی آگ جہنم کے ستر حصے میں سے ایک ہے اور اگر سوئی کے ناکے کے برابر اس کی حرارت دنیا تک پہنچ جائے تو آن واحد میں سب کچھ بھسم ہو جائے (ستر کا عدد آپؐ نے عموماً کثرت کے معنوں میں استعمال کیا ہے)

جہنم کے سات مختلف طبقات ہیں۔ یعنی "الجحیم" ہے بھڑکتی ہوئی آگ کا گڑھا "الحطمہ" ہے توڑ پھوڑ دینے والی، چکنا چور کر دینے والی "حاویہ" ہے یعنی گہری کھائی۔ "سقر" ہے یعنی شدید ترین انداز میں جھلسا دینے والی "لظیٰ" ہے یعنی بھڑکتی ہوئی آگ کی لپٹ "سعیر" ہے یعنی دہکتی ہوئی آگ اور "زمہریر" ہے جس میں شدید ترین سردی ہے۔ جہنم کی ایک وادی کا نام "ویل" ہے۔ اس کی ایک جھلک سورۃ المرسلات (77) کی ان آیات میں نظر آتی ہے۔ (کافروں کو حکم ہوگا) چلو اس سائے کی طرف جو تین شاخوں والا ہے۔ نہ ٹھنڈک پہنچانے والا نہ آگ کی لپٹ سے بچانے والا۔ یہ آگ محل جیسی بڑی بڑی چنگاریاں پھینکے گی، یوں محسوس ہوگا جیسے زرد رنگ کے اونٹ ہیں۔ ہلاکت اور بربادی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کیلئے (آیت 30 تا 34)

دلچسپ اور غور طلب بات یہ ہے کہ سائنس دانوں نے جو مختلف "کہکشائیں" دریافت کی ہیں ان کی مختلف اقسام ہیں اور انہیں مختلف نام دیئے گئے ہیں۔

جہنم کے بارے میں قرآن و احادیث کی فراہم کردہ ان معلومات کو دیکھیے اور پھر امریکی خلائی ادارے ناسا کی جاری کی ہوئی تصاویر اور خبروں کا مطالعہ فرمائیے، آپ کو دونوں میں حیرت انگیز

مشابہت نظر آئے گی اور یہ نتیجہ اخذ کرنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی کہ یہ لازماً جہنم کے اشارات ہیں جو دنیا تک آ پہنچے ہیں۔ چنانچہ "ہبل" کی ساری تصویروں میں مختلف گیسوں یعنی گندھک، ہائیڈروجن، آکسیجن اور نائٹروجن کا ذکر کثرت سے ہے۔ وہاں حرارت کا وہ عالم ہے کہ اس کے تصور سے پسینے چھوٹ جاتے ہیں۔ وہاں کثافت کی یہ کیفیت ہے کہ چمچ بھر مواد کا وزن اربوں ٹن ہے۔ وہاں شعلوں کی ہیجم دھاڑ اس قدر بے پناہ ہے کہ انسانی کان اس کی سماعت کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ وہاں شعلے ایک دوسرے کو نگل رہے ہیں (جس کی تعبیر یوں کی گئی ہے کہ ایک کہکشاں دوسری کو نگل رہی ہے)

جہنم میں کھولتا ہوا پانی، پیپ اور خون ہوگا اور ہبل کی تصویروں میں بھی سائنس دانوں نے غیر معمولی جسامت کے بلبلے اٹھتے ہوئے دیکھے ہیں۔ وہاں بے حد وحساب جسامت کے شعلے بھڑکتے اور دہکتے ہیں جن کی چنگاریاں غیر معمولی ہیں ("محل جیسی" "زرد رنگ کے اونٹوں جیسی") اور ناسا کے سائنس دانوں نے انہیں نئے ستاروں کی پیدائش سے تعبیر کیا ہے۔

جہنم کے بعض حصے بے حد تاریک اور گہرے ہیں اور یہاں حرارت کا تناسب بہت ہی غیر معمولی اور لرزا دینے والا ہے اور یہی غالباً بلیک ہولز (Black Holes) ہیں جو سائنس دانوں کے نزدیک "مردہ ستاروں کا ملبہ" ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث ہے کہ جو شخص کسی کی ہاتھ برابر جگہ پر ناجائز قبضہ کرے گا جہنم میں اس کے گلے میں سات زمینوں کے برابر طوق ڈالا جائے گا (بخاری کتاب المظالم باب 13 روایت سعید بن زید) اس حدیث کو دیکھئے اور پھر ناسا کی سائنس دانوں کی اس تحقیق پر غور فرمائیے کہ بلیک ہول میں کثافت کا یہ عالم ہے کہ وہاں چمچ بھر مواد کا وزن کروڑوں ٹن (بلین ٹن) ہوگا۔ (خبر نمبر 4)

یوں لگتا ہے کہ بلیک ہول دراصل جہنم کے گڑھے ہیں جہاں ان ظالموں، جفاکاروں کو بند کیا جائے گا جنہوں نے خلق خدا پر ظلم کیے ہوں گے انہیں تباہ و برباد کیا ہوگا اور ان کے حقوق غصب کیے ہوں گے۔ وہاں ان کے گلے میں تھوڑا سا مواد ڈالا جائے گا۔ لیکن اس کا وزن کروڑوں اربوں ٹن ہوگا اور وہ یوں محسوس کریں گے جیسے سات زمین ان کی گردن کے ساتھ باندھ دی گئی ہیں۔

چنانچہ مجھے اس امر میں کوئی شبہ نظر نہیں آتا کہ ہبل کی تصویریں جہنم کے شعلے ہیں جبکہ بلیک ہول جہنم کے گڑھے ہیں ان کے سوا ان کی کوئی علمی، عقلی یا سائنسی توجیہ نہیں کی جا سکتی۔

اب آئیے دیکھتے ہیں کہ زمین پر گرمی تیزی سے کیوں بڑھ رہی ہے اور گلیشیئر کیوں پگھلنے لگے ہیں؟ میں نے اوپر ناسا کے حوالے سے جو خبریں درج کی ہیں ان میں سے نمبر 4 کو دوبارہ دیکھئے۔ امید ہے اس سوال کا جواب آپ کی سمجھ میں آ جائے گا۔ فلکیات کے ماہرین سائنس دانوں کے مطابق سورج سے تین کروڑ گنا روشن اور جسامت میں سینکڑوں گنا بڑا ایک "ستارہ" تیزی سے زمین کی طرف بڑھ رہا

قرآن اور جدید سائنس

ہے جن سائنس دانوں نے ہبل کی تصویروں کا تجزیہ کر کے یہ رائے قائم کی ہے وہ یہ بتاتے ہوئے خوف اور دہشت سے کانپ جاتے ہیں۔ امریکی سرکاری حکام بھی اس بہت بڑے خطرے کے بارے میں اپنا منہ بند کیے ہوئے ہیں تاکہ لوگ دہشت زدہ نہ ہو جائیں۔

متعدد احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ قیامت کا زمانہ بہت قریب آ گیا ہے اور جن معدودے چند لوگوں کو اللہ نے پیش بینی کی صلاحیت عطا فرمائی ہے ان کا بھی کہنا ہے کہ دنیا کی عمر بس اب ڈیڑھ دو سو سال ہی رہ گئی ہے۔ پھر یہ بساط لپیٹ دی جائے گی اور قیامت لازماً برپا ہوگی۔

چنانچہ امکان یہ ہے کہ جہنم کو اپنے مرکز سے روانگی کا حکم مل چکا ہے اور ناسا کے سائنس دانوں کا تجزیہ بالکل درست معلوم ہوتا ہے کہ وہ بے حد تیز رفتاری کے ساتھ زمین کے قریب آ رہا ہے۔ اور اسی سبب سے زمین کے درجہ حرارت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور گلیشیئر تیزی سے پگھلنا شروع ہو گئے ہیں۔ اس ضمن میں سائنس دانوں نے جو شواہد حاصل کیے ہیں ان کی چند خبریں ملاحظہ ہوں۔

1- وائس آف امریکا کے مطابق سلسلہ کوہ ہمالیہ میں موجود گلیشیئر خطرناک حد تک تیزی سے پگھل رہے ہیں۔ اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو آئندہ چالیس سال میں کوہ ہمالیہ کے بیشتر گلیشیئر ناپید ہو جائیں گے۔ جس کے نتیجے میں پہلے سیلاب آئیں گے اور پھر علاقے میں دریا خشک ہو جائیں گے۔ (روزنامہ دن لاہور 11 جون 1999ء)

2- واشنگٹن کے تحقیقی ادارے کے مطابق دنیا بھر میں گرمی بڑھنے سے ہمالیہ کی برف تیزی سے پگھلنے لگی ہے۔ گلیشیئر پگھلنے سے پہلے تو دریائے گنگا اور دریائے سندھ میں سیلاب آئے گا اور پھر اگلے 35 سال میں پانی کی مقدار خطرناک حد تک کم ہو جائے گی۔ (روزنامہ پاکستان 25 جولائی 2000ء)

3- گزشتہ تیس سالوں کے دوران دنیا بھر کے درجہ حرارت میں کم از کم چھ ڈگری سینٹی گریڈ اضافہ ہو گیا ہے۔ یہ انکشاف ایک مطالعاتی رپورٹ میں کیا گیا ہے جو نیشنل سائنس فاؤنڈیشن کے تعاون سے تیار کی گئی۔ بڑھتے ہوئے درجہ حرارت کے باعث کرہ ارض کا ماحول متاثر ہونے کا خدشہ پیدا ہو گیا ہے۔ (پاکستان 17 اگست 2000ء)

4- امریکا کی نیشنل سائنس فاؤنڈیشن کے ایک جائزے کے مطابق بیسویں صدی کے آخری تیس سالوں میں قطبین پر درجہ حرارت گزشتہ چار سو سالوں میں سب سے زیادہ رہا۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ اس کے نتیجے میں دنیا میں زبردست ماحولیاتی تبدیلی آ سکتی ہے۔ (جنگ لاہور 17 اگست 2999ء)

5- امریکی خلائی ادارے ناسا کے مطابق قطب شمالی پر موجود برف اندازے سے زیادہ تیزی سے پگھل رہی ہے ادارے کی تحقیقات کے مطابق برف ہر سال نو فیصد کی شرح سے پگھل رہی ہے اور اگر یہی شرح قائم رہی تو صدی کے آخر تک یہاں کی ساری برف معدوم ہو جائے گی اور دیگر مسائل

کے علاوہ عالمی درجہ حرارت غیر معمولی طور پر بڑھ جائے گا۔ (روزنامہ امت کراچی 28 نومبر 2002ء)

6- چلی کے سائنس دانوں نے انکشاف کیا ہے کہ قطب جنوبی میں دنیا کا سب سے بڑا گلیشیئر تیزی سے پگھلتا ہوا سمندر میں سرک رہا ہے اور اگر اس کے پگھلنے اور سرکنے کی یہی رفتار رہی تو سمندروں کی موجودہ سطح بلند ہو جائے گی۔ (جنگ لاہور 17 جنوری 2003ء)

7- سوئٹزر لینڈ کے سائنس دانوں نے کہا ہے کہ یورپ میں شدید گرمی کی لہر کا سلسلہ اس سال بھی جاری رہے گا۔ واضح رہے کہ گزشتہ سال شدید گرمی سے یورپ میں سینکڑوں افراد مر گئے تھے اور براعظم کے مختلف ملکوں کے جنگلات میں آگ لگ گئی تھی 2003ء کے موسم گرما میں یورپ میں کئی ہفتے مسلسل دن کے وقت 30 ڈگری سینٹی گریڈ حرارت نوٹ کی گئی جب کہ کئی ملکوں میں ریکارڈ توڑ 40 سینٹی گریڈ سے زیادہ گرمی نوٹ کی گئی جس کے سبب کئی جنگلات میں آگ لگ گئی پانی کی شدید کمی کا سامنا کرنا پڑا جبکہ بہت سی انسانی ہلاکتیں بھی ہوئیں۔ (امت کراچی 14 جنوری 2004ء)

دنیا میں بڑھتی ہوئی گرمی کے نتیجے میں پہاڑوں کی برف پگھلے گی اور گلیشیئر معدوم ہوں گے اور اس کے نتیجے میں پہلے سیلاب آئیں گے اور پھر پانی کی قلت پیدا ہوگی تو ان آفتوں اور بحرانوں کی ایک حکمت تو یہ ہو سکتی ہے کہ دنیا والوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے قوانین کے خلاف بغاوت پر جو کمر باندھ رکھی ہے اس کی انہیں سزا دی جائے گی اور انہیں طرح طرح کی پریشانیوں اور دکھوں میں جتلا کیا جائے گا۔ لیکن غور کرنے سے سمندر کے گلیشیئر پگھلنے کا بڑا سبب یہ نظر آتا ہے کہ قیامت سے پہلے پہلے دنیا سے پہاڑوں اور سمندروں کی برف کا مکمل خاتمہ ضروری ہے۔ قرآن میں ہے کہ قیامت آئے گی تو سمندروں میں آگ لگ جائے گی وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ (جب سمندر بھڑکا دیے جائیں گے) (6-81) اِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ (جب سمندر پھاڑ دیے جائیں گے) (سورۃ انفطار 82۔ آیت 3)

اور ایسا یوں ہوگا کہ پانی کے دو بنیادی اجزاء یعنی آکسیجن اور ہائیڈروجن کو الگ الگ کر دیا جائے گا اور چونکہ ایک گیس جلنے والی جبکہ دوسری جلانے والی ہے اس لئے سمندر فوراً ہی بھڑک اٹھیں گے اور پانی بھک سے اڑ جائے گا۔ لیکن اس عمل کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ قیامت سے پہلے دنیا سے برف کا وجود معدوم ہو جائے اور سمندروں میں صرف پانی رہ جائے۔

قارئین گرامی! مذکورہ بالا معلومات کی روشنی میں اکثر سوچتا تھا کہ یہ تو جہنم کے اشارات تھے جو دنیا تک آپہنچے ہیں اور ظاہر ہے کہ جہنم میں چونکہ آگ ہے حرارت ہے شور ہے اس لئے اس کے اشارات بہت دور تک پہنچ سکتے تھے لیکن دنیا تک جنت کے اشارات کی دسترس کیسے ہوگی کہ وہاں تو باغات ہیں نہریں ہیں مرغزار ہیں۔ تب اللہ نے کرم فرمایا اور روزنامہ "جنگ" لاہور کی 4 جون 1994ء کی ایک خبر نے دل و دماغ اور روح کو اطمینان کامل سے سرشار و نہال کر دیا کہ "زمین سے دو سو ملین یعنی بیس کروڑ نوری سال کے فاصلے پر سائنس دان پانی کی کثرت کو دیکھ کر حیران رہ گئے ہیں۔ یہ انکشاف امریکا اور

جرمنی کے سائنس دانوں نے ایک ریڈیائی دوربین استعمال کرتے ہوئے کیا"۔ اور ظاہر ہے کہ یہ علاقہ جنت کا ہے کہ اس سے قبل سائنس دانوں کو پوری کائنات میں زمین کے سوا پانی کا کہیں سراغ نہیں ملا اور جنت کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہاں نہروں اور آبشاروں کی کثرت ہے۔

قارئین گرامی! میں نے اپنی محدود سمجھ بوجھ اور دستیاب معلومات کی بناء پر عہد حاضر کے چند اہم سوالات کے جواب تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اللہ کرے آپ ان دلائل سے مطمئن ہوں اور اللہ تبارک تعالیٰ کی قدرتوں اور کمالات پر نہ صرف ہم سب کا ایمان مضبوط ہو جائے بلکہ ہم قیامت اور روز حشر کے حوالے سے کامل سنجیدگی اختیار کر لیں اور نتائج و عواقب کو بھگتنے کی تیاری بھی کر لیں۔ دیکھیے "کتاب زندہ" ہمیں اس حوالے سے کیسے معجزانہ انداز میں خبردار کر رہی ہے:

"کیا ایمان والوں کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے پگھلیں اور اس کے نازل کردہ حق کے آگے جھک جائیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی تھی۔ پھر ایک لمبی مدت ان پر گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور آج ان میں سے اکثر فاسق بنے ہوئے ہیں۔ خوب جان لو کہ اللہ زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے۔ ہم نے نشانیاں تم کو صاف صاف دکھا دی ہیں شاید کہ تم عقل سے کام لو" (سورۃ الحدید 57: آیات 16 سے 17)

اب ذرا دوسری آیات ملاحظہ ہوں۔

قرآن مجید میں جگہ جگہ سورج، چاند ستاروں، زمین اور آسمانوں کا ذکر ہے اور ان آیات کے ساتھ ہی غور و فکر کی دعوت بھی دی ہے۔ مثلاً سورۃ آل عمران (3) آیات 190 سے 191 میں عقلمند لوگوں کی تعریف اس طرح فرمائی

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ.

"بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے بدلنے میں عقل والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔ یہ (عقلمند) وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے اور کروٹ کے بل (یعنی لیٹے ہوئے) اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش پر غور و فکر کرتے ہیں"۔ یعنی ایک ہی تسلسل میں اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ بتایا کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں نشانیاں ہیں بلکہ ان پر غور و فکر کرنے والوں کو عقلمند ہونے کی سند عطا فرمائی۔ اور اللہ تعالیٰ کی سند سے بڑھ کر اور کس کی سند ہو سکتی ہے۔

اس تمہید کے بعد یہ غور فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار سبع سموٰت یعنی سات آسمانوں کا ذکر کیا ہے۔ ویسے تو اس سلسلے میں بہت سی آیات ہیں لیکن میں یہاں سورۃ ملک (67) آیات 3-4 اور 5 کا حوالہ دوں گا۔ پہلے آیات 3 میں فرمایا اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا یعنی "وہ جس نے سات آسمان

بنائے ایک دوسرے کے اوپر" جو لوگ تھوڑے سے بھی زمین کے جغرافیہ سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ "اوپر" اور "نیچے" کا تصور ایک اضافی Relative چیز ہے اور اس کا تعلق زمین کی کشش ثقل سے ہے۔ جو چیز زمین کے مرکز کی طرف ہے وہ نیچے ہے اور جو چیز اس سے دوری کی طرف ہے وہ اوپر۔ کیونکہ زمین گول ہے اس لئے "سات آسمان ایک دوسرے کے اوپر" سے مراد زمین کے گرد سات خول ہیں جو زمین کے قریب سے شروع ہو کر اس سے دوری کی طرف جاتے ہیں۔ یہ خول کیا ہیں اور کس چیز کے بنے ہوئے ہیں ابھی تک کچھ علم نہیں۔ مختلف لوگ اس کی تشریح مختلف طریقوں سے کرتے ہیں لیکن یقین سے کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ ان سات آسمانوں کے ذکر کے فوراً بعد آیات 3 اور 4 میں فرمایا۔

مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ۔ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ

یعنی "کیا تو رحمٰن کے بنانے میں کچھ فرق دیکھتا ہے؟ نگاہ اٹھا کر دیکھ۔ کیا تجھے کوئی رخنہ نظر آتا ہے؟ پھر دوبارہ نگاہ اٹھا۔ تیری نگاہ ناکام پلٹ آئے گی (دھتکاری ہوئی) تھکی ماندی۔" یعنی اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کو نہ صرف دیکھنے کی دعوت دی ہے بلکہ دوبارہ دیکھنے پر اصرار کیا ہے۔ انسان ایک ہی قوت میں ایک چیز کو بار بار دیکھے تب بھی اس کو وہی چیز نظر آئے گی۔ تو دوبارہ دیکھنے پر اصرار شاید اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر پہلی بار یعنی قرآن مجید پڑھنے والے کے لئے زمانہ حال میں تمام موجود وسائل کے باوجود اگر کوئی خامی نظر نہیں آتی تو دوبارہ یعنی زمانہ مستقبل میں مزید ایجادات کے بعد پھر اس کو دیکھو۔ اس طرح نہ صرف تمام قسم کی فلکی دوربینوں کی ایجاد کی طرف اشارہ ہے بلکہ ان ایجادات کو استعمال کرنے اور قدرت کے اس نظام کو جو ہر قسم کے نقص سے پاک ہے دیکھنے پر تاکید بھی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ دعوت اور تاکید صرف دعوت نظارہ ہی نہیں ہے بلکہ بلاشبہ غور و فکر اور نصیحت حاصل کرنے کے لئے ہے۔

اوپر بیان کی ہوئی آیت 4 میں ایک بات اور بھی قابل غور ہے۔ وہ یہ کہ یہاں پر الفاظ

یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ

استعمال ہوئے ہیں جن سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ "تیری نگاہ ناکام پلٹ آئے گی تھکی ماندی" دیکھنے کا اصول یہ ہے کہ جب کسی منور جسم Light Emitting Body سے روشنی خارج ہو کر آنکھ تک پہنچتی ہے تو وہ منور جسم انسان کو روشن نظر آتا ہے دوسری صورت میں جب یہ روشنی کسی دوسرے غیر منور جسم پر پڑتی ہے اور وہاں سے منعکس ہو کر آنکھ تک پہنچتی ہے تو وہ غیر منور جسم بھی ہمیں نظر آتا ہے۔ دونوں صورتوں میں آنکھ سے کوئی چیز نہیں نکلتی کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر روشنی کی غیر موجودگی کے باوجود اندھیرے میں بھی ہمیں اپنے گرد چیزیں نظر آ سکتیں۔ اب اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ "تیری نگاہ ناکام پلٹ آئے گی" میں اس

بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ آیت میں دیکھنے کی دعوت کے ضمن میں کوئی چیز آسمانوں سے آنکھ کی طرف نہیں بلکہ انسان سے آسمانوں کی طرف بھیجی گئی جو پلٹ آئی اور چونکہ یہ تشریح عام دیکھنے کے اصول کے خلاف ہے کیونکہ کوئی چیز بھی آنکھ سے نکل کر آسمانوں کی طرف نہیں جاتی اس لئے یہ قدرتی طور پر دیکھنے کی بجائے مصنوعی ذرائع کے ذریعہ دیکھنے کی طرف اشارہ ہے۔

ریڈار ایک ایسا آلہ ہوتا ہے جس کے ذریعے برقی مقناطیسی لہریں Electromagnetic Waves کسی ایک طرف بھیجی جاتی ہیں۔ یہ لہریں جب کسی چیز سے ٹکرا کر واپس ہوتی ہیں تو ان واپس پلٹ کر آنے والی لہروں کی نوعیت اور وقت کی صحیح طور پر پیمائش کر کے اس چیز کے متعلق اندازہ لگایا جاتا ہے جس سے ٹکرا کر یہ لہریں واپس ہوتی ہیں بلکہ لوٹ کر واپس آنے والی لہروں کو ایک طرح سے دیکھنے کے قابل بھی بنایا جا سکتا ہے۔ تو گویا "تیری نگاہ ناکام پلٹ آئے گی" میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سات آسمانوں کی تحقیق میں جس کی دعوت آیات 3 اور 4 میں دی گئی ہے ایسے آلے استعمال کئے جائیں جو ریڈار کے اصول پر کام کرتے ہوں۔

اوپر بیان کی ہوئی تشریح کے حوالے سے یہاں دو اور باتیں اہم اور قابل غور ہیں۔ پہلی بات یہ کہ کائنات اتنی وسیع ہے کہ اس کا احاطہ ابھی تک نہیں کیا جا سکا۔ اب تک کی تحقیق کے مطابق ان ستاروں سے آنے والی لہروں کی پیمائش کی جا چکی ہے جو اتنی دور ہیں کہ روشنی کی رفتار سے جو ایک سیکنڈ میں تین لاکھ کلو میٹر کا فاصلہ طے کرتی ہیں لہروں کا ان ستاروں سے ہم تک پہنچنے میں تقریباً ڈیڑھ ارب سال کا عرصہ لگتا ہے ظاہر ہے کہ انسان جس کی عام عمر سو سال سے بھی کم ہوتی ہے اربوں سال لہروں کے واپس آنے کا انتظار نہیں کر سکتا کیونکہ آیت میں "پلٹ آئے گی" استعمال ہوا تھا اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ سات آسمان اتنے فاصلے پر ہیں کہ ریڈار کے ذریعے لہروں کے جانے اور واپس آنے میں اتنا وقت درکار ہوگا کہ مشاہدہ کرنے والا انسان بہت آسانی سے انتظار کر سکتا اور لوٹ کر آنے والی لہروں کو دیکھ سکتا ہے۔ یعنی سات آسمان لامحدود وسعتوں کا نام نہیں ہے بلکہ یہ قریب تر فاصلے ہیں۔ دوسری بات جو اسی تسلسل میں بتائی گئی ہے وہ یہ کہ نگاہ لوٹ کر آئے گی تو تھکی ماندی ہوگی۔ یعنی واپس آنے والی لہروں میں طاقت اس سے کم ہوگی جس طاقت سے یہاں سے بھیجی گئی ہوں۔ اس سے دو مطلب نکل سکتے ہیں ایک تو یہ کہ سات آسمانوں کے فاصلے اتنے کم بھی نہیں ہیں کہ لہروں کے جانے اور واپس آنے میں لہروں کی طاقت میں کوئی فرق نہ پڑے۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جن آسمانوں کا ذکر ہے وہ اگرچہ قریب تو ہیں لیکن ان کی یہ خصوصیت بھی ہے کہ وہ لہروں کو واپس کرتے وقت ان کو کچھ کمزور کر دیتے ہیں۔ یعنی لہروں کی کچھ طاقت وہاں پر ضائع ہو جاتی ہے۔ اس طرح آیات 3 اور 4 کی اوپر کی ہوئی تشریح سے سات آسمانوں کی حقیقت کے متعلق کچھ خاکہ ذہن میں ابھرتا ہے۔

یہ تو تھا سات آسمانوں کا کچھ ذکر۔ اسی تسلسل میں آیت 5 میں اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِّلشَّيَاطِينِ

یعنی "اور بیشک ہم نے دنیا کے (قریب والے) آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا اور انہیں شیاطین کیلئے مار کا ذریعہ بنایا" اسی قسم کی بات سورۃ حٰم السجدہ (41) آیت 12 میں بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا ۚ وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَحِفْظًا

یعنی "اور ہم نے تمام آسمانوں کو ان کے کام بتادیئے اور زمین (کے قریب) والے آسمان کو چراغوں سے مزین کر دیا اور حفاظت کا ذریعہ بنایا" یعنی سات آسمانوں کے ذکر کے بعد جن میں سے ہر ایک کا کام الگ الگ ہے' زمین کے قریب والے آسمان سے متعلق تھوڑی سی تفصیل بتائی ہے کہ اسے چراغوں سے آراستہ کیا۔ اکثر مفسرین یہاں چراغوں سے مراد ستارے لیتے ہیں۔ اور اگر یہی مطلب لیا جائے تو پھر تمام ستارے زمین کے قریب والے آسمان یعنی پہلے آسمان پر ہیں اور اوپر کے سات آسمانوں کا ہونا کائنات کی لامحدود وسعت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ لیکن اوپر بیان کی ہوئی دلیلوں کے علاوہ بھی اس نظریئے کو قبول کرنے میں یہ قباحت ہے کہ پھر چراغوں کو شیاطین کیلئے مار کا ذریعہ بنانا اور پہلے آسمان کو محافظ بنانا سمجھ میں نہیں آتا۔

زمین کی اوپر کی فضاء کی تحقیق کے بعد یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ زمین سے اوپر 16 کلو میٹر اور 80 کلو میٹر کے درمیان اوزون Ozone گیس کا ایک خول ہے جس کو فضائے ثانیہ Stratosphere کہتے ہیں۔ یہ گیس قدرتی طور پر موجود نہیں ہے بلکہ سورج کی شعاعوں کا بالائے بنفشی حصہ Ultraviolet Radiations جو زمین کے جانداروں کیلئے خطرناک ہے وہ ہوا کی آکسیجن میں جذب ہو کر ان کو اوزون میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اس طرح خطرناک بالائے بنفشی شعاعیں زمین تک نہیں پہنچ پاتیں اور یہ خول زمین کے مکینوں کے لئے ایک محافظ کا کام کرتا ہے۔ اس ضمن میں یہ بات قابل غور ہے کہ اوزون گیس کا یہ خول اگرچہ زیادہ تر بالائے بنفشی شعاعوں کو جذب کر لیتا ہے لیکن پھر بھی تھوڑی سی شعاعیں زمین تک ضرور پہنچتی ہیں لیکن وہ اس حد میں ہوتی ہیں کہ عام حالات میں جانداروں کو نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔

اوپر بتائے ہوئے اوزون گیس کے خول اور فضائے ثانیہ کے اوپر ایک اور خول بھی ہے جس کو رواں کرہ کہتے ہیں۔ یہ خول زمین سے 80 کلو میٹر اور 650 کلو میٹر کی بلندی کے درمیان واقع ہے جہاں پر موجود تمام گیسیں سورج کی شعاعوں کی وجہ سے رواں شدہ Ionised ہوتی ہیں۔ یہ خول بہت سی برقی مقناطیسی Electromagnetic لہروں کیلئے رکاوٹ نہیں بنتا اور یہ لہریں اس میں سے گزر جاتی ہیں البتہ لہروں کا ایک حصہ جس کو ریڈیو کی اصطلاح میں خورد موجیں Short Waves کہتے ہیں اس خول سے منعکس ہو جاتا ہے۔ یہ اسی وجہ سے ہے کہ ریڈیو کے خورد موجی Short Waves کے پروگرام جو زمین سے اوپر کی طرف بھیجے جاتے ہیں اس خول سے واپس ہو کر دوبارہ زمین کی طرف لوٹ آتے ہیں۔

اس طرح یہ ریڈیو پروگرام دور تک بغیر کسی تار یا اور کسی مصنوعی ذریعہ کے سنے جاسکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان رواں شدہ ذرات کو قرآن مجید کی اصطلاح میں مصابیح یعنی چراغ کہا ہو۔ یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ خول Ionosphere رواں شدہ ذرات کے ذریعے شیاطین پر مار کرتا ہے کیونکہ شیاطین کی اصلیت کا علم خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ لیکن ممکن ہے دور آسمانوں کی طرف جاتے ہوئے خورد موجوں Short Waves کا اس خول کی وجہ سے دوبارہ زمین پر لوٹ آنا اور شیاطین کو مار کے ذریعے آسمانوں کی طرف جانے سے روکنے میں کچھ مماثلت نظر آتی ہے۔ واللہ اعلم۔

اوپر بتائے ہوئے دونوں خولوں کو جن میں حفاظت کا سامان بھی ہے اور ایک خاص لہروں کو زمین پر واپس بھیجنے کی صلاحیت بھی ہے اگر سماء الدنیا یعنی زمین کے (قریب والے) آسمان سے تشبیہ دی جائے تب بھی یہ دونوں خول ملا کر پہلا آسمان ہوتے۔ سورہ حٰم السجدہ (41) آیت 12 کے مطابق ہر آسمان کا ایک کام ہے۔ اس لئے اگر پہلے آسمان کا کام اوپر کی تشریح کے مطابق بھی سمجھا جائے تب بھی ان کے اوپر چھ اور آسمانوں اور ان کے کاموں سے متعلق کچھ معلومات حاصل نہیں ہیں۔ اور اگر قرآن مجید کی روشنی میں تحقیق کی جائے تو یہ تحقیق نئے علوم کے خزانے بکھیر سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نہ صرف چاند' سورج' ستاروں' دن' رات' آسمان' زمین اور قیامت کا ذکر کیا ہے بلکہ اور چیزوں کے علاوہ ان کی قسمیں بھی کھائی ہیں۔ یہاں پر ان کی تفصیل میں جانا مقصود نہیں ہے کیونکہ یہ بہت وقت چاہتا ہے۔ یہاں میں ایک خاص قسم کا حوالہ دینا چاہتا ہوں جو دوسری تمام قسموں سے منفرد ہے۔ پہلے یہ بتاتا چلوں کہ قسم کے معنی گواہی کے ہوتے ہیں اور جب کوئی انسان اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی بات کی صداقت کے ثبوت میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا رہا ہے۔ گواہی کیلئے ضروری ہے کہ گواہ نے وہ چیز جس پر وہ گواہی دے رہا ہے خود دیکھی ہو اور گواہ کی ذات ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہو ورنہ گواہی مشکوک ہو جائے گی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہے اور اس کی ذات ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے اس لئے کوئی بھی شخص اپنی بات کی صداقت کے ثبوت میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا سکتا ہے۔ مومن کیلئے اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی کسی بھی بات کے ثبوت میں کسی کی گواہی کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت سی چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں تو ان قسموں سے اللہ تعالیٰ کے کسی قول کی تصدیق مقصود نہیں بلکہ یا تو مطلب یہ ہے کہ جس بیان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کی قسم کھائی وہ چیز اس بیان کردہ چیز کے وقت تخلیق کی جا چکی تھی اور اپنی تخلیق کے بعد وہ اس بیان کی گواہ بن گئی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے چیزوں کی قسم کھا کر ان چیزوں کی تقدیم بیان فرمائی ہے اور یا پھر خالق کائنات نے اپنی مخلوق کی قسم کھا کر اس مخلوق کی تخلیق کی اہمیت پر دلالت کی ہے اور انسانوں پر اس تحقیق کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ اسی روشنی میں زمین و آسمان' چاند' سورج' ستارے' دن و رات اور ان سے متعلق سائنسی

علوم کی نہ صرف اہمیت واضح ہوتی ہے بلکہ ان علوم میں تحقیق کی دعوت بھی ملتی ہے جو نہ صرف موجودہ بلکہ مستقبل کی سائنسی تحقیق کا ایک بڑا حصہ ہوگا۔

اب سورۃ واقعہ (56) کی آیات 75 سے 76 ملاحظہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۔وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِیْمٌ۔

یعنی "پس میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے غروب ہونے کی اور اگر تم کو معلوم ہو تو یہ بہت بڑی قسم ہے" اور جگہ پر تو اللہ تعالیٰ نے صرف قسمیں ہی کھائی ہیں اور اس طرح کی قسموں میں فَلَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ بِمَوٰقِعِ یعنی "میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں"۔ (سورۃ قیامہ (75) آیت 1) اور لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ (1) یعنی میں اس شہر (مکہ معظمہ) کی قسم کھاتا ہوں (سورۃ البلد (90) آیت 1) شامل ہیں لیکن سورۃ واقعہ میں قسم کھانے کے بعد یہ کہہ کر کہ "اگر تم کو معلوم ہو تو یہ بہت بڑی قسم ہے" نہ صرف انفرادیت پیدا کی ہے بلکہ یوم قیامت جیسی ہولناک اور اٹل چیز اور مکہ معظمہ جیسے محترم شہر کے مقابلے میں اس کو زیادہ اہم بنا دیا ہے اور وہ چیز بھی کیا ہے کہ ستاروں کا ڈوبنا یا غروب ہونا اور ساتھ ہی "اور اگر تم کو معلوم ہو" کہہ کر اس بات کی دعوت دی ہے کہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی بیان کی ہوئی بات کو سمجھنا چاہے تو قسم دی ہوئی چیز کا علم حاصل کیا جائے۔ اب ذرا غور فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں سے زیادہ ستاروں کے غروب ہونے کو اہمیت دی ہے۔

بعض مفسرین نے ستاروں کے غروب ہونے سے رات کا پچھلا پہر یہ کہہ کر مراد لیا ہے کہ اس وقت ستارے غروب ہوتے ہیں یہ تشریح کسی لحاظ سے بھی مناسب نہیں ہے کیونکہ یہ سب جانتے ہیں کہ ستارے ہر وقت آسمان پر موجود ہوتے ہیں اور ہر وقت طلوع اور غروب ہوتے رہتے ہیں دن کے وقت سورج کی روشنی کی وجہ سے ستارے نظر نہیں آتے لیکن اندھیرا ہوتے ہی یہ پورے آسمان پر نظر آتے ہیں اور ان کا رات کے پہلے حصہ میں بھی غروب ہونے کا مشاہدہ ہر شخص کر سکتا ہے۔

پھر ستاروں کے غروب ہونے کی قسم کھانے سے کیا مراد ہے؟ اس کا صحیح علم تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے لیکن انسان اپنے علم اور مشاہدہ کو بنیاد بنا کر غور و فکر کر سکتا ہے۔ سائنسی نقطہ نظر سے سورج بھی ایک ستارہ ہے اور زمین کے قریب ہونے کی وجہ سے انسان پر دوسرے ستاروں کی نسبت زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ اب اگر سورج کو بھی ستاروں میں شامل کر لیا جائے تو یہ حیران کن باتیں سامنے آتی ہیں کہ سورج غروب ہوتے وقت عبادتوں میں انسان کی معراج یعنی نماز کا بہترین رکن یعنی سجدہ کرنے کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ مغرب کی نماز وہ واحد نماز ہے جس میں فرض طاق تعداد میں یعنی تین ہیں۔ فرضوں سے پہلے کوئی سنت نہیں ہے اور یہ نماز سورج غروب ہونے کے فوراً بعد پڑھی جاتی ہے۔ روزہ افطار کرنے کیلئے سورج غروب ہونے کے فوراً بعد کا وقت ہے ورنہ روزہ مکروہ ہو جاتا ہے۔ اور عام روایات کے مطابق اس وقت پورے دن کی نسبت دعا کی قبولیت کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔

سورج کا انسانوں اور دوسرے جانداروں پر اثر تو ایک باقاعدہ سائنسی علم ہے۔ لیکن اگر سائنسی نقطہ نظر سے اس بات پر تحقیق کی جائے کہ آخر ستاروں کے غروب ہونے میں ایسی کونسی خاص بات ہے اور ستاروں کے غروب ہونے پر انسانوں اور دوسرے جانداروں پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں تو یہ تحقیق عین اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوگی یہ آیت مستقبل کی سائنسی تحقیق کی بنیاد فراہم کر رہی ہے اور یہ ایک ایسا میدان ہے جس میں لامحدود تحقیق کے راستے کھلے ہوئے ہیں۔

سورج اور ستاروں سے ہٹ کر اب ایک اور آیت ہے جو سائنسی تحقیق کی دعوت دے رہی ہے۔ سورۃ روم (30) آیت 22 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ۔

یعنی "اور اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف۔ بیشک اس میں نشانیاں ہیں علم والوں کے لئے" ذرا غور فرمایئے کہ ایک ہی آیت میں دو جگہ لفظ "آیت" یعنی نشانی کا استعمال اس بات کی اہمیت کو کتنا واضح کر رہا ہے۔ آسمانوں اور زمین کا تو اوپر مختصراً ذکر ہو چکا۔ یہاں پر میں رنگوں کے اختلاف کا ذکر کروں گا۔ اب سے کچھ عرصہ پہلے اگر اس پر غور کیا جاتا تو یہ بات کم ہی سمجھ میں آتی مشکل تھی کہ رنگوں کے اختلاف میں آخر کونسی ایسی نشانی ہے سوائے اس کے کہ اس سے مختلف انسانوں کے درمیان پہچان ہوتی ہے لیکن حالیہ سائنسی تحقیقات کے مطابق انسانی رنگوں کا یہ اختلاف اسی قدرتی نظام کا ایک حصہ ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انسان اور دوسرے جانداروں کو ماحول کے مضر اثرات سے محفوظ رکھتا ہے سورج کی شعاعیں اگر تیز ہوں تو ان میں شامل بالائے بنفشی شعاعیں کھال کی گہرائی میں پہنچ کر سیدھی Protoplasm پر اثر انداز ہوتی ہیں جس کی وجہ سے کھال میں جلن اور آبلے Blisters ہو جاتے ہیں۔ اگر کسی ذریعہ سے ان شعاعوں کو کھال کی گہرائی تک جانے سے روک دیا جائے تو یہ تکلیفیں نہیں ہوں گی۔ جن علاقوں میں سخت تیز دھوپ ہوتی ہے وہاں پر اللہ تعالیٰ نے یہی حفاظتی نظام قائم کیا ہوا ہے اور وہاں کے لوگوں کا رنگ سورج کی شعاعوں کی تیز شدت کی مناسبت سے بھورا، سیاہی مائل گہرا یا سیاہ کر دیا ہے۔ اس کا اصول یہ ہے کہ جب سورج کی شعاعیں کھال کے اوپر کی سطح پر پڑتی ہیں تو ایک حفاظتی کیمیائی مادہ جس کا نام Melanin ہے کھال کی اوپر کی سطح پر پیدا ہو جاتا ہے۔ اس مادہ کی وجہ سے جلد کا رنگ نہ صرف سیاہ ہو جاتا ہے بلکہ جب سورج کی شعاعیں اس پر پہنچتی ہیں تو یہ مادہ شعاعوں کو جذب کر لیتا ہے اور کھال کی گہرائی تک نہیں جانے دیتا۔ اور جب کھال سیاہ ہو جائے تو تیز شعاعوں کے باوجود جلد میں جلن اور آبلے نہیں ہوتے۔ دنیا کے شمالی اور جنوبی علاقوں میں سورج کی شعاعیں تیز نہیں ہوتیں اس لئے وہاں کسی حفاظتی نظام کی ضرورت نہیں ہوتی کم تیز شعاعوں کی وجہ سے حفاظتی مادہ Melanin یا تو پیدا نہیں ہوتا یا کم پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے جلد کا رنگ سفید یا گندمی ہوتا

ہے خط استوا کے قریب کے علاقوں میں سورج کی شعاعیں بہت تیز ہوتی ہیں اس لئے یہ حفاظتی مادہ بھی بہت زیادہ پیدا ہوتا ہے اور لوگوں کا رنگ سیاہ ہوتا ہے یہ اسی حفاظتی نظام کی ہی وجہ ہے کہ وہاں لوگ سخت تیز دھوپ کو نسبتاً کم تکلیف سے برداشت کر لیتے ہیں اور تیز دھوپ بھی ان کی جلد کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

اوپر رنگوں کے مختلف ہونے کا اصول ایک پیرایہ میں بتا دیا گیا ہے لیکن اس کی سائنسی تفصیل میں ابھی اور تحقیق کی ضرورت ہے ہوسکتا ہے کہ مزید تحقیق کے بعد اور کچھ نئی باتیں معلوم ہوں۔ خاص طور پر یہ کہ سورج یا مصنوعی طور پر پیدا کردہ بالائے بنفشی شعاعوں اور تابکاری کے مضر اثرات سے کس طرح سے انسان اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکتا ہے یہ تحقیق آج کل کے زمانے میں بہت زیادہ اہم ہوگئی ہے کیونکہ موجودہ سائنسی تحقیق سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ زمین کے اوپر کے حصہ میں موجود اوزون گیس جو سورج کی خطرناک بالائے بنفشی شعاعوں کو زمین تک آنے سے روکتی ہے صنعتی گیسوں کے اخراج کی وجہ سے مسلسل کم ہو رہی ہے اور ایک خطرناک حد میں داخل ہونے والی ہے جس کی وجہ سے جلد کے سرطان Skin Cencer کے مریضوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ رنگوں کے اختلاف میں نشانی ہے صریح طور پر سائنسدانوں کو اس سمت میں مزید اور مسلسل تحقیق کی دعوت دے رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے حفاظتی نظام کے اصول پر کس طرح انسان مستقبل میں ماحول کے خطرناک اثرات سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔

طبیعات

فزکس کا تعلق عموی طور پر مادے ایٹم پارٹیکول اور قوت (Force) یا توانائی (Energy) کے ساتھ ہے یہ سب چیزیں کیا ہیں جن کے ساتھ فزکس کا تعلق ہے یہ سب خالق کائنات کی پیدا کردہ ہیں اب جبکہ ہر چیز کا خالق اللہ ہے اور کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی تسبیح اور تعریف نہ کر رہی ہو تو پھر فزکس کس طرح خدا کی بادشاہت سے باہر قدم رکھ سکتی ہے ارشاد ربانی ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (سورۃ بنی اسرائیل آیت 17-44)

"کوئی بھی ایسی چیز نہیں ہے جو تسبیح کے ساتھ اللہ کی پاکی قالاً حالاً بیان نہ کرتی ہو لیکن تم لوگ ان کی پاکی یا تسبیح بیان کرنے کو نہیں سمجھتے"

تسبیح سے عام طور پر یہ مطلب لیا جاتا ہے کہ جس طرح انسان بزبان حال اللہ کے نام یا سبحان اللہ الحمد للہ اور اللہ اکبر کا تسبیح کے دانوں یا انگلیوں کے ذریعے گن کر ورد کرتا رہتا ہے باقی مخلوق بھی ایسا کرتی ہے۔ حالانکہ قولاً اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ یہ مخلوق انسانوں کی طرح عبادت کی مکلف نہیں بلکہ اللہ نے ہر

چیز کے ذمے ایک کام لگا دیا ہے اس کا اپنے اس کام کا باقاعدگی سے کرنا اس چیز کی تسبیح ہے گویا کہ کائنات میں ہر ایک چیز متحرک ہے اور حرکت دینے والا اللہ تعالیٰ بذات خود ہے اور اللہ تعالیٰ نے جس کام کے لئے کسی چیز کو پیدا کیا ہے وہ اس کام کو بہتر طریقے سے سرانجام دے رہی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کے ذمہ جو کام بھی لگا دیا ہے وہ اس کام کی انجام دہی میں ہمہ وقت اور ہمہ تن معروف ہے اور خدا کے حکم سے ذرہ برابر روگردانی نہیں کرتی یہاں تک کہ بادلوں کی گرج بھی بزبان حال اللہ کی تعریف اور تسبیح میں معروف ہوتی ہے۔

ارشاد ربانی ہے

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ (سورۃ رعد آیت 13-13)

"اور بادلوں کی گرج اس کی حمد کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتی ہے"

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ (سورۃ نور 24 آیت 41)

"کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ کی تسبیح کر رہے ہیں وہ سب جو آسمانوں اور زمین میں ہیں ہر ایک اپنی نماز اور تسبیح کا طریقہ جانتا ہے۔"

اس آیت سے آسمانوں میں جاندار مخلوق کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے چاند اور سورج کی تسبیح کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (سورۃ یٰس 36 آیت 40)

"ہر ایک اپنے اپنے فلک یعنی مدار میں چکر لگا رہا ہے"

فلک کا لفظ عربی زبان میں سیاروں کے مدار Orbit کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اس کا مفہوم سماء کے مفہوم سے مختلف ہے یہ بات کہ سب ایک فلک میں تیر رہے ہیں چار حقیقتوں کی نشاندہی کرتا ہے۔

1- ایک یہ کہ نہ صرف سورج اور چاند بلکہ تمام تارے اور سیارے اور اجرام فلکی متحرک ہیں۔

2- دوسرے یہ کہ ان میں سے ہر ایک کا فلک یعنی ہر ایک کی حرکت کا راستہ اور مدار Orbit الگ ہے۔

3- تیسرے یہ کہ افلاک تاروں کو لئے ہوئے گردش نہیں کر رہے ہیں بلکہ تارے افلاک میں گردش کر رہے ہیں۔

4- چوتھے یہ کہ افلاک میں تاروں کی حرکت اسی طرح ہو رہی ہے جیسے کسی سیال چیز میں کوئی شے تیر رہی ہو۔

ان آیات کا اصل مقصد علم ہیئت یا طبیعات کے حقائق بیان کرنا نہیں ہے۔

اگرچہ ان کی طرف واضح اشارات ہیں۔ بلکہ انسان کو یہ سمجھانا مقصود ہے کہ اگر وہ آنکھیں کھول کر دیکھے اور پھر عقل سے کام لے تو زمین سے لے کر آسمان تک جدھر بھی نگاہ ڈالے اس کے سامنے خدا کی ہستی اور اس کی یکتائی کے بے حد و حساب دلائل آئیں گے اور کہیں کوئی ایک دلیل بھی شرک اور دہریت کے ثبوت میں نہ ملے گی ہماری یہ زمین جس نظام شمسی میں شامل ہے اس کی عظمت کا یہ حال ہے کہ اس کا مرکز سورج' زمین سے 23 لاکھ گنا ہے اور اس کے بعید ترین سیارے نیپچون کا فاصلہ سورج سے دو ارب اسی کروڑ تیس لاکھ 2793000000 میل ہے بلکہ اگر پلوٹو کو بعید ترین سیارہ مان لیا جائے تو وہ سورج سے چار ارب ساٹھ کروڑ میل دور تک پہنچ جاتا ہے اس عظمت کے باوجود یہ نظام شمسی ایک بہت بڑے کہکشاں کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے جس کہکشاں میں ہمارا یہ نظام شمسی شامل ہے اس میں تقریباً تین ہزار ملین تین ارب ۹ آفتاب پائے جاتے ہیں اور اس کا قریب ترین آفتاب ہماری زمین سے اس قدر دور ہے کہ اس کی روشنی یہاں تک پہنچنے میں چار سال صرف ہوتے ہیں پھر یہ کہکشاں بھی پوری کائنات نہیں ہے بلکہ اب تک کے مشاہدات کی بنیاد پر اندازہ کیا گیا ہے کہ یہ تقریباً 20 لاکھ لولبی سحابیوں (Spiral Nebulae) میں سے ایک ہے اور ان میں سے قریب ترین کا بیضے (Nibulae) کا فاصلہ ہم سے اس قدر زیادہ ہے کہ اس کی روشنی زمین تک پہنچنے میں دس لاکھ سال لگ جاتے ہیں اس پر بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہم نے ساری کائنات دیکھ لی ہے یہ خدائی کا بہت تھوڑا سا حصہ ہے جو اب تک انسانی مشاہدے میں آیا ہے آگے نہیں کہا جا سکتا کہ مزید ذرائع مشاہدہ فراہم کرنے پر اور کتنی وسعتیں انسان پر منکشف ہوں گی۔

تمام معلومات جو اس وقت کائنات کے متعلق ہم تک پہنچی ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ پورا عالم مادے سے بنا ہوا ہے جس سے ہماری یہ چھوٹی ارضی دنیا بنی ہے اس کے اندر وہی ایک قانون کام کر رہا ہے جو ہماری زمین کی دنیا میں کارفرما ہے پھر جو نظم جو حکمت' جو صناعی اور جو مناسبت ان لاکھوں کہکشاؤں اور ان کے اندر گھومنے والے اربوں تاروں اور سیاروں میں پائی جاتی ہے اس کو دیکھ کر کیا کوئی صاحب عقل یہ کہہ سکتا ہے یا تصور کر سکتا ہے کہ یہ سب کچھ آپ سے آپ ہو گیا ہے یا اس پورے نظم کے پیچھے کوئی ناظم' اس حکمت کے پیچھے کوئی حکیم' اس صنعت کے پیچھے کوئی صانع اور اس مناسبت کے پیچھے کوئی منصوبہ نہیں ہے

پھر آسمانوں زمین اور ان میں مقیم مخلوق کی حرکت کے بارے میں مزید ارشاد ہوتا ہے۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ (سورۃ بنی اسرائیل 17' آیت 44)

''اس کی پاکی تو ساتوں آسمان اور زمین اور وہ ساری چیزیں بیان کر رہی ہیں جو آسمان اور زمین میں ہیں۔''

ان تمام آیات سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ہر چیز خدا کی تسبیح میں مصروف ہے خواہ آسمان ہے خواہ زمین ہے خواہ سورج ہے خواہ چاند ہے خواہ نباتات ہیں خواہ جمادات ہیں یا حیوانات ہیں اور خدا کی تسبیح میں مصروف ہونے سے مراد یہ ہے کہ ان تمام کے ذمے جو وظیفہ لگایا گیا ہے وہ اس کی انجام دہی میں ہمہ وقت حرکت کناں ہیں۔

یہ بات بھی مسلم ہے کہ آواز بھی خدا کی تسبیح کر رہی ہوتی ہے اس لئے کہ کوئی بھی آواز حرکت کے بغیر پیدا نہیں کی جا سکتی اور کوئی بھی چیز قوت کے بغیر حرکت میں نہیں آ سکتی اور ساری قوتوں کا منبع اور سرچشمہ ذات خداوندی ہے جیسا کہ کہا گیا ہے۔

Every sound hymns allh. and no sound can be created without motion and nothing could be moved without applying energy and all energies emanates from the energy of Allah.

تسبیح سے مراد چونکہ ہر چیز کا عمل ہے اس لئے قرآن نے عمل کو ہر چیز کیلئے محور قرار دیا ہے اور اس کو زندگی سے تعبیر کیا ہے اس لئے کہ عمل کا متضاد سکون یعنی ساکن ہونا ہے جو موت کے مترادف ہے۔

ارشاد خداوندی ہے

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (سورۃ نجم 53- آیت 39)

''انسان کو اس کے عمل کے مطابق اور برابر ملے گا''

یعنی جتنا ایک انسان عمل کریگا اتنا ہی اس کا رد عمل یعنی نتیجہ ہوگا گویا کہ عمل رد عمل کے برابر ہوتا ہے۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (سورۃ انشراح 94 آیت 5 سے 6)

''بے شک تنگی یا تکلیف کے ساتھ راحت ہوتی ہے اور بے شک تنگی یا تکلیف کے ساتھ راحت ہوتی ہے۔''

آیت میں تکلیف یعنی عسر کا پہلے اور یسر کا کلمہ اس کے نتیجے کے طور پر آیا ہے اور انسان تکلیف یا پریشانی یا تھکاوٹ اس وقت تک محسوس کرتا ہے جب وہ کوئی کام کرتا ہے اور جب وہ کوئی کام کرتا ہے تو اس میں وہ قوت صرف کرتا ہے قاعدے کے مطابق جتنی ایک آدمی قوت زیادہ صرف کرے گا یا جتنا ایک آدمی زیادہ تھک جائے گا یا جتنی ایک آدمی زیادہ محنت کرے گا اتنا ہی اس کو اس کا صلہ یعنی رد عمل یعنی یسر ملے گا گویا کہ دنیا میں مخلوق جس قدر زیادہ مصروف عمل ہوگی اتنی ہی دنیا میں چہل پہل اور ترقی زیادہ ہوگی قرآن نے عمل اور رد عمل کا جو نظریہ پیش کیا ہے وہ اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ جب عمل ہوتا رہے گا تو اس سے رد عمل خود بخود پیدا ہوتا رہے گا اور رد عمل کے مطابق اور برابر ہوگا۔

فارسی کا مقولہ ہے۔

برکت در حرکت است

حرکت میں برکت ہوتی ہے۔

حرکت عمل کا نام ہے اور برکت ردعمل یا نتیجے کا نام ہے اقبال نے اس سلسلے میں کیا خوب کہا ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

زندگی کی چہل پہل عمل کی مرہونِ منت ہے عمل اگر اچھا ہوگا تو اس کا ردعمل بھی اچھا ہوگا اور آخرت میں دنیاوی نیک عمل کا ردعمل جنت کی صورت میں ملے گا اور عمل اگر برا ہوگا تو اس کا ردعمل بھی برا ہوگا اور آخرت میں یہ جہنم کی صورت میں ملے گا۔

قرآن میں عمل کے بارے میں تو یہاں تک کہا گیا ہے کہ عمل اگر ذرہ (Atom) کے برابر بھی ہوگا تو اس کے ردعمل یا نتیجے سے انسان نہیں بچ سکے گا۔

ارشاد ربانی ہے۔

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (سورۃ زلزال 99 آیت 7 سے 8)

"جو آدمی ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کے ردعمل (جزا) سے ملاقی ہوگا اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا وہ بھی اس کے ردعمل (سزا) سے نہیں بچ سکے گا۔

یہاں تک کہ ذرہ ۔۔۔ سے کم اور ذرّے سے زیادہ Molecule عمل بھی خدا کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا دوسرے لفظوں میں انسان کسی حالت میں بھی خدا کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُو مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ (سورۃ یونس 10 آیت 61)

"اور آپ خواہ کسی حال میں ہوں اور منجملہ ان احوال کے آپ کہیں سے قرآن پڑھتے ہوں اور اسی طرح اور لوگ بھی جتنے ہوں تو تم جو کام بھی کرتے ہو ہم کو سب کی خبر رہتی ہے جب تم اس کام کو کرنا شروع کرتے ہو اور آپ کے رب کے علم سے کوئی چیز ذرہ برابر بھی غائب اور پوشیدہ نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں بلکہ سب اس کے علم میں ہیں اور نہ اس مقدار مذکور سے کوئی چیز چھوٹی ہو یا اس سے بڑی مگر سب خدا کے علم میں ہے"

ایک دوسری آیت میں اسی مضمون کا تذکرہ یوں ہوا ہے۔

لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (سورۃ سبا 34 آیت 3)

"اللہ کے علم سے ذرہ برابر بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ کوئی چیز اس مقدار مذکور سے چھوٹی اور نہ بڑی مگر یہ سب اس کے علم میں ہے تاکہ ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں کو ان کے اعمال کا صلہ دے۔"

گویا کہ انسان کو اپنے عمل کا خواہ وہ ذرہ کے برابر ہو یا ذرہ سے کم ہو یا ذرہ سے زیادہ ہو نتیجہ ضرور ملے گا عمل اگر اچھا ہوگا تو نتیجہ بھی اچھا ہوگا جس کو جزا کہتے ہیں اور عمل اگر برا ہوگا تو نتیجہ بھی برا ہوگا اور اس کو سزا کہتے ہیں۔

عمل کی اہمیت اور حقیقت کا اندازہ اس آیت سے با آسانی لگایا جا سکتا ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ (سورۃ حج 22 آیت 18)

"کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ کے آگے سربسجود ہیں وہ سب جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سورج اور چاند تارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے انسان اور بہت سے وہ لوگ جو عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں"

آیت سے یہ بات بڑی وضاحت سے معلوم ہوتی ہے کہ ہر چیز اللہ کے سامنے سربسجود ہے اور سربسجود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو وظیفہ اللہ نے ان اشیاء کے سپرد کیا ہے یہ اشیاء اس وظیفے کی انجام دہی میں ہر وقت حرکت کناں یعنی مصروف عمل ہیں پھر "زمین ہی کی نہیں آسمانوں کی بھی وہ تمام ہستیاں جن کو قدیم زمانے سے لے کر آج تک لوگ دیوی دیوتا اور خدا کے رشتہ دار ٹھہراتے ہیں دراصل غلام اور تابعدار ہیں ان میں سے کوئی بھی خدائی میں شریک نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

اس کے علاوہ زمین کے ایک ذرے سے لے کر آسمان کے بڑے سے بڑے سیاروں تک سب ایک قانون میں جکڑے ہوئے ہیں جس سے بال برابر بھی جنبش کرنے کا کسی کو چارا نہیں ہے مومن تو دل سے اس کے آگے سر جھکاتا ہے مگر وہ دہریہ جو اس کے وجود تک کا انکار کر رہا ہے وہ بھی اس کی اطاعت پر اسی طرح مجبور ہے جس طرح ہوا اور پانی کسی فرشتے کسی جن کسی نبی اور ولی اور کسی دیو اور دیوتا کے پاس خدائی صفات اور اختیارات کا ادنیٰ سا شائبہ تک نہیں ہے کہ اس کو الوہیت اور معبودیت کا مقام دیا جا سکے۔

ان ساری اشیاء کے سر انجام ہونے کا مطلب یہ بھی ہے کہ اس کرہ ارض پر جس حکیمانہ انداز سے اشیاء کو ترتیب دیا گیا ہے اگر ان کی تفصیلات پر غور کیا جائے تو انسان حیران رہ جاتا ہے اور اسے محسوس ہوتا ہے کہ یہ ساری چیزیں ایک حکیم و دانا قادر مطلق کے تدبر کے بغیر ممکن نہیں ہو سکتی تھیں یہ کرہ فضائے بسیط میں معلق ہے کسی چیز پر ٹکا ہوا نہیں ہے اگر اس میں ذرا سی بھی ہلچل ہوتی ہے جس کے خطرناک نتائج کا ہم زلزلہ آ جانے سے با آسانی اندازہ لگا سکتے ہیں تو یہاں کوئی آبادی ممکن نہ ہوتی یہ کرہ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں باقاعدگی کے ساتھ سورج کے سامنے آتا اور چھپتا ہے جس سے رات اور دن کا اختلاف رونما ہوتا ہے اگر اس کا ایک رخ ہر وقت سورج کے سامنے رہتا اور دوسرا ہر وقت چھپا رہتا تو یہاں کوئی آبادی ممکن نہ ہوتی کیونکہ ایک رخ کو سردی اور بے نوری نباتات اور حیوانات کی پیدائش کے قابل نہ رکھتی اور دوسرے رخ کو گرمی کی شدت بے آب و گیا اور غیر آباد بنا دیتی اس کرہ پر پانچ سو میل کی بلندی تک ہوا کا ایک کثیف ردا چڑھا دیا گیا ہے جو شہابیوں کی خوفناک بمباری سے اسے بچائے ہوئے ہے ورنہ دو کروڑ شہاب جو 30 میل فی سیکنڈ کی رفتار سے زمین کی طرف گرتے ہیں یہاں وہ تباہی مچاتے کہ کوئی انسان حیوان یا درخت جیتا نہ رہ سکتا تھا یہی ہوا بعینہٖ حرارت کو قابو میں رکھتی ہے یہی سمندروں سے بادل اٹھاتی ہے اور زمین کے مختلف حصوں تک آب رسانی کی خدمت انجام دیتی ہے اور یہی انسان حیوان اور نباتات کی زندگی کو مطلوبہ گیس فراہم کرتی ہے یہ نہ ہوتی تب بھی زمین کسی آبادی کیلئے جائے قرار نہ بن سکتی تھی اس کرے کی سطح سے بالکل متصل وہ معدنیات اور مختلف قسم کے کیمیائی اجزا بڑے پیمانے پر فراہم کئے گئے ہیں جو نباتاتی حیوانی اور انسانی زندگی کے لئے مطلوب ہیں جس جگہ بھی یہ سروسامان مفقود ہوتا ہے وہاں کی زمین کسی زندگی کو سہارنے کے لائق نہیں ہوتی اس کرے پر سمندروں دریاؤں جھیلوں چشموں اور زیر زمین سوتوں کی شکل میں پانی کا بڑا عظیم الشان ذخیرہ فراہم کر دیا گیا ہے اور پہاڑوں پر بھی اس کے بڑے بڑے ذخائر کو منجمد کرنے اور پھر پگھلا کر بہانے کا انتظام کیا گیا ہے اس تدبیر کے بغیر یہاں کسی زندگی کا امکان نہ تھا پھر اس پانی ہوا اور تمام ان اشیاء کو جو زمین پر پائی جاتی ہیں سمیٹے رکھنے کے لئے اس کرے میں نہایت ہی مناسب کشش رکھ دی گئی ہے یہ کشش اگر کم ہوتی تو ہوا اور پانی دونوں کو نہ روک سکتی اور درجہ حرارت اتنا زیادہ ہوتا کہ یہاں زندگی دشوار ہو جاتی یہ کشش اگر زیادہ ہوتی تو ہوا بہت کثیف ہو جاتی اس کا دباؤ بہت زیادہ بڑھ جاتا آبی بخارات کا اٹھنا مشکل ہو جاتا اور بارشیں نہ ہو سکتیں سردی زیادہ ہوتی زمین کے بہت کم حصے آبادی کے قابل ہوتے بلکہ کشش ثقل بہت زیادہ ہونے کی صورت میں انسان اور حیوانات کی جسامت بہت کم ہوتی اور ان کا وزن اتنا زیادہ ہوتا کہ نقل و حرکت ان کے لئے بہت مشکل ہوتی۔

علاوہ ازیں اس کرے کو سورج سے ایک خاص فاصلے پر رکھا گیا ہے جو آبادی کے لئے مناسب ترین ہے اگر اس کا فاصلہ زیادہ ہوتا تو سورج سے اس کو حرارت کم ملتی سردی زیادہ ہوتی موسم بہت لمبے ہوتے اور مشکل سے یہ آبادی کے قابل ہوتا اور فاصلہ کم ہوتا تو اس کے برعکس گرمی کی زیادتی اور دوسری بہت سی

چیزیں مل کر اسے انسان جیسی مخلوق کی سکونت کے قابل بنا دیتی ہیں۔

یہ صرف چند وہ مناسبتیں ہیں جن کی بدولت زمین اپنی موجودہ آبادی کے لئے جائے قرار بنی ہے کوئی شخص عقل رکھتا ہوا اور ان امور پر نگاہ رکھ کر سوچے تو وہ ایک لمحے کے لئے بھی نہ یہ تصور کر سکتا ہے کہ یہ کسی خالق حکیم کی منصوبہ سازی کے بغیر یہ مناسبتیں محض ایک حادثے کے نتیجے میں خود بخود قائم ہو گئی ہیں اور نہ یہ گمان کر سکتا ہے کہ اس عظیم الشان تخلیقی منصوبے کو بنانے اور روبہ عمل لانے میں کسی دیوی دیوتا جن ولی یا فرشتے کا کوئی دخل ہے۔

ہر چیز اس خالق و مالک کے حکم کے مطابق اپنا اپنا وظیفہ انجام دے رہی ہے اور اپنے اپنے مدار میں چکر لگا رہی ہے اور اپنے مقصد تخلیق کی بڑی خوش اسلوبی سے وضاحت کر رہی ہے۔

طبیعات کے میدان میں ابن الہیثم کا نام بھی محتاج تعارف نہیں ہے۔ ابو علی حسن ابن الہیثم 354ھ بمطابق 965ء میں بصرہ میں پیدا ہوئے اور 66 سال کی عمر میں 430ھ بمطابق 1021ء میں وفات پائی۔

ابن الہیثم کو فن ہندسہ میں کمال حاصل تھا۔ وہ پہلا ہندسی انجینئر تھا جس نے اسوان بند کی تعمیر کا منصوبہ پیش کیا تھا۔

انہوں آنکھ کی بناوٹ پر بھی تحقیق کی اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ روشنی کیا چیز ہے کوئی شے کیسے نظر آتی ہے روشنی اور نور کی ماہیت کیا ہے۔ ان تمام باتوں پر وہ تحقیق کرتا رہا اور اپنی جملہ معلومات تجربات و مشاہدات کو ایک کتاب کی شکل میں جمع کر کے اپنی مشہور کتاب "کتاب المناظر" تصنیف کرنے میں کامیابی حاصل کی حقیقت یہ ہے کہ علم طبیعات کی ایک اہم شاخ روشنی پر دنیا میں ابن الہیثم کی کتاب پہلی اور جامع شاہکار ہے۔

روشنی کی ماہیت اور حقیقت پر غور کرتے ہوئے ابن الہیثم اس کو توانائی کی ایک قسم قرار دیتا ہے جو حرارتی توانائی کے مشابہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ

سیدھی اشیاء کے عکس الٹے نظر آئیں گے۔

ہمیں چیزیں کیسی نظر آتی ہیں؟ اس کی تحقیق بھی ابن الہیثم نے کی اور اس سے پہلے سائنسدانوں نے جو نظریہ پیش کیا تھا اس کو غلط ثابت کیا۔ اس سے پہلے نظریہ تھا کہ آنکھ سے روشنی کی شعاعیں نکلتی ہیں اور وہ جس چیز پر پڑتی ہیں وہ چیز نظر آنے لگتی ہے۔ مگر ابن الہیثم نے کہا کہ یہ بات دراصل ایسی نہیں ہے روشنی کی موجودگی میں آنکھوں سے کسی قسم کی شعاعیں نہیں نکلتیں اور نہ ایسی شعاعوں کا کوئی وجود ہے اس کے برعکس جب روشنی کسی چیز پر پڑتی ہے تو روشنی کی شعاعیں اس چیز کے مختلف پہلوؤں سے پلٹ کر پھیل جاتی ہیں۔ ان شعاعوں میں کچھ شعاعیں آنکھوں میں پڑتی ہیں اور چیز نظر آنے لگتی ہے کیمرے کی تخلیق بھی اسی اصول پر ہوئی ہے۔

ابن الہیثم نے یہ بھی معلوم کرنے کی کوشش کی ہے کہ پانی میں کوئی چیز ٹیڑھی کیوں نظر آتی ہے۔

شیشے پر روشنی پڑتی ہے تو اس کا نقطۂ اجتماع (ماسکہ) یعنی فوکس کیا ہے؟

سورج اور چاند افق پر بڑے کیوں نظر آتے ہیں؟

تارے رات کو جھلملاتے کیوں ہیں؟

انسان کو ایک کی بجائے دو آنکھیں کیوں عطا کی گئیں؟

الغرض ابن الہیثم نے روشنی اور نور کے انعکاس اور انعطاف کے جو اصول دریافت کئے ہیں وہ اب بھی سائنس دانوں کی رہنمائی کرتے ہیں"۔ کیمرہ جیسی مفید ایجاد ابن الہیثم کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

"سورج کی کرنوں میں روشنی اور حرارت ساتھ ساتھ ہوتی ہے۔ اسی طرح آگ یا چراغ کی لو روشنی بھی ہے اور حرارت بھی" گویا کہ روشنی اور حرارت کی اصلیت اور حقیقت ایک ہے۔

ابن الہیثم کے ہاں جسم دو قسم کے ہوتے ہیں

1- نور افشاں اور

2- بے نور

نور افشاں جسم وہ ہوتا ہے جو خود روشنی دیتا ہے جیسے سورج، چراغ اور لیمپ۔ بے نور جسم خود تو روشنی نہیں دیتے بلکہ اس پر روشنی پڑتی ہے۔

پھر بے نور جسم کی تین قسمیں ہیں۔

1- شفاف۔ جس میں روشنی آر پار آسانی سے گزر جاتی ہے جیسے ہوا، پانی اور صاف شفاف شیشہ وغیرہ

2- نیم شفاف جسم، جس میں سے روشنی آسانی سے نہیں گزر سکتی اور اس طرف والی اشیاء دوسری طرف واضح نظر نہیں آتیں جیسے باریک کپڑا اور رگڑا ہوا شیشہ وغیرہ۔

3- غیر شفاف جسم۔ جس میں سے روشنی قطعاً پار نہیں گزر سکتی اور دوسری طرف کی چیزیں بالکل نظر نہیں آتیں۔

روشنی کے بارے میں ابن الہیثم لکھتا ہے۔

"نور خط مستقیم میں سفر کرتی ہے اس کے لئے ذریعے یا واسطے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ بغیر سہارے کے سفر کرتی ہے۔"

روشنی کے سلسلے میں ابن الہیثم نے ایک اور کامیاب تجربہ کیا اور اس کے اس تجربے کی بنیاد پر دوسرے سائنسدانوں نے فوٹو کیمرہ ایجاد کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر کسی تاریک کمرے میں دیوار کے اوپر والے حصے سے ایک باریک سوراخ کے ذریعے سورج کی روشنی گزاری جائے تو اس کے بالمقابل اگر پردہ لگایا جائے تو اس پر جن جن اشیاء کا عکس پڑے گا وہ الٹا ہوگا۔

روشنی اور حرارت کے ماخذ
Sources of Light and Heat

قرآن نے روشنی اور حرارت کے کئی ماخذ بتائے ہیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

بجلی (برق)(Electricity)

قرآن نے بجلی کیلئے لفظ برق استعمال کیا ہے اور اس کا ذکر پانچ آیتوں میں ہوا ہے اور حکمت کی بات یہ ہے کہ اس کا ذکر پانی اور بادلوں کے ضمن میں ہوا ہے گویا یہ بتانا مقصود ہے کہ بجلی پانی سے پیدا ہو سکتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ (سورہ بقرہ۔ 2 آیت 19)

"جیسے بارش ہو آسمان کی طرف سے اس میں اندھیرا بھی ہو اور رعد و برق بھی"۔

برق سے مراد یہاں بجلی ہے اسی طرح

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ (سورة بقره -2 آیت 20)

"قریب ہے کہ بجلی ان کی بینائی اچک لے جائے یعنی ختم کر دے جہاں ذرا ان کو بجلی کی چمک ہوئی تو اس کی روشنی میں چلنا شروع کیا۔"

اس موقع پر آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بجلی سے روشنی پیدا ہوتی ہے جس میں تاریکی میں چیزیں نظر آتی ہیں اور انسان اس کی روشنی میں کاروبار زندگی چلا سکتا ہے مزید کہ اس کی طرف دیکھنے سے آنکھوں کی بینائی ختم ہو سکتی ہے۔

بجلی سے متعلق تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ (سورة رعد -13 آیت 12)

"اللہ وہ ذات ہے جو تم کو بجلی دکھاتا ہے جس سے ڈر بھی ہوتا ہے اور امید بھی اور وہ پانی سے بھرے ہوئے بادلوں کو بھی بلند کرتا ہے۔"

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً (سورة روم -30 آیت 24)

"اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تم کو بجلی دکھاتا ہے جس سے ڈر بھی ہوتا ہے اور امید

بھی اور وہی آسمان سے پانی برساتا ہے۔"

گویا کہ بجلی سے مفید کام بھی لئے جا سکتے ہیں اور اس سے خطرہ بھی ہو سکتا ہے پھر ان تمام آیات میں اس کی روشنی میں کاروبار زندگی جاری رکھنے کی طرف اشارہ دیا گیا اور بعض آیات میں اس کا ذکر بادلوں اور پانی کے ساتھ کیا گیا ہے جس سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ پانی سے بجلی پیدا کی جا سکتی ہے دوسرے یہ کہ پانی میں بذات خود بھی بجلی موجود ہے کیا ایسا کرنا ممکن نہیں کہ پانی کا تجزیہ کر کے اس کے ہائیڈروجن گیس کو جو اگرچہ دھماکہ خیز ہے روشنی اور حرارت حاصل کرنے کے مفید کام میں لائی جائے دوسرے الفاظ میں قرآن کریم نے بجلی کا ذکر اس کی مفید اور خطرناک خاصیتوں سمیت کیا ہے اب اس کو مختلف طریقوں سے حاصل کرنا اور اس سے مفید کام لینا عقل مند لوگوں کا کام ہے۔

إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ (سورۃ زمر -39 آیت 9)

"نصیحت تو صاحب عقل لوگ ہی حاصل کرتے ہیں"

بجلی کے بعد حرارت کا دوسرا ماخذ آگ بتایا گیا ہے ارشاد ربانی ہے۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ (سورۃ بقرہ -2 آیت 17)

"اس کا حال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ جلائی اور آگ نے جب اس کے اردگرد والی جگہ روشن کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کی بصارت طلب کر لی اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا اور ان کو کچھ نظر نہیں آتا"

آگ کس چیز سے پیدا ہوتی ہے قرآن نے میرے علم کے مطابق چند چیزوں کا ذکر کیا ہے تفصیل حسب ذیل ہے۔

لکڑی

ارشاد ربانی ہے

الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ

(سورۃ یس -36 آیت 80)

"اللہ وہ ذات ہے جو تمہارے لئے سبز درخت سے آگ پیدا کر دیتا ہے پھر تم اس سے چولہے روشن کرتے ہو"

مفسرین نے یہاں عرب ممالک میں دو ایسے درختوں مرخ اور عفار کا ذکر کیا ہے جس سے چقماق کا کام لیا جاتا ہے اور ان سے آگ حاصل کی جاتی تھی اس سے یہ بھی مراد لیا جا سکتا ہے کہ لکڑی جلانے کے

کام بھی آتی ہے اور اس سے روشنی اور حرارت حاصل کی جا سکتی ہے۔

شمشاد کا سبز درخت بھی آگ جلانے کے کام آتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ پہاڑوں میں بعض لوگ آج بھی ان کے ٹکڑے سے چراغ کا کام لیتے ہیں۔

اس آیت کے مفہوم کو آج کے سائنسی نقطہ نظر سے بھی واضح کیا جا سکتا ہے آیت سے واضح ہے کہ پودوں اور درختوں میں ضیائی تالیف (Photo Synthesis) کیلئے جو سبزہ (Chloropyll) رکھا ہوا ہے بعرف وہی تمام جانداروں میں سورج کی روشنی جذب کرتا ہے اور یہی روشنی یا طاقت مختلف مرکبات میں جمع ہوتی ہے جو بوقت ضرورت (Decomposition) کی وجہ سے آزاد ہو کر بروئے کار لائی جاتی ہے پودوں میں اس عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت رکھی ہے کہ وہ دنیا کی تمام ذی روح اشیاء جو (Consumers) کہلاتی ہیں کے لئے خوراک فراہم کریں اور سائنس کی زبان میں تمام سبز پودے (Producers) کہلاتے ہیں۔

زمین کے اندر کوئلے کی کانیں تیل اور گیس کے ذخیروں کا وجود بھی جن سے آج کل ہم چولہے روشن کرتے ہیں ان جنگلوں کی بدولت ہے جو آج سے کروڑوں سال پہلے زمین میں دبے ہوئے تھے یہی پودے اپنی زندگی میں اپنے سبزہ کے ذریعے سورج سے (Energy) حاصل کر کے جذب کرتے رہے اور اس کو سٹور کرتے رہے زمین کے اندر دباؤ (Pressure) کی وجہ سے وہ (Energy) مذکورہ بالا عوامل کی صورت میں نمودار ہوئی۔

پتھر

دوسری چیز پتھر ہے جس سے آگ جلانے کا ذکر قرآن میں موجود ہے مثلاً کوئلہ اس کا ذکر معدنیات میں ہو چکا ہے۔

تارکول

تیسری چیز تارکول ہے جو جلتی ہے اور جس سے آگ پیدا ہوتی ہے قرآن پاک نے تارکول کے لباس کا ذکر کیا ہے ارشاد ربانی ہے۔

سَرَابِيلُهُم مِّن قَطِرَانٍ (سورۃ ابراہیم -14 آیت 50)

"تارکول کے لباس پہنے ہوں گے"

قطران کا معنی گندھک اور پگھلا ہوا تانبا بھی کیا گیا ہے۔

چیڑ کے درخت کا روغن بھی قطران کے مفہوم میں شامل کیا گیا ہے بہرحال اکثر مفسرین اس کا معنی تارکول لیتے ہیں۔

سورج

روشنی اور حرارت کا تیسرا منبع سورج ہے ارشاد ربانی ہے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ (سورۃ یونس -10 آیت 5)

"اللہ وہ ذات ہے جس نے سورج کو اجیالا بنایا اور چاند کو چمک دی اور چاند کے گھٹنے بڑھنے کی منزلیں ٹھیک ٹھیک مقرر کیں تا کہ تم اس سے سالوں اور تاریخوں کا حساب معلوم کرو۔"

آیت میں سورج کیلئے ضیاء (مادہ ضوء) استعمال ہوا ہے اور ضیاء یا ضوء اس روشنی کو کہتے ہیں جس میں گرمی بھی ہو جیسے۔

آیت سے نہ صرف قمری کیلنڈر کا مفہوم واضح ہوتا ہے بلکہ اس سے شماریات (Statistics) کے علم کے وجود اور اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔

فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ (سورۃ بقرہ -2 آیت 17)

میں بھی ضوء سے آگ کی روشنی مراد ہے۔

اور آگ سے روشنی اور حرارت دونوں حاصل کی جاتی ہے۔

اس کے برعکس چاند کے لئے لفظ نور استعمال ہوا ہے اور نور اس روشنی کو کہتے ہیں جس میں گرمی اور حرارت نہ ہو ارشاد ربانی

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ (سورۃ مائدہ 5 آیت 15)

"تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے اور وہ ہے ایک واضح کتاب جو انسان کو علم کی روشنی سے منور کرتی ہے۔"

ایک دوسری آیات میں ہے

وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا (سورۃ زمر -39 آیت 69)

"اور زمین اپنے رب کے نور سے منور ہوگئی"

اسی طرح

وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ (سورۃ نور -24 آیت 40)

"جس کو اللہ روشنی یعنی ہدایت نہ دے اس کو کہیں اور سے روشنی میسر نہیں آسکتی"

گویا چاند بھی روشنی کا ایک منبع ہے اگرچہ یہ اس کی اپنی نہیں بلکہ سورج کی روشنی منعکس کرتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ حرارت نہیں ہے

سورج کے بارے میں یہ آیت بھی قابل غور ہے۔

وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَّاجًا (سورۃ -78 آیت 13)

"اور ہم نے ایک نہایت روشن اور گرم چراغ پیدا کیا"

روشن اور گرم چراغ سے مراد سورج ہے یہاں لفظ وھاج استعمال ہوا ہے۔ جس کے معنی گرم کے بھی ہیں اور نہایت روشن کے بھی اس لئے ترجمہ میں دونوں معنی رکھ دیئے گئے ہیں اس مختصر سے فقرے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کی جس عظیم شان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کا قطر زمین کے قطر سے 109 گنا اور اس کا حجم زمین کے حجم سے تین لاکھ 33 ہزار گنا زیادہ بڑا ہے اس کا درجہ حرارت ایک کروڑ چالیس لاکھ ڈگری سینٹی گریڈ ہے زمین سے نو کروڑ 30 لاکھ میل دور ہونے کے باوجود اس کی روشنی کا حال یہ ہے کہ انسان اگر برہنہ آنکھ سے اس کی طرف نظر جمانے کی کوشش کرے تو اپنی بینائی کھو بیٹھے اور اس کی گرمی کا یہ حال ہے کہ زمین کے بعض حصوں میں اس کی تپش کی وجہ سے درجہ حرارت 140 ڈگری فارن ہائٹ تک پہنچ جاتا ہے یہ اللہ کی حکمت ہے کہ اس نے زمین کو اس سے ٹھیک ایسے فاصلے پر رکھا ہے کہ وہ نہ اس سے بہت نزدیک ہونے کے باعث بے انتہا گرم ہے اور نہ بہت دور ہونے کے باعث بے انتہا سرد اسی وجہ سے یہاں انسانی حیوان اور نباتات کی زندگی ممکن ہوئی ہے اس سے قوت کے بے حساب خزانے نکل کر زمین پر پہنچ رہے ہیں اور ہر مخلوق کی غذا بہم پہنچ رہی ہے اسی کی حرارت سمندروں کے پانی کو گرم کرکے وہ بھاپیں اٹھاتی ہیں جو ہواؤں کے ذریعے سے زمین کے مختلف حصوں پر پھیلتی اور بارش کی شکل میں برستی ہیں اس سورج میں اللہ نے ایسی زبردست بھٹی سلگا رکھی ہے جو اربوں سالوں سے روشنی حرارت اور مختلف اقسام کی شعاعیں ہمارے نظام شمسی میں پھینکے چلی جارہی ہیں۔

سورج کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اگر سو واٹ کا بلب دس گھنٹے جل جائے تو وہ ایک یونٹ بجلی خرچ کرتا ہے اگر اس کی قیمت دس آنے لگا دی جائے تو ایک یونٹ بجلی خریدنے کے لئے ہمیں پچاس کروڑ ڈالر خرچ کرنا پڑیں گے اور سورج ہر روز ایک سو ساٹھ ٹن روشنی زمین والوں کو دیتا ہے اس کی قیمت 15 کروڑ ڈالر بنتی ہے سورج یہ کام پچھلے دس ارب سال سے کر رہا ہے اور نہ جانے کتنے ارب سال اور کرتا رہے گا کوئی ہے جو روشنی کی قیمت کا اندازہ لگا سکے اگر کسی دن آسمان والے اہل زمین کے سامنے روشنی کا بل پیش کر دیں اور ساتھ ہی دھمکی بھی دیں کہ اگر فلاں تاریخ تک یہ بل ادا نہ ہوا تو کائنات کی تمام روشنیاں گل کر دی جائیں گی تو اے زمین والوں بتاؤ کیا کرو گے۔

تیل

روشنی اور حرارت کا ایک اور منبع تیل ہے جو چراغ یا انگیٹھی میں استعمال ہوتا ہے

ارشاد ربانی ہے

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّاشَرْقِیَّۃٍ وَّلَاغَرْبِیَّۃٍ یَّکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْلَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ (سورۃ نور -24آیت 35)

"اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اور کائنات میں اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاقت جس میں ایک چراغ ہے اور چراغ قندیل میں ہے چراغ کا حال یہ ہے کہ جیسے موتی کی طرح چمکتا ہوا تارا اور وہ چراغ زیتون کے ایسے درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے جو شرقی ہے نہ غربی جس کا تیل آپ ہی آپ بھڑک اٹھتا ہے چاہے آگ اس کو بھی نہ لگے اس طرح روشنی پر بڑھنے کے تمام اسباب جمع ہو گئے۔"

آیت میں زیتون کے تیل کا نام آیا ہے اور اس کو جب آگ دکھائی جاتی ہے تو اس کے لئے یضیٔ (ضوء) کا لفظ استعمال ہوا ہے اس لئے کہ تیل جلتا ہے اور روشنی اور حرارت دیتا ہے گویا کہ اس سے روشنی اور حرارت دونوں پیدا ہوتی ہیں۔

موتی (در)

اس آیت میں روشنی کا ایک اور ماخذ بھی بتایا گیا ہے اور وہ ہے در یعنی موتی گویا موتیوں سے بھی روشنی اور حرارت حاصل کی جا سکتی ہے لعل بدخشاں تو زبان زد عام و خاص ہے۔

ستارے

یعنی کواکب کو بھی روشنی کا منبع قرار دیا گیا ہے مختصر یہ کہ قرآن نے روشنی اور حرارت کے کئی منابع بتائے ہیں۔

عمل انعکاس کے ذریعے

اس آیت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ روشنی کسی دوسری چیز کے ذریعے منعکس کی جا سکتی ہے یعنی انعکاس کے عمل سے کسی تاریک جگہ کو روشن رکھا جا سکتا ہے۔

کیمیا
CHEMISTRY

ایک مسلمان استاد کیمسٹری پڑھاتے وقت اپنے شاگردوں کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرا سکتا ہے کہ اس علم کا تعلق ان اشیاء کے ساتھ ہے جو اللہ کی بادشاہی کے اندر ہیں اللہ کی بادشاہی سے خارج نہیں ہیں۔

ارشاد ربانی ہے

ھُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّافِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (سورۃ بقرہ ج آیت 29)

"اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے زمین میں سب کچھ تمہارے لئے پیدا کیا"

اگر زمین میں ہر چیز کی تخلیق ہی ہمارے لئے ہوئی ہے تو ان میں وہ اشیاء بھی تو شامل ہیں جن سے علم کیمیا بحث کرتا ہے علم کیمیا وہ علم ہے جو اشیاء کی ترکیب اور دیگر خواص سے بحث کرتا ہے۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے۔

وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقْدِیْرًا (سورۃ فرقان 25 آیت 2)

"اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا اور سب کا الگ الگ اندازہ رکھا یعنی کسی چیز کے آثار و خواص کچھ ہیں اور کسی کے کچھ"

ایک تیسری آیت میں ارشاد ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا لٰعِبِیْنَ (سورۃ انبیاء -21آیت 16)

"ہم نے آسمان اور زمین میں اور جو کچھ ان کے درمیان ہیں اس طور پر نہیں بنایا کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہیں بلکہ ان میں بہت سی حکمتیں ہیں۔"

ظاہر ہے آیت سے مراد وہ چیزیں ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو ان دونوں کے درمیان میں ہیں۔ اور کیمیا کا علم بھی تو ان اشیاء سے باہر نہیں ہے اب اگر اللہ نے ان چیزوں کو بے فائدہ نہیں بنایا تو ان سے فائدہ لینا اب ہمارا کام ہے۔

ایک چوتھی آیت میں ارشاد ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا بَاطِلًا ذٰلِکَ ظَنُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (۲۷:۳۸) (سورۃ ص ۳۸ آیت ۲۷)

"اور ہم نے آسمان زمین اور جو اشیاء ان کے درمیان ہیں ان کو خالی از حکمت نہیں بنایا یہ (ان کا خالی از حکمت ہونا) کافروں کا خیال ہے۔"

جب کوئی بھی چیز خالی از حکمت نہیں ہے تو اب اس حکمت کی تلاش ہماری ذمہ داری بن جاتی

ہے اور ایک مسلمان استاد اس ذمہ داری کو خود بھی انجام دے سکتا ہے اور طالب علموں کی توجہ بھی اس طرف مبذول کرا سکتا ہے آیت مذکورہ میں یہ بات پوری صراحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے کہ کوئی بھی چیز حکمت سے خالی نہیں ہے کم از کم ایک مسلمان تو خدا کی کسی بھی مخلوق کو خالی از حکمت قرار نہیں دے سکتا مسلمان تو ہر وقت اپنے کان اپنی آنکھ اور اپنا دل اسرار کائنات کے لئے کھولے رکھتا ہے۔

ذرا پانی کو دیکھئے جس کا ذکر قرآن میں بھی بے شمار آیات میں موجود ہے یہ دو گیسوں کا مجموعہ ہے ایک ہائیڈروجن جو خود جلتی ہے اور دوسری آکسیجن جو جلانے میں مدد دیتی ہے خالق کائنات نے دو گیسوں سے کتنی مفید چیز بنائی ہے۔

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ.(۱۴:۲۳)سورۃ مومنون۔۲۳۔آیت ۱۴

اس طرح کیمیا میں جو گیسیں بنتی ہیں اور استعمال ہوتی ہیں ساری گیسیں ان اشیاء سے تو بنتی ہیں جو زمین سے متعلق ہیں مثلاً گندھک شورا نمک کوئلہ آکسائیڈ امونیا اور چونا آخر کیا ہیں۔ کیا انسان کی زندگی کا دارومدار آکسیجن پر نہیں کیا پودے انسان کا خارج کیا ہوا گیس استعمال نہیں کرتے اور ان کے لئے آکسیجن تیار نہیں کرتے؟ کیا پانی میں مختلف قسم کے نمکیات شامل نہیں ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے کسی اور کا پیدا کردہ نہیں۔

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ.(۱۴:۲۳)سورۃ مومنون۔۲۳۔آیت ۱۴

اسی طرح

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖ سورۃ عبس ۸۰۔آیت ۲۴

میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کھانے میں مختلف اجزا ہوتے ہیں مثلاً کاربوہائیڈریٹ، حیاتین، پروٹین، فولاد، کیلشیم، وٹامنز اے بی سی ڈی وغیرہ علم کیمیا ان اشیاء سے بحث کرتا ہے۔(ع)

علم کیمیا ہی کی روشنی میں آج کل نباتات، جمادات اور حیوانات سے ایسی اشیاء تیار کی جاتی ہیں جو انسان کی بقا کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ مثلاً پودوں سے ہر قسم کی طاقت کی دوائی، جمادات سے ہر قسم کے کشتے اور حیوانات کے گوشت اور تیل سے مختلف قسم کے Tonics تیار کئے جاتے ہیں۔ یہی تو وہ اشیاء ہیں جس پر انسان کی زندگی کا دارومدار ہے اور یہ سب اشیاء اللہ ہی کی تخلیق کردہ ہیں اللہ کے سوا ان کا کوئی دوسرا خالق نہ تھا نہ ہے اور نہ ہوگا۔

میدان میں کئی مسلمان سائنسدانوں نے نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے جن میں سے راقم کے خیال میں جابر بن حیان، ابوبکر محمد زکریا رازی اور ابو منصور موفق بن علی ہروی زیادہ قابل ذکر ہیں۔

جابر بن حیان ۱۹۸ھ/ ۸۱۷ء ۱۹۸ھ بمطابق ۸۱۷ء

جابر فن کیمیا کا بابا تسلیم کیا جاتا ہے البتہ کیمیا میں اس کی دلچسپی سونا بنانے کے شوق سے پیدا ہوئی۔ جابر کو سونا بنانے کا بڑا شوق تھا اور اس کا یہ شوق دیوانگی کی حد تک پہنچ چکا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے دن رات تجربے جاری رکھے۔ اس عمل میں اس نے مختلف جڑی بوٹیوں کو بھی استعمال کیا اور پوری زندگی اس میں صرف کی۔ مگر شومئی قسمت وہ سونا بنانے کا اپنا یہ شوق پورا کرنے میں کامیاب نہ ہوا۔ البتہ اس کے اس عمل نے آخرکار کیمیا کا موجد بنانے میں اس کی خاصی مدد کی(ع)

جابر نے علم کیمیا کا موجد ہوتے ہوئے چند نئی دریافتیں کرنے میں کامیابی حاصل کی، جن کا تذکرہ درج ذیل ہیں۔

1۔ جابر نے عمل تصعید (Sublimation) کا طریقہ ایجاد کیا۔ اس میں دواؤں کا جوہر اڑایا جاتا ہے اور ان کے لطیف اجزاء کو حاصل کر کے اس کی تاثیر میں مزید اضافہ کیا جاتا ہے۔

2۔ جابر نے دواؤں کے قلما نے (Crystilization) کا طریقہ بھی ایجاد کیا ہے۔

3۔ چیزوں کو فلٹر (Filter) کرنے کا طریقہ بھی جابر کا ایجاد کردہ ہے۔

4۔ جابر کا بڑا کارنامہ تیزاب کی دریافت ہے اس نے کئی قسم کے تیزاب دریافت کئے۔ اس میں سونا پگھلانے والا تیزاب بھی شامل ہے۔(ع)

5۔ دھات کو بعض جڑی بوٹیوں سے ملا کر اس کو بھسم کیا اور کشتہ بنانے کا طریقہ ایجاد کیا اور یہ کہ کسی چیز کا کشتہ بنانے سے اس کے وزن میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

6۔ جابر تجربہ کر کے لوہے سے فولاد بنانے میں بھی کامیاب ہو گئے۔

7۔ لوہے کو زنگ لگنے سے کیسے بچایا جاتا ہے۔ یہ طریقہ بھی ان کا معلوم کردہ ہے۔

8۔ جابر ایسا کپڑا بنانے میں بھی کامیاب رہے جس پر پانی کا اثر نہیں ہوتا۔ اس کے ذریعے چیزوں کو رطوبت سے خراب ہونے سے بچایا جا سکتا ہے۔

9۔ چمڑا رنگنے کا طریقہ بھی اسی کا دریافت کردہ ہے۔

10۔ بالوں کو کالا کرنے کے لئے خضاب کا نسخہ بھی اسی کا تجویز کردہ ہے۔

11۔ جابر کی سب سے بڑی اور مفید ایجاد قرع انبیق Distillation Apparaus ہے۔ اس کے ذریعے جڑی بوٹیوں اور پھولوں سے عرق کشید کیا جاتا ہے۔

جابر نے زیادہ کام گندھک اور پارے سے لیا اور سونا بنانے میں انہی دو دھاتوں کو مختلف نسبتوں سے ملاتا رہا۔ مگر بقول ان کے جتنی دفعہ اس نے گندھک اور پارے کو کیمیاوی طور پر ملایا اس کا حاصل

شنگرف (Cinnabar) رہا۔

دھاتوں کے بارے میں اس کا نظریہ یہ تھا کہ یہ سب گندھک اور پارے میں فرق ہیں۔ اس کا یہ بھی نظریہ تھا کہ گندھک اور پارہ جب خالص حالت میں ایک دوسرے کے ساتھ کیمیائی طور پر مل جاتی ہیں تو ان سے قیمتی ترین دھات یعنی سونا بنتا ہے۔

جابر کیمیا میں تجربوں پر زور دیتا ہے۔ بقول اس کے جو شخص اپنے علم کی بنیاد تجربوں پر نہیں رکھتا وہ ہمیشہ غلطی کرتا ہے اس لئے کیمیا کا صحیح علم حاصل کرنے کے لئے تجربے نہایت ہی ضروری ہیں۔ (ع)

ابوبکر محمد زکریا رازی ۹۳۲ء/۳۰۸ھ ۳۰۸ھ بمطابق ۹۳۲ء

رازی اگرچہ فن طب کے امام مانے جاتے ہیں مگر کیمیا میں بھی اس نے خاص تحقیق کی ہے۔ جابر کی طرح رازی کو بھی کیمیا گری کا خاصا شوق تھا۔ چنانچہ اپنے گھر میں بھٹی بنائی اور سونا بنانے میں دن رات مصروف رہا۔ اس لالچ میں وہ قسم قسم کی جڑی بوٹیاں لاتا اور ان پر تجربے کرتا۔ دوا فروشوں اور عطاروں سے اکثر ملاقات رہتی تھی اور ان سے جڑی بوٹیوں کے خواص اور اثرات معلوم کرتا رہتا تھا۔

اس کاروبار میں وہ آشوب چشم کی بیماری میں مبتلا ہوا۔ ظاہر ہے ان تجربوں میں مختلف جڑی بوٹیوں سے طرح طرح کے بخارات اٹھتے ہیں جن کی وجہ سے ان کی آنکھیں خراب ہو گئیں۔ آخر بمشکل مبلغ 500 اشرفیوں کے بدلے ایک طبیب نے اس کا علاج کیا اور وہ اچھا ہو گیا۔

مگر طاہر طبیب نے علاج کے ساتھ ساتھ رازی کو سمجھانے کی کوشش کی کہ سونا بنانے کے کام میں اپنا قیمتی وقت ضائع کرتا ہے اصل کیمیا تو یہ ہے کہ جس سے اس کی آنکھیں ٹھیک ہو گئیں۔

رازی انسانی زندگی میں کردار اور اچھے اخلاق کو بہت بڑا درجہ دیتا ہے۔ رازی روحانی عالم کا قائل تھا۔ بقول اس کے انسان ہر قسم کی اخلاقی برائیوں اور خرابیوں سے بچ سکتا ہے۔ پاکیزہ زندگی گزار کر انسان اپنے خالق کی طرف متوجہ ہو سکتا ہے۔ اس طرح اس کی دینی اور دنیاوی دونوں زندگیاں سنور جاتی ہیں۔

ابو منصور موفق بن علی ھروی ۹۶۱ء/۳۴۰ھ ۳۴۰ھ بمطابق۔۹۶۱ء

موفق ایک اچھا سائنسدان طبیب اور دواؤں کے اثرات اور خواص کا ماہر تھا۔ اس میدان میں اس نے حقائق الادویہ کے نام سے ایک مشہور کتاب لکھی۔ دواؤں کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ (1) معدنی اور (2) نباتی اور حیوانی، جن کو آجکل کی اصطلاح میں نامیاتی (Organic) اور (inorganic) کہتے ہیں۔ حقائق الادویہ میں اس نے کل 585 دواؤں کے نام پہچان اور اثرات بیان کیے ہیں۔

موافق کو طبی سائنس سے خاصی دلچسپی تھی۔ وہ نباتات کا محقق تھا۔ علم الادویہ میں نئے نئے تجربے کیے

اور ہر جڑی بوٹی کے خواص اور اثرات معلوم کیے۔ نئے نئے پودوں کی تلاش میں دور دور کا سفر کیا۔ نامعلوں کی تحقیق کی۔ خواص اور اثرات کی بنیاد پر مختلف دواؤں کی درجہ بندی اس طرح کی۔

1۔ گرم اور تر دوائیں۔ 2۔ گرم اور خشک دوائیں۔

3۔ سرد اور تر دوائیں۔ 4۔ سرد اور خشک دوائیں۔

585 میں 75 دوائیں معدنی ہیں اور 510 نامیاتی ان میں 44 دوائیں حیوانات سے حاصل ہوتی ہیں۔ باقی 466 دوائیں جڑی بوٹیوں سے حاصل کی جاتی ہیں۔

ٹیکنالوجی

خلائی ٹیکنالوجی Space Technology

قرآن مجید نے تفتیش کائنات اور خلا کا ذکر کچھ اس طرح کیا ہے۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ (سورۃ رحمٰن 55 آیت۔ 33)

"اے جنوں اور انسانوں کے گروہ اگر تم سے ہو سکے تو آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل بھاگو لیکن تم ایسا نہیں کر سکتے اس لئے کہ بڑی طاقت درکار ہے۔"

آیت میں سلطان کا لفظ غور طلب اور معنی خیز ہے جس سے مراد قوت اور طاقت ہے اور اس سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ طاقت کے حصول کے بعد کائنات میں عالم بالا کے اندر نفوذ ممکن ہے۔ ظاہر ہے زمین کی تسخیر کے لئے جس طرح بحری اور ہوائی جہازوں، موٹروں، ریل گاڑیوں اور دیگر ساز و سامان کی ضرورت ہے اسی طرح آسمانوں کے اندر نفوذ کیلئے خلائی جہازوں، راکٹوں اور دوسرے ضروری ساز و سامان کی ضرورت پڑتی ہے۔ خلائی سفر میں جو طاقت درکار ہوتی ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ امریکہ نے جو پہلا خلائی جہاز چاند کی سطح پر اتارا تھا اور اس کی قیمت سے پوری دنیا کے ہر انسان کو وہ سیر چینی فراہم ہو سکتی تھی۔

تسخیر کائنات

اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ (سورۃ جاثیہ۔ ۴۵۔ آیت ۱۲۔۱۳)

"اللہ وہ ہے، جس نے تمہارے لئے مسخر کیا دریا (سمندر) کو تا کہ اس میں کشتیاں چلیں اس کے حکم

سے اور تم اس کا فضل تلاش کرو۔ (یعنی تجارت) نتیجہ میں تم شکر بجا لاؤ۔ نیز تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ وہ بھی مسخر کر دیا۔ سارا کا سارا اپنی طرف سے۔ بے شک ان میں غور و فکر کرنے والی قوم کے لئے نشانیاں موجود ہیں۔"

مندرجہ بالا آیات قرآن نے قطعی وضاحت کے ساتھ کل کائنات کی موجودات کو انسان کے لئے مسخر کرنے کا اعلان کیا ہے۔ مسخر کے یہ معنے ہے کہ یہ سب موجودات انسان کی خدمت پر مامور کر دی گئی ہیں اور خود انسان کو اللہ کا تابع فرمان ہونا چاہئے۔ جو پہلے ہی مسخر ہو چکا ہے۔ جدید سائنس اسے آج مسخر کرنے کا دعوے کر کے دنیا کو مرعوب کرنے کی کوشش نا تمام کر رہی ہے۔ تسخیر کائنات کا یہ دعوا بے کھوکھلا اور بے معنی ہے۔ زیادہ سے زیادہ اسے آسمانی سیاروں کی سیر کہا جا سکتا ہے۔ دو انسانوں نے چاند پر جا کر چند قدم چلنے کی سیر کی، کچھ وہاں کی مٹی کے نمونے اکٹھے کئے اور واپس آ گئے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ یہ ایک اپنی قسم کا پہلا کارنامہ تھا کہ انسان کی پہنچ چاند پر ہوئی۔ اس میں خدا کی یہ حکمت بھی پوشیدہ ہے۔ کہ بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معراج جسمانی کا انکار کرنے والوں کے لئے یہ ایک بین دلیل قائم ہوئی ہے۔ اقبال نے معراج نبوی کو کیسے عمدہ زاویہ سے پیش کیا ہے۔

وہ یک گام ہے امت کے لئے عرش بریں
کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات

خالق کائنات کا مسلمانوں سے وعدہ ہے۔ کہ وہ اس کے فرمانبردار بندے اور اس کے رسولؐ کے سچے امتی بن جائیں۔ پھر "یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں۔" سو مزید تسخیر کائنات کے سائنسی دعوے کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ تو سپر پاورز کا ایک دوسرے سے بازی لے جانے کا مقابلہ ہے۔ جس کا کوئی اخلاقی جواز نہیں ہے۔

آسمانی سیاروں کی طرف پرواز اور قرآنی اشارہ

آسمانی سیاروں کی طرف پرواز اور قرآنی اشارہ: سورۃ الرحمٰن میں ہے۔ کہ "اے گروہ جن و انس! اگر تمہیں قدرت ہو کہ زمین و آسمان کے اقطار سے نکل جاؤ۔ تو نکل جاؤ۔ مگر تم سلطان (بے اندازہ قوت) کے بغیر ایسا نہیں کر سکتے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا آسمانی پہنائیوں میں جانے کا موضوع نیا نہیں ہے۔ چودہ سو سال پہلے بھی اس پر آیات وارد ہوئی ہیں۔ البتہ یہ بتا دیا گیا تھا۔ کہ پہلے تمہیں سلطان یعنے زبردست طاقت، انتہائی تیزی، پوری قوت اور صحیح راہنمائی حاصل کرنی ہو گی۔ عموماً کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد وہ راکٹ ہے۔ جو خلائی جہازوں کو زمین کی کشش سے نکال باہر کرتا ہے۔ اور جس کی رفتار تقریباً آٹھ ہزار میل فی

گھنٹہ کے لگ بھگ ہوتی ہے۔ اقطار سے مراد گول کڑوں کا دل یا موٹائی ہے۔ جیسے ہماری زمین کا قطر (جس کی جمع اقطار ہے) آٹھ ہزار میل کے لگ بھگ مانا جاتا ہے۔ سلطان سے اگرچہ راکٹ کی نشاندہی ہوتی ہے۔ تاہم اس کے مادہ کے حروف س۔ ل۔ ط۔ سے ایک لفظ "سلطۃ" بھی نکلتا ہے۔ جس کے معنے لمبا اور تیز تیر ہوتا ہے۔ جو نہایت ہی تیزی سے اپنی کمان سے نکلے۔ اور عین نشانے پر جا کر بیٹھے۔ یہ قرآنی فصاحت کا کمال ہے۔ کہ ایک ایک لفظ میں معانی کے دریا بہتے ہیں۔

چاند اور دوسرے سیاروں پر جانے کی مہم پر جو کروڑوں نہیں، اربوں کھربوں روپے خرچ ہوئے ہیں۔ ان سے اگر اس زمین پر بسنے والی مخلوق کی احتیاج دور کی جاتی۔ بھوک اور ننگ کا مداوا کیا جاتا۔ مفلوک الحال انسانوں کا علاج کیا جاتا۔

پسماندہ اقوام کے افراد کو مفید تعلیم دی جاتی۔ دکھ درد کے ماروں کو سکھ اور چین مہیا کیا جاتا۔ تو اس میں شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ کہ انسانوں کے دل مسخر ہو جاتے۔ اور دنیا امن و آشتی کا گہوارہ بن جاتی۔ اور ہر وقت ایٹمی جنگ کے خطرات جو منڈلاتے رہتے ہیں۔ ان سے مطلع صاف ہو جاتا۔ اسلام انسانیت کے لئے امن کا دین ہے۔ الخلق عیال اللہ۔ ساری مخلوق اللہ کا کنبہ قرار دی گئی ہے۔ اسی لئے حقوق العباد کو حقوق اللہ سے بھی زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ ملحد طاقتوں کے ہاتھوں میں بے لگام قوت آ جانے کا یہی نتیجہ ہو سکتا تھا۔ جو کہ ہوا ہے۔ ساری دنیا سکھ اور چین سے محروم ہے۔ اور ہر آن خوف اور ہراس کے سائے چھائے رہتے ہیں۔ یہ ہے تہذیب نو کا انعام جو انسانیت کو ملا ہے۔

موجودہ سائنس کے ہاتھوں چاند کی نقاب کشائی دراصل قرآن حکیم کے اس وعدہ کا ایفا ہے۔ جو چودہ سال پہلے کیا گیا تھا۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ (سورۃ حٰم سجدہ 41 آیت 53)

"ہم عنقریب ان کو (غیر مسلموں کو) اپنی قدرت کی نشانیاں (اردگرد پھیلے ہوئے) آفاق میں بھی اور ان کی اپنی ذات میں بھی دکھائیں گے۔ یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے گا۔ قرآن حکیم حق ہے۔"

آج ہر شخص جانتا ہے۔ کہ قرآن مجید کی پیشین گوئی بہ تمام و کمال پوری ہو رہی ہے۔ دنیا کے غیر مسلم سائنسدان اور محقق اب خود ہی ان حقیقتوں کو بیان کر رہے ہیں۔ جو چودہ سو سال سے مسلمان اپنی الہامی کتاب میں پڑھتے اور مانتے چلے آئے ہیں۔ خاص طور پر ان کے ہاتھوں سے ان حقائق کی پردہ کشائی کرائی گئی ہے۔ جو پہلے انہی پر اعتراضات کرتے رہے ہیں۔ تاہم مسلمانوں کو سائنس کی طرف سے غفلت برتنے کا مقام نہیں۔ تمام انبیاء علیہم السلام کسی نہ کسی تکنیک میں ماہر تھے۔ حضرت نوحؑ کی کشتی سازی، حضرت سلیمانؑ کے تعمیراتی کارنامے۔ حضرت داؤدؑ کی زرہ سازی تاریخ سے ثابت ہے۔ بعد میں اسلامی تاریخ ایجادوں کی کہانی سے مزین ہوئی۔ مسلمانوں نے تحقیقیں، وعدے، روغن زفت، بارود،

کاغذ، گھڑیاں، رسدگاہیں، آلات جراحی، ادویات، نظام اعصاب، جوارح، فلکیات، ارضیات، ریاضی، کیمیا، سب کے سلسلے میں تحقیق و تجربہ کے دریا بہا دیئے۔ غیروں نے یہ علوم اچک لئے۔ اور ان کے تمغے اپنی چھاتیوں پر سجا لئے۔ اور مسلمانوں کو عریانی، ناچ گانوں اور نشہ آور دواؤں میں الجھا دیا۔ مثلاً ابن الہیثم نے طبیعیات اور کواکب کے عجائبات پر ریسرچ کیا۔ ابن نفیس نے دوران خون دریافت کیا۔ جس کا سہرا ہاروے کے سر باندھا جا رہا ہے۔ لیکن اب سائنسدان اصل کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔ ڈبلیو۔ سی ڈیمپر ابن نفیس ہی کو اس کا ذمہ دار مانتا ہے۔

بریفالٹ اپنی تصنیف The Making of Humanity میں لکھتا ہے "حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ یورپی فرد جس نے پہلے پہل عربوں کے کسی انکشاف پر نگاہ ڈالی۔ اس پر وہ اس انداز سے جھپٹ پڑا۔ جیسے وہ خود اس کا اپنا کارنامہ ہو۔"

اندریں حالات مسلمانوں کے لئے لازمی ہے کہ وہ اپنے اس علمی ورثہ کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے ہمہ تن مصروف ہو جائیں کیوں کہ فرمان نبوی ہے۔ کہ "الحکمۃ ضالۃ المؤمن" (حکمت و دانائی مومن ہی کی کھوئی ہوئی چیز ہے) جہاں سے بھی، جس سے بھی ملے۔ بلا تامل اپنی چیز واپس لے لینی چاہئے۔ ہمیں اپنی مکتبی تعلیم کو سائنسی تعلیم میں ڈھالنے کی کارروائی فوراً عمل میں لانی چاہئے۔ اپنی جہالت، غفلت اور عیش کوشی کو خیر باد کہہ دینا چاہئے۔ اسی میں عزت کی زندگی ہے اور اسی میں پاکستان کی بقا پوشیدہ ہے۔ اس جمود کو اب خیر باد کہنا پڑے گا۔ جو ہم نے تمام تعمیری اور ترقی والے امکانات سے کنارہ کشی کی صورت میں اختیار کر رکھا ہے۔

سپر پاوروں کی جانب سے چاند اور دیگر سیاروں کی جانب پیش رفت کرنے سے کم علم مسلمانوں میں جو فکری انتشار پیدا ہو گیا ہے۔ اب ہم اس طرف آتے ہیں۔ ہم عصری ایجادات کے بارے میں حضورؐ کی طرف سے چودہ سو سال پہلے دی گئی معلومات پر بعد میں روشنی ڈالیں گے۔ اور ثابت کریں گے کہ آپؐ نے سب بڑی بڑی ایجادات اور روایات کے متعلق پہلے ہی اطلاع دے دی تھی۔ اور وہ باتیں حرف بحرف پوری ہو رہی ہیں۔

انسان نے خلاء کا سینہ چیر کر چاند پر اپنے قدم جما دیئے تو بہت سے کم علم مسلمانوں کا اعتقاد متزلزل ہو گیا۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ کم علمی ایک مصیبت ہے۔ یہ کام تو دراصل مسلمانوں کو کرنا چاہئے تھا۔ کہ تسخیر افلاک کا حکم ان کو بار بار دیا گیا ہے۔ بہت سے سوال خام ذہنوں میں پیدا ہوئے ہیں۔ مثلاً چاند پر نمازیں کیسے ادا ہوں گی۔ نماز اور صیام کا نظام الاوقات کیا ہو گا؟ نمازی رو بہ قبلہ کیسے ہوں گے؟ خلائی جہازوں میں کیسے نماز ادا کی جائے گی؟ وغیرہ وغیرہ

خالق کائنات کو علم تھا۔ کہ ایسے زمانے آئیں گے۔ جب لوگ اس طرح کے اعتراضات کریں گے۔ اسی لئے قرآن حکیم میں فرمایا گیا۔ کہ نیکی یہ نہیں ہے کہ تم مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہو یا مغرب

کی طرف۔ اصل نیکی تو خدا کے احکامات پر عمل اور ان کا احترام کرنا ہے۔ مسافرت میں قبلہ ڈھونڈنے کی کتنی آسانی دی گئی ہے۔ جدھر تمہارا دل گواہی دے۔ ادھر ہی رخ کر کے نماز ادا کرنے کا حکم ہے۔ کیوں کہ خدا تعالیٰ زمان و مکان سے پاک ہے۔ اور وہ ہر طرف موجود ہے۔

جہاں تک نمازیں پڑھنے اور روزے رکھنے کے اوقات کا تعلق ہے۔ یہ مسئلہ چاند پر انسان کے پہنچنے سے بھی بہت پہلے کا ہے۔ قطب شمالی کے وہ ممالک بھی ہیں۔ جہاں چھ مہینے کا دن اور چھ مہینے کی رات ہوتی ہے۔ کیا وہاں کے مسلمان نماز روزے پر عامل نہیں ہیں؟ ضرور ہیں لیکن انہوں نے اجتہاد کے ذریعے سے مقامی حالات کے مطابق اپنے اوقات طے کر لئے ہیں۔ وہ یوں ہے کہ وہاں پر بسنے والوں نے سوچ بچار کر کے ایسے دن رات مقرر کر لئے ہیں۔ جن میں دن کو کاروبار کرتے ہیں۔ اور رات کو ادارے بند کر کے آرام کرتے ہیں۔ اور یہ رات ایسی ہوتی ہے کہ اس میں سورج غروب نہیں ہوتا۔ قدرتی دن اگرچہ چھ ماہ کا ہوتا ہے۔ لیکن معمول کا دن اسی طرح ہوتا ہے۔ جیسے یہاں ہمارے ملک میں۔ جدید دور میں اب ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے خاصی ترقی کر لی ہے۔ اگر ان علاقوں کے لوگ چاہیں تو وہ زمین کی ناف...... یعنی مکہ معظمہ کی آذان سن کر اس کے مطابق اپنی نمازوں کو ادا کر سکتے ہیں۔ یہ ایک بہترین قابل عمل حل ہے۔ اب یہی بات چاند پر بھی صادق آتی ہے۔ چاند پر جانے والے خلا بازوں سے زمینی مواصلات کا رابطہ اتنا مکمل ہوتا ہے۔ کہ یہاں پر ان کی تمام حرکات و سکنات دیکھی جاتی ہیں۔ اور ان کے جسموں کا ٹمپریچر بلکہ دلوں کی دھڑکنوں کو بھی سنا جاتا ہے اگر چاند پر آبادی ہو جائے۔ تو وہاں پر مکہ مکرمہ کے تمام شب و روز بخوبی دیکھے جا سکیں گے۔ اور کعبہ شریف میں ہونے والی نمازوں کے اوقات سے مطابقت اختیار کی جا سکتی ہے۔ اور نمازوں کا رخ بھی تعین کیا جا سکتا ہے۔ اس میں کوئی اشکال نہیں۔ صرف لادین اور مذہب سے باغی ذہن کے اعتراض اور کٹ حجتیاں ہیں۔ جو اہل ایمان کو دین سے برگشتہ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ اگر تمام مسلمان دنیا بھر میں ایک ہی دن رمضان شروع کرنے اور ایک ہی دن عید کرنے پر اتفاق رکھتے ہیں۔ تو کعبہ کو مرکز بنا کر چاند اور دوسرے سیاروں پر نظام الاوقات کیوں مقرر نہیں ہو سکتے؟

نظام الاوقات یہ مسئلہ تو پہلے ہی سے طے شدہ ہے کہ حضورؐ سے پوچھا گیا کہ قیامت کے قریب جب زمین سے آفتاب کا فاصلہ اور اس کی گردش رفتار بدل جائے گی تو نمازیں کیسے پڑھی جائیں گی؟ حضورؐ نے جواب فرمایا۔ کہ اپنے امور اندازے سے سر انجام پائیں گے۔

ہمارا اللہ رب العالمین ہے۔ اور ہمارا رسولؐ رحمۃ للعالمین ہے۔ دوسرے سیاروں پر اگر دیگر مخلوقات کا سراغ بھی مل جائے تو اسلام پر آنچ نہیں آئے گی۔ بلکہ اس کی تصدیق ہی ہو گی۔ علامہ اقبال نے اسی لئے کہا ہے کہ

ہر کجا ہنگامۂ عالم بود
رحمۃ للعالمینے ہم بود

(جہاں کہیں بھی زندگی کا وجود ہوگا۔ وہیں ہمارے نبیؐ کی رحمت للعالمینی بھی ہوگی) ۔آنحضرتؐ نے چاند کو ایک ایسی دنیا سے تشبیہ دی ہے۔ جس پر قیامت برپا ہوچکی ہو (اور وہ جل کر سیاہ پڑ چکی ہو)

طاغوتی طاقتیں اور اسلام بیزار حلقے مسلمانوں میں بے یقینی اور افراتفری پیدا کرنے کی مسلسل کوششیں کررہی ہیں، اور جن علاقوں میں مسلمان ان کے زیر نگین ہیں۔ ان کو بے رحمی سے تختۂ مشق بنایا جارہا ہے۔ ان کے گھر بار لٹائے جارہے ہیں۔ ان کے خاندانوں کو بے دریغ قتل وغارت کے گھاٹ اتارا جارہا ہے۔ ان حالات میں کسی کے مسلمان ہونے کا سہل اور آسان امتحان یہ ہے کہ مسلمانوں کی مصیبتوں سے کسی کو کس قدر دلی رنج پہنچتا ہے۔ حضورؐ کا فرمان ہے کہ دنیا کے تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں۔ اگر انگلی کو تکلیف ہوتی ہے تو تمام جسم اس کو محسوس کرتا ہے۔ اگر آنکھ کو تکلیف ہوتی ہے تو سارے جسم کو دکھ پہنچتا ہے۔ (مفہوم) پس ہم میں سے جو شخص مسلمانوں پر ظلم ہوتے دیکھ کر دلی کرب محسوس نہیں کرتا۔ وہ ضرور مسلمان کے روپ میں کفار کا ایک ایجنٹ ہے۔ آپ اپنے ضمیر سے پوچھ لیں۔ کہ آپ کس حد تک اس امتحان میں پورے اترتے ہیں۔

قارئین کرام مسلمانوں کی زبوں حالی اور معیشت زدگی اتنی عام ہے۔ کہ ہر روز اخبارات میں تمام ان پر ہونے والے مظالم کی داستانیں پڑھتے ہیں۔ کہیں فلسطین ہے کہیں قبرص، کہیں کشمیر ہے۔ کہیں افغانستان۔ بالکل وہی نقشہ ہے جو اقبالؒ نے پیش کیا تھا۔

برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر

اس کے باوجود شاباش ہے ان چاہنے اللہ و رسولؐ کے نام لیواؤں پر۔ کہ وہ ڈٹے ہوئے ہیں۔ اور ان کے منہ سے اسلام اسلام ہی کی رٹ لگ رہی ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ وہ حق پر ہیں اور حق کے راستے میں مصیبتیں آیا ہی کرتی ہیں۔ اگرچہ ہماری مسلمانی اس معیار کی نہیں ہے۔ جو کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی تھی۔ تاہم اللہ تعالیٰ ہمارا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔ اور ہمیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔ کیوں کہ اس قوم نے انتہائی نامساعد حالات میں بھی جب کہ دنیا کی ساری مادی طاقتیں اپنا پورا زور لگا رہی ہیں۔ کہ کسی خطے میں اسلام کا احیاء نہ ہونے پائے۔ ہر جگہ کسی نہ کسی شکل میں نظام مصطفےٰ کے قیام کی تحریکیں جاری رکھی ہیں۔ بیرونی طاقتیں پہلے ان تحریکوں کے قائدین کو تاریک خیال، رجعت پسند اور ترقی دشمن ہونے کے الزامات لگا کر بدنام کرتی ہیں۔ پھر اپنے کرائے کے جاسوس مسلمانوں سے کام لے کر مسلمانوں پر مسلمانوں ہی سے ظلم و ستم کرواتی ہیں۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ جتنا خون گزشتہ بیس سال میں مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا بہایا گیا ہے۔ اس کے سامنے چنگیز، ہلاکو اور حجاج بن یوسف کا دور بھی ماند ہے۔

اس سازشی کھیل کے باوجود احیائے اسلام کا قافلہ رواں دواں ہے۔ قربانی پر قربانی دی جارہی ہے۔ آپ کو حالیہ تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملے گی۔ کہ کسی قوم میں اتنی استقامت اور پامردی ہو کہ وہ اپنے دشمنوں اور دشمنوں کے آلۂ کاروں کے مسلسل حملوں سے اپنے اجزاء کے شکنجہ ہو کر وہ

ہوجانے کے باوجود اپنے مشن پر ڈٹی ہوئی ہو۔ چودھویں صدی ہجری کا آغاز خونیں واقعات سے ہوا ہے۔ جو دشمنان اسلام نے دانستہ پیدا کئے ہیں۔ لیکن مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ یہ قافلہ رواں دواں رہے گا۔ علم اسلام ہمیشہ بلند رہے گا۔ کیوں کہ (ع)

خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

مسلمانوں کو اپنے دفاع کی غرض سے ہر وہ ہتھیار بنانا اور اپنانا چاہئے۔ جو حالات کے تقاضے سے ضروری ہو۔ قوم کا کمزور ہونا دشمن کے لئے حملے کی دعوت ہوتی ہے۔ اسلام تو آیا ہی دنیا میں باوقار اور عزت کی زندگی گزارنے کے لئے ہے۔ کیوں کہ یہ دونوں جہانوں کی فلاح اور کامیابی کی نوید ہے۔ اس نے کل کائنات کی راہنمائی کرنی ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو چاہئے۔ کہ وہ آپس میں اتفاق و اتحاد کا مظاہرہ کریں۔ اور جدید ایجادات و آلات سے پوری طرح لیس ہو کر رہیں۔ تاکہ کوئی فرعونی طاقت ان پر ظلم و ستم روا نہ رکھ سکے۔ اور جہاں بھی مظلوم مسلمانوں پر زیادتی ہو ان کی مدد کی جائے۔ اور ظالم کو قرار واقعی سزا دی جائے۔

عطارد اور مریخ کے بارے میں حضورؐ سے مروی ہے۔ کہ میں ان دونوں پر نماز پڑھا چکا ہوں۔"
(روزنامہ مشرق لاہور 24 ستمبر 1969ء)

صاحب رجعت شمس و شق القمر
مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام
نائب دست قدرت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

معجزہ شق القمر کی تصدیق

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی اَفْضَلِ مَنْ طَابَ مِنْہُ النِّجَارُ وَسَمَا بِہِ الْفَخَارُ وَاسْتَنَارَتْ بِنُوْرِ جَبِیْنِہِ الْاَقْمَارُ ط

"اے اللہ درود بھیج اوپر اس کے جو بزرگ ترین ہے کہ پاک ہوا اس سے نسب اور جس سے خصائل پسندیدہ بلند ہوئے اور چاندوں کی چمک جس کے نور پیشانی کی مرہون منت ہے۔"
"دلائل الخیرات"

(یاد رہے کہ نظام شمسی میں کئی سیاروں کے ساتھ چاند موجود ہیں)

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ O ط

"قیامت نزدیک آ گئی۔ اور چاند پھٹ گیا" (سورۃ القمر) 54۔ آیت 1۔

مقام حج میں نصف رات کے قریب کفار جمع تھے۔ اور حضور ان کو ایمان لانے کی تلقین فرماتے تھے۔ انہوں نے نشانی طلب کی۔ آپ نے انگلی چاند کی طرف کی۔ تو چاند دو ٹکڑے ہو گیا ایک حصہ مشرق کو ایک اور مغرب کو آ گیا۔ جب سب حاضرین نے اچھی طرح دیکھ کر تسلی کر لی۔ تو پھر دونوں نصف حصے پھر آپس میں مل گئے۔ حضور نبی کریم آخری نبی ہیں۔ اور آپ کی بعثت قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ چاند دو ٹکڑے کر کے دکھانے کا یہ بھی مطلب ہے کہ اسی طرح قیامت کے دن سب کچھ پھٹے گا۔

یہ معجزہ قرآن حکیم میں صاف طور پر مذکور ہے۔ اس لئے کسی مسلمان کو اس پر شک کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ معجزہ شق القمر کی تصدیق زمانہ حال میں سائنسی خلائی مہم جوئی سے بھی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے۔ کہ منکرین حق جس حقیقت یا جس چیز کا انکار کرتے ہیں وہ انہی کے ہاتھوں اسے تیار کروا کر اپنی حجت پوری کر دیتا ہے۔ ذیل کی مثالیں اس سلسلے میں ثبوت بہم پہنچاتی رہیں۔

ا۔ منکرین نے یہ بات سن کر مذاق اڑایا۔ کہ قیامت کے دن انہیں وہ سب دکھا دیا جائے گا۔ جو وہ دنیا میں کرتے رہے ہوں گے۔ لہٰذا انہی کے ہاتھوں فلم سازی اور ویڈیو کیسٹ نیز V.C.R ریکارڈ تیار کروا کر ثابت کر دیا۔ کہ یہ باتیں عین ممکن ہیں۔ کہ ایک دفعہ کی ہوئی اداکاری یا حرکتیں بار بار دیکھی جا سکتی ہیں۔ اور ان کو چاہے کتنا عرصہ بعد چاہو۔ بالکل اسی طرح دوبارہ پیدا کیا جا سکتا ہے اب اس میں کیا شک رہ جاتا ہے کہ کراماً کاتبین جو کچھ ہمارے اعمال اور گفتگو ریکارڈ کرتے ہیں۔ وہ قیامت کے دن ہو بہو سامنے دکھا دی جائے گی۔ اسی طرح انسان کے اعضاء و جوارح کا بول کر اپنے اعمال بیان کرنا بھی سمجھ میں آتا ہے۔ یہاں خود ساختہ مادی آلات بولتے ہیں۔

ب۔ مخبر صادق کا یہ فرمان کہ مظلوم کی آہ اور دل سے نکلی ہوئی دعا سیدھی آسمان پر پہنچتی ہے۔ منکرین نے ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ مگر اب خود ان کے ایجاد کردہ آلات نشریات آسمانوں کی پہنائیوں میں خلا نوردوں تک آوازیں پہنچا رہے ہیں۔ اور ساکن کو متحرک کر کے دکھا رہے ہیں۔

ج۔ یہ بات تصدیق کی حد تک پہنچ چکی ہے۔ کہ منکرین حق میں معجزہ شق القمر کے واقعہ کو خود بچشم خود دیکھا۔ کہ کس طرح چاند کے دو حصے ہوئے۔ اور پھر دوبارہ باہم مل گئے۔ اور قرآن حکیم کے ذریعے یہ خبر تمام عالم میں پھیل گئی۔ کفار نے اس واقعہ کا مشاہدہ کرنے کے بعد اسے جادو کا کارنامہ قرار دیا۔ زمانہ حاضر میں پھر سنت اللہ پوری ہوئی۔ اور خود منکرین کے ذریعے سے اس معجزہ کی تصدیق کرائی گئی ہے۔ سائنسدانوں نے جو خلا نورد چاند میں بھیجے ہیں۔ اور جو اس کرہ کی تصاویر لی ہیں۔ ان سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ چاند کے عین وسط میں وہ دراڑ موجود ہے۔ جو معجزہ شق القمر کے بعد اس کے ٹکڑوں کے دوبارہ باہم ملنے سے باقی رہ گئی تھی۔ اسے عرب دراڑ ARAB CRAGK کا نام دیا گیا ہے۔ ہم یہاں چاند کی وہ تصویر دکھاتے ہیں۔ جس میں ایسی دراڑ نظر آتی ہے۔ جو دو حصوں کو جوڑنے میں باقی رہ جاتی ہے۔

آج قرآن حکیم منکرین حق کو پھر دعوت تبلیغ دیتا ہے کہ آؤ اسلام کی حقانیت کو تعصب کی عینک

اتار کر دیکھو۔ تمہاری ساختہ پرداختہ ایجادات ہر طرح سے اسلام کے اصولوں کی تائید کر رہی ہیں۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ سورۃ رحمٰن۔55

(اللہ کی کس کس نعمت (اور نشانی) کو جھٹلاؤ گے؟

جو چاند کی تصویر یہاں دکھائی جا رہی ہے۔ سب سے پہلے روسی خلائی جہازوں نے لی تھی۔ بعد ازاں امریکی خلا باز چاند پر اترے تو انہوں نے بھی تصویر اتاری۔ اور یہ دنیا بھر کے اہم اخباروں میں شائع ہوئی۔ اور پاکستان کے اخبار "پاکستان ٹائمز" میں 27 راگست 1969ء کو یہ تصویر چھپی۔ منشی عبدالرحمن ناظم عالی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ ملتان نے (جن کے مضمون سے یہ معلومات اخذ کی گئی ہیں۔ ایک مقالہ "تسخیر قمر قرآن کی روشنی میں" لکھا تھا۔ وہاں بھی یہ تصویر موجود تھی۔

امریکہ کے اپالو نمبر 15 کی پرواز قمری کی منصوبہ بندی کرنے والے ادارے طبقات ارضی و اجرام فلکی واشنگٹن کے ریسرچ سینٹر میں ایک مصری سائنسدان ڈاکٹر فاروق الباز کام کرتے رہے ہیں۔ وہ بھارت میں انڈین پبلک ریسرچ سینٹر کے خصوصی اجلاسوں میں شرکت کے لئے آئے تھے۔ دہلی کے اخبار "الجمعیت" نے ڈاکٹر موصوف کا بیان شائع کیا ہے۔ انہوں نے اپنے اس بیان میں یہ انکشاف کیا ہے کہ انہوں نے وہاں آتے ہوئے کچھ دیر قاہرہ میں بھی قیام کیا۔ اور صدر سادات سے ملاقات بھی ہوئی۔ ڈاکٹر فاروق نے صدر سادات کو مریخ کی "وادی قاہرہ" کا ایک ماڈل پیش کیا۔ مریخ کی اس وادی کو مصر کے دارالخلافہ سے مشابہت کی بنا پر وادی قاہرہ کا نام دیا گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے صدر کو اس قرآن مجید کا ایک ورق بھی پیش کیا۔ جو اپالو 15 کی مدد سے چاند پر بھیجا گیا۔ اور جسے چاند کی سطح پر اتارا گیا تھا۔ جب خلا باز اپالو 15 سے چاند پر پہنچے۔ تو انہوں نے اہل زمین کو تسلیمات کہتے ہوئے یہ الفاظ دہرائے تھے۔

مرحبا اهل الأرض من اینڈیور۔

"یعنی اہل زمین کو خلائی چاند گاڑی اینڈیور سے سلام۔" ان الفاظ کا عربی ریکارڈ بھی صدر سادات کو دیا گیا۔ پھر چاند کی سطح سے لی گئی عرب ممالک کی ایک رنگین تصویر بھی پیش کی گئی۔ سب سے اہم شے جو ڈاکٹر فاروق الباز نے صدر سادات کو پیش کی۔ چاند کی ایک تصویر ہے۔ جس میں وہ عظیم دراڑ دکھائی دیتی ہے۔ جو چاند کی سطح پر پائی جاتی ہے۔ اور جس کا نام سائنسدانوں نے عرب دراڑ رکھا ہے کیونکہ یہ معجزہ شق القمر سے تعلق رکھتی ہے۔ چاند کے دونوں ٹکڑے جب باہم ملے تھے۔ تو یہ دراڑ نشانی رہ گئی تھی۔

مصر کے صدر سادات نے یہ سب اشیاء مصری سائنس ریسرچ سینٹر کے شعبہ خلا بازی میں رکھنے کے لئے دے دی ہیں۔ ایک مسلمان کے لئے اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ دور جدید میں قرآنی معجزہ کی تصدیق ظہور میں آتی ہے۔ متذبذبین اور متشککین کو اسلام کے متعلق شکوک و شبہات چھوڑ کر حقائق پر ایمان لے آنا چاہئے۔ (ع)

چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما!

دفاعی ٹیکنالوجی
Military/Defence Technology

اس کا ذکر پہلے
وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ
میں تفصیل سے ہو چکا ہے۔

قوموں کی ترقی معجزات کی روشنی میں

معجزات کا ذکر پچھلے صفحات میں مختصراً کیا گیا کہ جب کوئی بات کسی جانے بوجھے قانون قدرت کے خلاف ہو تو معجزہ کہلاتی ہے۔ مناسب ہوگا کہ یہاں پر اس کی تھوڑی سی تفصیل بیان کی جائے۔

معجزہ عربی کا لفظ ہے جس کے معنی عاجز کر دینے یا تھکا دینے کے ہیں۔ یعنی وہ بات جو عقل کو عاجز کر دے اور کسی کی بھی سمجھ میں نہ آ سکے۔ ظاہر ہے کہ جو بات جانے پہچانے قوانین کے مطابق ہوگی وہ ہر ایک کی سمجھ میں آ جائے گی اور ہرگز معجزہ نہیں ہو سکتی۔ البتہ جو باتیں انسانی عقل سے باہر ہوں گی وہ معجزہ کہلائیں گی۔ اب آپ ذرا غور فرمایئے کہ انسانی عقل اور اس کا علم کوئی مستقل چیز نہیں بلکہ ایک نسبتی Relative چیز ہے۔ اور وقت کے ساتھ ساتھ علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ جو باتیں کچھ عرصہ پہلے انسانی عقل اور اس کے علم و فہم سے باہر تھیں وہ اب اتنی عام ہو گئیں ہیں۔ کہ ایک بچہ بھی آسانی سے سمجھ جاتا ہے۔ مثلاً سو سال پہلے اگر کوئی شخص ہوا میں سفر کرنے کی بات کرتا تو یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آتی۔ لیکن اب ہوائی جہاز اور بجلی کا پنکھا اتنے عام ہیں کہ بچہ بھی جانتا ہے کہ ہوا میں سفر کیا ہوتا ہے۔ اسی طرح آواز کی رفتار سے زیادہ تیز ہوائی جہاز ہی نہیں بلکہ خلائی سفر ریڈیو ٹیلیویژن اور کمپیوٹر کا ذکر ایک خاص وقت سے پہلے کیا جاتا تو کسی کی سمجھ میں نہیں آتا اور عقل اس کو سمجھنے سے عاجز ہوتی لیکن ایک وقت گذرنے کے بعد اب یہ معلوم ہے کہ یہ سب چیزیں ایک نہ ایک سائنسی اصول کے مطابق کام کرتی ہیں اور ان کا ذکر کسی کو حیران نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کو معجزات عطا فرمائے تا کہ وہ اپنی قوموں پر اپنی برتری ثابت کر سکیں اور یہ بتا دیں کہ وہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے حکم سے دکھا رہے ہیں وہ انسانی دسترس سے باہر ہے اور اس وقت کا کوئی بھی مروجہ علم اس تک نہیں پہنچ سکتا۔ ظاہر ہے کہ اس کا مقابلہ ایک عام آدمی کے علم سے نہیں ہو سکتا کیونکہ ہر شخص عالم و فاضل نہیں ہوتا۔ بلکہ معجزہ کے لئے ضروری ہے کہ ملک یا قوم کے ماہر اور قابل ترین انسان بھی اس کو سمجھنے سے قاصر ہوں۔ کیونکہ کوئی صاحب فن ہی کسی فن کے کمال کو سمجھ سکتا ہے اس لئے معجزہ کی

بہترین صورت یہ ہے کہ ایک قوم جو کسی خاص علم میں سب سے زیادہ مہارت رکھتی ہو اس کو اسی میدان میں مات دی جائے۔ اب ذرا غور فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مختلف نبیوں کو مختلف قسم کے معجزات عطا فرمائے جو اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ مختلف قومیں اپنے اپنے وقتوں میں مختلف چیزوں پر کتنا عبور رکھتی تھیں۔

نبی اکرمؐ کے ویسے تو بے شمار معجزات ہیں لیکن ایک معجزہ جو تا قیامت ہر انسان دیکھ سکتا ہے وہ قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید کے نزول کے وقت عرب قوم کو اپنی زبان دانی اور فصاحت و بلاغت پر اتنا ناز تھا کہ وہ اپنے آپ کو عرب کہنے کے ساتھ ساتھ غیر عربی کو عجم کہتے تھے جس کے معنی ہیں گونگا۔ یعنی وہ جو بول نہ سکتا ہو اور اپنا مطلب بیان نہ کر سکتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرمؐ کو قرآن کا معجزہ دے کر کھلا چیلنج کیا کہ اگر تم کو اپنی زبان دانی پر اتنا ناز ہے تو پھر اس جیسی ایک سورۃ ہی بنا لاؤ۔ اور اگر اس کام کے لئے اللہ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو تب بھی یہ کام نہ کر سکو گے۔ سورہ بقرہ (2) آیات 23 سے 24۔ اسی طرح سورہ یونس (10) آیت 38 میں بھی اسی قسم کی بات ہے۔

فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ۔

یعنی "اس جیسی ایک سورۃ لے آؤ اور اللہ کو چھوڑ کر جن کو سب کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔" سورہ بنی اسرائیل (17) آیت 88 میں فرمایا۔

لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا۔

یعنی "اگر انسان اور جن سب اس بات پر متفق ہوں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو اس کا مثل نہ لا سکیں گے اگرچہ ان میں سے ایک دوسرے کا مددگار ہو۔"

کمپیوٹر کی ایجاد کے بعد فصاحت و بلاغت کے علاوہ ایک نئی بات معلوم ہوئی ہے۔ ڈاکٹر رشاد خلیفہ نے اپنے ایک کتابچہ بعنوان

Quran - The Perpetual Miracle of Muhammad (P.B.U.H) میں اپنی ایک تحقیق کو بیان کیا ہے اور ڈاکٹر رشاد خلیفہ کی تحقیق کو بنیاد بنا کر احمد دیدات نے اپنی ایک تصنیف Al-Quran, The Ultimate Miracle میں یہ ثابت کیا ہے کہ پورے قرآن مجید کے حروف ایک خاص حساب کے مطابق ہیں اور لاکھوں حروف میں سے صرف ایک کا فرق بھی اس کے حساب کو بگاڑ دیتا ہے۔ لاکھوں حروف کا اس طرح استعمال کہ قرآن مجید جیسی کتاب جس میں احکام، اعمال، عذاب، ثواب، قیامت، قصص اور دوسرے مختلف سارے مضامین پر قیامت تک کے لئے حکمت کے انبار اکٹھے کر دیئے ہیں کسی انسان تو کیا کسی

کمپیوٹر کے لئے بھی ممکن نہیں کہ اس قسم کی کوئی ایک سورۃ بھی تخلیق کر سکے۔ حساب کی اس حد تک درستگی اس دور میں مسلم اور غیر مسلم دونوں کے لئے ایک طرف تو یہ ثبوت فراہم کرتی ہے کہ قرآن مجید چودہ سو سال گذرنے کے باوجود ہر قسم کی تحریف سے پاک ہے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ (2) آیت 23 میں الفاظ شُهَدَآءَكُم یعنی "اپنے گواہوں (مددگاروں)" اور سورۃ یونس (10) آیت 38 میں یہ کہہ کر کہ "اللہ کو چھوڑ کر جو مل سکیں سب کو بلا لو" نہ صرف کمپیوٹر کی ایجاد کی طرف اشارہ کیا ہے۔ بلکہ قرآن مجید جیسی سورۃ بنانے کے لئے کمپیوٹر سمیت آئندہ کی تمام ایجادوں کی مدد لینے کا کھلا چیلنج کیا ہے۔ جو اس بات کی گواہی دے سکیں کہ قرآن مجید جیسا مضمون نہیں بنایا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ دعویٰ قرآنی آیات کی حیثیت سے آج بھی اسی طرح قائم ہے جس طرح چودہ سو سال پہلے تھا اور قیامت تک قائم رہے گا۔ کمپیوٹر کی ایجاد کے ساتھ ان آیات کے مفہوم میں وسعت پیدا ہوئی ہے اور کیا معلوم کہ مزید ایجادات کے بعد ان آیات کے مفہوم میں مزید وسعت پیدا ہو جائے۔

نبیوں میں حضرت موسیٰ کا ذکر قرآن مجید میں بہت زیادہ آیا ہے۔ اور ان کی مناسبت سے اس وقت کے دو علوم کا ذکر بھی بار بار آیا ہے۔ پہلا علوم نجوم اور دوسرا جادو۔ حضرت موسیٰ کی پیدائش سے پہلے ہی اس وقت کے نجومیوں نے پیش گوئی کر دی تھی اور فرعون کو بتا دیا تھا کہ بنی اسرائیل سے ایک بچہ ہونے والا ہے جو تیری حکومت کو ختم کر دے گا۔ اور حقیقت بھی یہی تھی۔ قرآن مجید میں اس واقعہ کے بیان سے ان نجومیوں کی اس علم میں مہارت کا ثبوت فراہم ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے بادشاہ کے سامنے بھی اس کے نقصان کا ذکر بے دھڑک کر دیا۔ اگر ان کو اپنے علم پر تھوڑا سا بھی شبہ ہوتا تو شاید وہ بادشاہ کے سامنے اتنی بڑی بات کہنے سے گریز کرتے اور خاموشی اختیار کر لیتے۔ لیکن نجومیوں کا پورے اعتماد سے یہ بات کہنا اور فرعون کا نجومیوں کی بات پر یقین کر لینا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نجومیوں اور فرعون دونوں کو اس علم پر پختہ یقین تھا۔ ان کے اس علم کا اگر آج کل کے علم نجوم سے مقابلہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں علم نجوم موجودہ دور کے علم نجوم سے بہت زیادہ ترقی یافتہ تھا۔

جادو کا علم تو آج کل تقریباً ختم ہونے کے برابر ہے۔ عام طور پر جو کچھ جادو کے نام پر کیا جاتا ہے وہ زیادہ تر شعبدہ بازی ہوتی ہے۔ لیکن حضرت موسیٰ کے زمانے میں یہ علم بہت عام تھا اور قرآن مجید میں کئی بار اس کا ذکر آیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو جو معجزے دیئے وہ فرعون کی قوم کے علم کے مطابق بظاہر بہت بڑے جادو کی شکل میں تھے۔ یعنی ہاتھ کا بغیر کسی خرابی کے سفید چمکدار ہو جانا اور عصا کا اژدہا بن جانا۔ اور فرعون کی قوم کو ان کے اسی علم نے مات دی جس میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ اگر فرعون کے جادوگر اپنے علم میں کچھ کوتاہی پاتے تو دوبارہ مزید تیاری کے ساتھ مقابلہ کی کوشش کرتے لیکن ہارنے کے فوراً بعد ان کا سجدے میں گر جانا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آنا یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ جادوگر اپنے علم کی معراج پر تھے۔ تبھی ان کو یقین ہو گیا تھا کہ اگر کوئی طاقت ان کو جادو میں شکست دے سکتی ہے تو وہ انسانی طاقت نہیں ہو سکتی۔

اور پوری ہوئی علم نجوم اور جادو کی مثالوں سے یہاں یہ بحث نہیں ہے کہ کونسا علم جائز یا ناجائز ہے بلکہ صرف اتنی بات غور طلب ہے کہ فرعون کی قوم جاہل اور غیر ترقی یافتہ نہیں تھی بلکہ قرآن مجید کی رو سے وہ علم نجوم اور علم جادو پر پوری طرح عبور رکھتی تھی۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے اہرام مصر جو فرعونوں کے زمانے کے سمجھے جاتے ہیں اس زمانے کی ترقی کا مزید ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں بہت سے نبیوں کے قصے بیان کئے گئے ہیں۔ قرآن مجید جیسی حکمت والی کتاب سے یہ توقع رکھنا کہ ان قصائص کا مقصد صرف کہانی سنانا ہے تو یقیناً یہ گمراہ کن بات ہوگی۔ قرآن مجید کی ہر سورۃ ہر آیت بلکہ ہر لفظ میں حکمت پنہاں ہے جس کو سمجھنے کی اور غور و فکر کی دعوت بار بار دی گئی ہے۔ ان تمام نبیوں کے قصوں میں سے حضرت یوسفؑ کے قصے کو ایک خصوصیت حاصل ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ ان کے قصے کو ایک ہی سورۃ میں جس تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کسی اور نبی کے قصے کو نہیں بیان کیا گیا۔ دوسری بات یہ کہ اس قصے کو قرآن مجید کے اپنے الفاظ میں "اَحْسَنَ الْقَصَصِ" یعنی سب قصوں میں اچھا قصہ کہا گیا ہے۔ (سورۃ یوسف آیت 12-3) یہی وجہ ہے کہ اس کو اتنی تفصیل سے بیان کیا گیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ قرآن مجید کا سب سے اچھا قصہ ہے تو اس میں کونسی خوبی ہے۔ انسان کی عقل اللہ تعالیٰ کے کلام کے آگے عاجز ہے لیکن یہ حکم بھی اللہ تعالیٰ کا ہی ہے کہ ان چیزوں پر غور کیا جائے۔ اسی سورۃ یوسف کے آخری حصہ میں پورا واقعہ سنانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ

یعنی "بے شک ان کے قصوں میں عقل والوں کے لئے عبرت ہے۔" (سورۃ یوسف 12 آیت 111)۔ عبرت کے معنی نصیحت پکڑنے کے ہیں۔ یعنی ان کے قصوں میں عقلمندوں کے لئے ایسی باتیں ہیں جو ان کی آنکھیں کھول دیں اور ان کے علم میں اضافہ کریں۔ اگر اس قصے کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا جائے تو یہ بذات خود ایک بڑا مضمون بن جائے گا۔ ہم کیونکہ یہاں پر گزشتہ قوموں کی علمی اور سائنسی ترقی کی بات کر رہے ہیں تو بات یہیں تک محدود رکھی جائے گی۔

اگر آپ غور فرمائیں تو اس قصہ میں خواب کی تعبیر کو خاص اہمیت دی گئی ہے۔ سورۃ کے شروع میں ہی حضرت یوسفؑ نے اپنے خواب کا ذکر اپنے والد سے کیا تو ان کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان سے کہا کہ اس خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا (سورۃ یوسف (12) آیت 5) یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس خواب کی تعبیر کا بالکل صحیح علم تھا اور ان کو اس علم پر یقین تھا۔ پھر جب حضرت یوسفؑ عزیز مصر کی جیل میں تھے تو دو قیدیوں نے اپنے خواب کا ذکر حضرت یوسفؑ سے کیا اور تعبیر چاہی (سورۃ یوسف (12) آیت 36)۔ حضرت یوسفؑ نے صحیح تعبیر دی۔ یہاں پر یہ خیال دل میں آ سکتا ہے کہ دونوں حضرات اللہ کے نبی تھے اور اللہ تعالیٰ نے خوابوں کی تعبیر ان پر ظاہر فرما دی۔ لیکن یہاں پر دو باتیں قابل غور ہیں۔ پہلی یہ کہ اس سے پہلے کہ حضرت یوسفؑ قیدیوں کو خواب کی تعبیر بتاتے انہوں نے قیدیوں کو بتایا کہ

ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ۔

یعنی "یہ ان علموں میں سے ہے جو مجھے میرے رب نے سکھائے ہیں۔" (سورۃ یوسف (12) آیت 37)۔ اس علم کے متعلق حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسفؑ کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ۔

یعنی "اور اسی طرح تیرا رب تجھے چن لے گا اور تجھے باتوں کا انجام نکالنا سکھائے گا۔" (سورۃ یوسف (12) آیت 6)۔ دوسری بات یہ کہ یہ علم صرف حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ تک محدود نہیں تھا بلکہ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کو بھی یہ علم آتا تھا۔ تبھی تو حضرت یوسفؑ کو ان کے والد نے اپنے بھائیوں سے خواب کا ذکر کرنے سے منع کر دیا تھا۔ ان آیات سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ اس زمانے میں خواب کی تعبیر بتا دینا ایک رائج الوقت علم تھا اور حضرت یوسفؑ کو اللہ تعالیٰ نے خود یہ علم سکھا کر ان کو اس علم کی انتہائی بلندیوں پر پہنچا دیا اور اس قوم کے لئے اس کو معجزہ بنا دیا۔ اس علم کا رائج الوقت ہونا اس بات سے بھی ثابت ہے کہ جب حاکم مصر نے خواب میں دیکھا کہ سات دُبلی گائیں سات فربہ گائیوں کو کھا رہی ہیں اور سات بالیں ہری اور دوسری سات بالیں سوکھی (سورۃ یوسف آیت 12-43) تو اس نے اپنے درباریوں سے خواب کی تعبیر مانگی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ہر دور میں بادشاہ وقت کے درباری اس دور کے عالم فاضل لوگوں میں سے ہوتے تھے۔ جو علم رائج الوقت پر پورا عبور رکھتے تھے اور جب بھی نادان اور خوشامدی لوگ درباری بنے تو بادشاہوں کی حکومتیں ختم ہو گئیں۔ کیونکہ حضرت یوسفؑ نے حاکم مصر کی حکومت میں ایک عہدہ سنبھالا تو اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت حاکم مصر کی حکومت مستحکم تھی۔ اس لئے یقیناً دوسرے درباری بھی عالم لوگ ہوں گے۔ تو بادشاہ کا اپنے درباریوں سے خواب کی تعبیر پوچھنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ ایک علم تھا جو اس زمانے میں رائج تھا اور مصر کی وہ قوم جاہل نہیں بلکہ ایک خاص علم کی مالک تھی۔

بظاہر خواب کی تعبیر بتانا سائنس نہیں ہے لیکن اوپر بیان کی ہوئی قرآن مجید کی آیات کی رو سے یہ ایک علم ہے جو سیکھا اور سکھایا جا سکتا ہے۔ اس لئے اس علم کے کچھ اصول اور قوانین بھی ہوں گے۔ اگرچہ ان قوانین کے متعلق ہمیں علم نہیں ہے اور اسی لئے اس علم کو سائنس کا درجہ حاصل نہیں ہے۔ لیکن اگر انسانی دماغ، نیند اور خواب کے ایک دوسرے سے تعلق پر تحقیق کی جائے تو ان قوانین کا علم ہمیں حاصل ہو سکتا ہے اور اس طرح یہ علم سائنس کا درجہ حاصل کر سکتا ہے۔

حضرت سلیمانؑ کے بہت سارے معجزات قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں۔ ان کی حکومت صرف انسانوں پر ہی نہیں بلکہ جنوں اور پرندوں پر بھی تھی (سورۃ نمل آیت 17۔27) اور اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ علم دیا تھا کہ وہ جنوں اور پرندوں سے ہم کلام ہو سکتے تھے۔ یہ تو بات ان علوم کی ہے جو

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو عطا فرمائے۔ ان کے زمانے میں اس وقت کے عالموں کے پاس کیا علم تھا؟ اس کا جواب بھی قرآن مجید کی آیات سے مل جاتا ہے۔ سورۃ نمل (27) میں ملکہ سبا کے ذکر کے ضمن میں کہ جب ملکہ حضرت سلیمانؑ سے ملنے کیلئے روانہ ہوئی تو حضرت سلیمانؑ نے اپنے درباریوں سے دریافت کیا۔

یٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِیْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِيْنَ۔

یعنی "اے درباریو! تم میں سے کون ہے کہ اس (ملکہ سبا) کا تخت میرے پاس لے آئے قبل اس کے کہ وہ میرے پاس مطیع ہو کر حاضر ہوں۔" (سورۃ نمل آیت 27-38) ان کے اس سوال کے جواب میں ایک سرکش جن اور ایک عالم انسان نے اپنی اپنی خدمات پیش کیں اور کہا

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّیْ عَلَيْهِ لَقَوِیٌّ اَمِيْنٌ ۔ قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۔ (سورۃ نمل (27) آیات 39 سے 40)

یعنی "ایک بڑا سرکش جن بولا کہ میں وہ تخت آپ کے حضور حاضر کر دوں گا قبل اس کے کہ آپ اجلاس برخاست کریں اور میں اس پر قوت رکھنے والا امانتدار ہوں۔ اس شخص نے کہ جس کے پاس کتاب کا علم تھا عرض کیا کہ میں اسے پلک جھپکنے سے پہلے حاضر کر دوں گا۔"

ان آیات میں کئی باتیں غور طلب ہیں۔ پہلی یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں انسان، جن اور پرندے موجود تھے۔ تو کیا حضرت سلیمانؑ ان تینوں سے الگ الگ زبان میں بات کرتے تھے یا سب سے ایک ہی زبان میں۔ قیاس غالب اس بات کا ہے کہ ایک ہی زبان میں بات کی جاتی ہوگی تاکہ دربار میں موجود ہر ایک دوسرے کی بات کو سمجھ سکے۔ تو وہ زبان کیا ہوگی اور وہ علم الکلام کی کونسی شکل ہوگی؟ دوسری یہ کہ وہ کونسا علم ایک انسان کے پاس تھا جس کی وجہ سے وہ جن پر فوقیت حاصل کر گیا۔ قرآن کی رو سے وہ کتاب کا علم تھا۔ قرآن مجید میں جب بھی کتاب کا ذکر آتا ہے تو عام طور پر کسی الہامی کتاب کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض مفسرین نے لفظ کتاب سے توریت، زبور یا ابراہیمی صحیفے مراد لئے ہیں۔ لیکن جیسا کہ اس سے پہلے بیان کیا گیا ہے کہ قرآن مجید میں کبھی کبھی اصلی معنوں سے ہٹ کر دوسرے معنوں میں بعض الفاظ اللہ تعالیٰ نے استعمال فرمائے ہیں۔ جیسے رب کا لفظ خاص اللہ تعالیٰ کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن سورۃ یوسف (12) میں پانچ جگہ پر لفظ رب بادشاہ یا حاکم کے لئے واضح طور پر استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ الہامی کتابوں توریت اور زبور کا قرآن مجید میں ذکر ان کے ناموں سے بھی موجود ہے۔ اس لئے یہاں پر لفظ "کتاب" کا استعمال اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس بات کا بھی امکان ہے کہ وہ الہامی کتاب کی بجائے اس وقت کے رائج الوقت علم سائنس کی کوئی کتاب ہو۔ کیونکہ سائنس کا علم اور اس کے اصول بھی تو اللہ تعالیٰ نے ہی بنائے ہیں۔ انسان نے تو اپنی استطاعت کے

مطابق ان علوم کو دریافت کیا ہے اور سیکھا ہے۔

اس واقعہ کے ذکر میں ایک اشارہ اور بھی ہے جس کی رو سے کتاب سے مراد کوئی سائنس کا علم ہو سکتا ہے۔ جس انسان کا اللہ تعالیٰ نے حوالہ دیا ہے وہ کوئی نبی نہیں تھے بلکہ حضرت سلیمانؑ کے ایک درباری عالم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک سرکش جن اور ان عالم انسان کے کام کرنے کی صلاحیت کا مقابلہ کیا ہے۔ اگر یہ سائنس کا علم نہیں تھا بلکہ یہ ایک خاص علم تھا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی ایک خاص انسان کو دیا گیا تھا تو اس انسان کا یہ عمل کرامت کے ضمن میں آئے گا۔ اور کسی کرامت کا جو خاص اللہ تعالیٰ کی عطا سے کسی خاص انسان سے ظہور پذیر ہوتی ہے کسی مخلوق کی صلاحیت سے مقابلہ کرنا ایک بے تکی سی بات ہے۔ مقابلہ تو مخلوق کی صلاحیتوں اور ان کے علوم کے درمیان ہو سکتا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کسی جن سے مقابلہ۔ تو اس مقابلہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک علم تھا جو حضرت سلیمانؑ کے درباریوں میں سے ایک انسان کے پاس تھا۔

ان ہی آیات میں ایک بات اور بھی غور طلب ہے وہ یہ کہ حضرت سلیمانؑ کا دارالحکومت بیت المقدس میں تھا اور بیشتر روایات کے مطابق سبا یمن میں ایک جگہ یہ قوم آباد تھی۔ ان دونوں جگہوں کا فاصلہ تقریباً ڈھائی ہزار کلومیٹر کے قریب ہے۔ حضرت سلیمانؑ کے درباری جن نے کہا کہ وہ تخت حضرت سلیمانؑ کے دربار برخواست کرنے سے پہلے لا دے گا۔ اگرچہ یہاں پر وقت کا تعین نہیں کیا گیا۔ لیکن گمان غالب اس بات کا ہے کہ جب درباری کارروائی جاری ہو تو دربار برخواست کرنے میں چند گھنٹے کا وقت ضرور باقی ہوگا جس کی جن نے مہلت مانگی تھی۔ بیت المقدس سے سبا تک جانے اور آنے کا فاصلہ تقریباً پانچ ہزار کلومیٹر بنتا ہے اور اگر کوئی آواز کی رفتار سے جو تقریباً 1200 کلومیٹر فی گھنٹہ ہے سفر کرے گا تو اس کو اس فاصلے کو طے کرنے کے لئے تقریباً چار گھنٹے درکار ہوں گے اور غالباً یہی وقت دربار برخواست کرنے میں باقی ہوگا۔ تبھی اس جن نے اس طرح چند گھنٹے کی مہلت دربار کے برخواست کرنے کے حوالے سے مانگی اور اللہ تعالیٰ نے اس طریقہ کا حوالہ دے کر اس جن کے سفر کرنے کی صلاحیت کا راز اس آیت میں چھپا دیا۔ دوسری طرف علم والے انسان نے یہی فاصلہ پلک جھپکنے سے پہلے یعنی ایک سیکنڈ سے بھی کم عرصہ میں کرنے کا دعویٰ کیا۔ اب اگر روشنی کی رفتار سے سفر کیا جائے تو یہ فاصلہ ایک سیکنڈ سے کم ہی عرصہ میں طے ہوگا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے سرکش جن اور علم والے انسان کا اس طرح مقابلہ کر کے بالترتیب آواز کی رفتار اور روشنی کی رفتار کا حوالہ دیا ہے۔

جنوں کے وجود کا اور ان کی صلاحیتوں کا ہم کو علم نہیں ہے سوائے اس کے کہ جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو اپنے نبیؐ اور قرآن مجید کے ذریعہ بتا دیا۔ البتہ علم کے حوالے سے کسی انسان کی اوپر بیان کی ہوئی صلاحیت پر مزید کچھ کہنے کی گنجائش ہے۔

یہ بات ملحوظ رہے کہ جب درباری جن اور علم والے انسان نے تخت لانے کیلئے اپنی اپنی پیش کش کیں تو ان کو صرف خود ہی سفر نہیں کرنا تھا بلکہ ایک بے جان اور بھاری چیز کو بھی اپنے ساتھ سفر کرانا تھا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خود سفر کئے بغیر تخت کو منگوا لیا تھا۔ ملکہ کا تخت کوئی ہلکی پھلکی چیز تو نہیں ہوگی اور علم والے انسان کے دعوے کے مطابق اس تخت کو روشنی کی رفتار سے ڈھائی ہزار کلومیٹر دور پلک جھپکنے میں پہنچانا تھا۔ Sheila Ostander اور Lynn Schroeder نے اپنی کتاب Psychic Discoveries Behind The Iron Curtain میں روس میں کچھ اس قسم کے تجربات کا ذکر کیا ہے کہ بغیر چھوئے کسی مادی چیز کو اپنی جگہ سے ہلا دیا گیا۔ اس قسم کی تشریح Phenomenon جس کو Telekinesis کا نام دیا گیا ہے۔ روس کے علاوہ یورپ کے کئی سائنسدانوں نے کئے جانے کی تصدیق کی ہے اور اس پر تجربات کئے ہیں۔ اس قسم کی تحقیقات ابھی اپنے ابتدائی مراحل میں ہیں اور اس علم نے باقاعدہ سائنس کی حیثیت اختیار نہیں کی۔ لیکن اس قسم کے کامیاب تجربوں سے کم از کم اشارا ملتا ہے کہ جب کبھی یہ علم ایک باقاعدہ سائنس کی حیثیت اختیار کر کے اپنے عروج پر پہنچا تو بھاری تخت کا ڈھائی ہزار کلومیٹر کا سفر پلک جھپکنے سے پہلے طے کرنا ناممکن نہیں ہوگا۔

اصول معجزہ جس کا ذکر میں نے اس باب کے شروع میں کیا تھا یعنی جس قوم میں جو علم رائج تھا اللہ تعالیٰ نے اس قوم کے نبی کو اس علم کا بہترین معجزہ دیا تا کہ وہ قوم یقین کرے کہ رائج الوقت علم سے بڑھ کر اگر کوئی شخص جس نے باقاعدہ تعلیم بھی حاصل نہیں کی کوئی بات کرتا ہے تو یقیناً انسان کی طرف سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اسی اصول پر اگر ہم حضرت عیسیٰؑ کے معجزات کو دیکھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی سے کوڑھیوں کو شفایاب، پیدائشی اندھوں کو آنکھوں والا اور مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے۔ (سورۃ آل عمران آیت 3-49) تو ضرور اس زمانے میں میڈیکل سائنس نے کافی ترقی کی ہوگی۔ اگرچہ اس کا کوئی ثبوت ہمارے پاس نہیں ہے۔ لیکن یہ بھی خیال رہے کہ اس زمانے کے سارے حالات سے ہم واقف نہیں ہیں اور اس زمانے کا بہت کم علم ہم تک پہنچ سکا ہے۔ میڈیکل سائنس سے میری مراد صرف آجکل کا سب سے زیادہ مستعمل طریقہ علاج یعنی ایلوپیتھی نہیں ہے۔ دنیا میں مختلف زمانوں میں اور مختلف علاقوں میں مختلف قسم کے طریقہ ہائے علاج رائج رہے ہیں۔ جس کا زندہ ثبوت آجکل تیزی سے مقبول ہونے والا چینی طریقہ علاج یعنی اکوپنکچر ہے جو پانچ ہزار سال پرانا ہے۔ لیکن چین سے باہر کی دنیا میں اس کو آئے ہوئے چند دہائی سالوں سے زیادہ عرصہ نہیں گذرا۔ ہو سکتا ہے کہ دو ہزار سال پہلے حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں بھی کوئی ایسا ہی طریقہ علاج رائج ہو جس کے متعلق اب ہم کو کچھ معلومات نہیں ہیں۔ لیکن اوپر بیان کئے گئے اصول معجزہ کی روشنی میں اس کا اشارہ ملتا ہے اور اس بات پر تحقیق کی جا سکتی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں کونسا طریقہ علاج رائج تھا۔

قرآن مجید میں مستقبل کی سائنسی ترقی کا ذکر

قرآن مجید کے اسلوب بیان کے مطابق مستقبل کی باتوں کا ذکر اشارات کی شکل میں ملتا ہے اور سائنسی ترقی کے اتنے زیادہ اشارات قرآن مجید میں موجود ہیں کہ قرآن مجید اور سائنس دونوں کا ایک ساتھ علم رکھنے والے کو قرآن مجید سائنسی تحقیق انسائیکلو پیڈیا محسوس ہوتا ہے۔ شرط صرف غور و فکر کرنے کی ہے جس کی دعوت قرآن مجید میں جگہ جگہ دی گئی ہے۔

مستقبل کی سائنسی ترقی کا قرآن مجید میں اتنا زیادہ ذکر ہے کہ ایک چھوٹے مضمون میں ان سب کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں پر صرف چند مثالیں دینا مقصود ہے تاکہ قارئین کو معلوم ہو جائے کہ ایسا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ پہلے میں ان مثالوں کا مختصراً ذکر کروں گا جن کو اس کتاب کے پچھلے باب بعنوان "قوموں کی ترقی معجزات کی روشنی میں" بیان کیا گیا ہے۔ بعد میں دوسری آیات کی مثال لوں گا۔

حضرت موسیٰ کے معجزات کے ضمن میں دو علوم یعنی علم نجوم اور علم جادو کا ذکر کیا گیا کہ فرعون کی قوم کے لوگ ہیں ان دونوں علوم میں ماہر تھے اور اتنی اہمیت کے حامل تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب میں ان کا تفصیل سے کئی بار ذکر فرمایا۔ بظاہر یہ علوم آجکل اتنی ترقی کی منزل پر نہیں ہیں جتنے فرعون کے زمانے میں تھے۔ یعنی اس علم میں ابھی ترقی کی کافی گنجائش ہے اور اس لحاظ سے مستقبل میں اس کی ترقی کے کافی امکانات ہیں۔ یہاں یہ بات کہہ کر میں اس بات کا مشورہ نہیں دے رہا ہوں کہ مسلمان قوم ان دونوں علوم پر تحقیق کر کے مہارت حاصل کرے کیونکہ ان علوم کو حاصل کرنے سے ہم کو منع کر دیا گیا ہے۔ لیکن دنیا میں مسلمانوں کے علاوہ مذہبی غیر مسلم اور لا مذہبی قومیں بھی آباد ہیں جن پر اس قسم کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ غیر مسلم قوموں سے اس قسم کی ترقی کی امید رکھنا اور ہمارے لئے حقیقت کا بیان کر دینا غلط نہیں ہے کیونکہ ان ممنوعہ علوم کا نام لینا اور بیان کرنا اگر اتنا ہی غلط ہوتا تو ان کا ذکر قرآن مجید میں نہ ہوتا۔

اسی طرح حضرت یوسف کے واقعے میں خواب کی تعبیر اور باتوں کا انجام نکالنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ علم دوسرے نبیوں کے علاوہ حضرت یوسف کو اللہ تعالیٰ نے خود سکھایا اس لئے اس کے جائز ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا آجکل کے زمانے میں اس علم کو سائنس کی حیثیت حاصل نہیں ہے بلکہ جو بزرگ خواب کی تعبیر بتاتے ہیں میرے خیال میں وہ خلوص دل کے ساتھ ایک اندازہ لگاتے ہیں۔ اگر یہ باقاعدہ علم ہوتا تو اس کو سکھایا جا سکتا اور اس پر مستند کتابیں بھی لکھی ہوئی ہوتیں اور درسگاہوں میں اس کی درس و تدریس بھی ہوتی۔ کیونکہ ایسا نہیں ہے اس لئے مستقبل میں اس علم کی ترقی کی بہت گنجائش ہے۔

پچھلے صفحات میں قوموں پر عذاب کا بیان خاص طور پر سورۃ ذاریات (51) آیات 41 سے 42 اور سورۃ احقاف (46) آیت 25 سے تباہکاری کے پھیلاؤ اور قوم عاد کی اس طرح ہلاکت کہ جاندار ہلاک ہو جائیں اور ان کے مکانات باقی رہ جائیں بالکل واضح ہے۔ کیونکہ یہ خصوصیات آجکل کی ایجادات کی مطابق ایک نیوٹرون بم میں ہوتی ہیں اس لئے میں نے اس کا نام لکھ دیا۔ ان سارے دلائل کے باوجود جو اس ضمن میں دیئے گئے ہیں ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگوں کے ذہن میں ابھی بھی یہ بات ہو کہ یہ سب کچھ جو ہوا وہ کسی بم کی وجہ سے نہیں بلکہ قدرتی طور پر ہوا۔ تو اس سلسلے میں مزید کچھ کہنا چاہتا ہوں اور اس کے لئے تھوڑی سی سائنسی تفصیل میں جانا ضروری ہے۔

نیوٹرون بم کا اصول یہ ہے کہ ہلکے عناصر Elements کو ایٹمی گداخت کے ذریعہ اس طرح ملایا جاتا ہے کہ ایک نیا بھاری عنصر بن جاتا ہے۔ اس عمل میں بہت زیادہ تابکاری خارج ہوتی ہے جو تباہی پھیلا کر تمام جانداروں کو ہلاک کر دیتی ہے۔ گداخت کے اس عمل کو شروع کرنے کے لئے بہت زیادہ درجہ حرارت درکار ہوتا ہے۔ اب اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ جب بادلوں میں بجلی کوندتی ہے تو بہت ہی کم عرصہ کے لئے یہ درجہ حرارت پیدا ہو جاتا ہے جو ہوا میں گداخت کے عمل کو شروع کرنے کے لئے کافی ہے اور اسی طرح قوم عاد پر عذاب بجائے نیوٹرون بم کے قدرتی طور پر بادلوں میں بجلی کوندنے سے ہوا تو چند باتیں غور طلب ہیں۔

1۔ اس بات کا کتنا امکان ہے کہ ہوا کے اجزاء میں جو زیادہ تر نائٹروجن اور آکسیجن گیسوں پر مشتمل ہیں گداخت کا یہ عمل بادلوں میں بجلی کی کوند سے ہو۔ امکانی طور پر یہ اتنا مشکل امر ہے کہ دنیا کی پیدائش سے لیکر اب تک ایک آدھ دفعہ ہی شاید ایسا ہو سکا ہو۔ لیکن جیسا کہ اس سے پہلے بیان کیا گیا کہ قوم عاد کی طرح کا عذاب بہت سی قوموں پر آیا تو اس کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے۔

2۔ اگر ایک مرتبہ جوہری تعامل کا عمل گداخت کی شکل میں کہیں پر شروع ہو جائے تو پھر گداخت کا ہر عمل اس سے زیادہ توانائی پیدا کر دیتا ہے جو دوسرے ذرّوں میں اس عمل کو شروع کرنے کے لئے درکار ہوتا ہے اور پھر یہ ایک نہ رکنے والا سلسلہ بن جاتا ہے۔ مثلاً سورج میں یہ عمل مسلسل جاری ہے اور سورج کی ہائیڈروجن گیس مسلسل گداخت کے عمل کے ذریعہ ہیلیم Helium گیس میں تبدیل ہو رہی ہے۔ ایک دفعہ شروع ہو کر یہ عمل اس وقت تک جاری رہے گا اور سورج اس وقت تک حرارت دیتا رہے گا جب تک سورج کی ساری ہائیڈروجن گیس ختم نہ ہو جائے۔ اسی طرح اگر ہوا میں بھی ایک مرتبہ یہ عمل شروع ہوا تھا تو یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی کہ ساری ہوا کے اس عمل میں ختم ہو جانے سے پہلے یہ سلسلہ خود بخود کیسے ختم ہو گیا۔

اوپر کی دونوں باتیں نظر انداز کر کے اگر یہ بھی یقین کر لیا جائے کہ کسی بھی طرح ایک مرتبہ یہ عمل شروع ہوا اور پھر نامعلوم طریقے سے خود بخود ختم بھی ہو گیا تو پھر سورۃ عنکبوت (29) آیت 40 اور اسی طرح کی

دوسری آیات کی روشنی میں جہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "اللہ ایسا نہیں کہ ان پر ظلم کرتا بلکہ وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔" یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بجلی کی کوند جس سے گردش کا عمل شروع ہوا اور گزشتہ دوسری قوموں پر مختلف قسم کے عذاب آنے کے محرک صرف ان قوموں کے اعمال تھے۔ اب انسانوں کے اعمال اور کسی جوہری تعامل Nuclear Reacion میں مناسبت اور ان اعمال کا دھماکوں اور دوسرے مختلف قسم کے طریقہ عذاب کا محرک بننا ایک ایسے علم کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کے بنیادی اصولوں سے ابھی انسان واقف نہیں ہے۔ اس علم کی طرف ایک اشارہ Harvey Day نے اپنی اس کتاب The Hidden Power of Vibration میں صفحہ 100 پر یہ کہہ کر کیا ہے کہ قانون MANU کے مطابق

"When there is too much evil-doing of the earth the aura of earth is Poisoned and reacts in floods, earthquakes,volcanic eruptions, explosions and extremes of heat and cold"

یعنی جب بھی دنیا میں بہت زیادہ برائیاں پھیل جائیں تو زمین کا ہالہ مکدر ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے طغیانیاں، زلزلے، لاوے کی شکل میں زمین سے اخراج، دھماکے اور حد درجہ گرمی اور سردی ہونے لگتی ہے۔ اگرچہ اس کی سائنسی تشریح فی الحال ناممکن ہے بلکہ آجکل کے علم کے مطابق اس کو سائنس کہنا بھی زیادتی ہے۔ لیکن اگر قوموں پر عذاب بموں وغیرہ کی بجائے قدرتی طریقہ سے ہونا فرض کیا جائے تو پھر اوپر بیان کردہ قانون MANU پر بھی یقین کرنا پڑے گا اور اس بات کا یقین مستقبل میں سائنس میں ایک عظیم انقلاب کی طرف رہنمائی کر رہا ہے۔

انسانوں کے اعمال اور مصیبتوں کا تعلق قرآن مجید کی ایک آیت سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ سورۃ روم (30) آیت 41 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ۔

یعنی "خشکی اور تری میں لوگوں کی بداعمالیوں کے باعث مصیبتیں آن پڑیں۔" گویا انسانوں کی بداعمالیوں اور مصیبتوں کے آنے میں قریبی تعلق ہے اور یہ مصیبتیں صرف خشکی پر ہی نہیں بلکہ تری یعنی دریا اور سمندر بھی اس سے محفوظ نہیں۔ انسانوں کی رہائش خشکی پر ہے اور فساد خشکی کے علاوہ سمندر پر بھی ہو رہا ہے جس کا مجموعی رقبہ خشکی کے مجموعی رقبہ سے تقریباً تین گنا زیادہ ہے۔ یعنی ایک چھوٹی سی جگہ کی ہونی بداعمالیاں ایک بڑی جگہ پر اثر انداز ہو رہی ہیں۔

علم اعداد

اعداد (ہندسہ) کا موجودہ طریقہ اہل ہندوستان میں بعض افراد نے وضع کیا۔ تاہم یہ ترمانہ وہ تھا جب کہ ہر مروجہ چیز کو مقدس سمجھ لیا جاتا تھا اور ہر نئی چیز کو شبہ کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ چنانچہ ہندسہ کا یہ طریقہ اس وقت ہندوستان میں رواج نہ پا سکا۔ وہ صرف بعض انفرادی کتابوں میں بند ہو کر رہ گیا۔ لوگ قدیم طریقہ کو مقدس سمجھ کر اس کو پکڑے رہے اور نئے طریقہ کو اختیار نہ کر سکے۔

اس کے بعد ہندسہ کے ان واضعین کو معلوم ہوا کہ بغداد میں ایک سلطنت قائم ہوئی ہے جو نئی چیزوں کی قدر دانی کرتی ہے۔ چنانچہ ایک ہندوستانی ۱۵۴ھ (۷۷۱ء) میں سفر کر کے بغداد گیا۔ اس وقت بغداد میں عباسی خلیفہ المنصور کی حکومت تھی۔ ہندوستانی پنڈت نے المنصور کی خدمت میں دو سنسکرت رسالے پیش کئے۔ ان میں سے ایک سدھانتا کے بارہ میں تھا۔ اس کو عربوں نے سند ھند کا نام دیا۔ اس کا دوسرا رسالہ ریاضی کے بارہ میں تھا۔

المنصور کے حکم سے محمد بن ابراہیم الفزاری نے ۷۹۶ء سے ۸۰۶ء کے درمیان ان کا عربی ترجمہ کیا۔ الخوارزمی ۷۸۰ء سے ۸۵۰ء نے اس عربی ترجمہ کو پڑھا اور اس کے ذریعہ ہندی ہندسہ سے واقفیت حاصل کی جس میں بنیادی گنتی نو (1-9) تک تھی اور اس کے بعد صفر کے اضافہ سے تمام گنتیاں بنانے کا طریقہ بتایا گیا تھا۔ الخوارزمی نے اس کو ہندی ہندسہ کہا اور اس کو اختیار کرنے کی اپیل کی (ہٹی، صفحہ ۳۰۷ سے ۳۰۸)

الخوارزمی کی کتاب کا لاطینی ترجمہ بارہویں صدی میں اڈیلارڈ (Adelard) نے کیا۔ اس طرح گنتی کا یہ فن یورپ پہنچا۔ عربوں نے اگرچہ اس کو ہندی ہندسہ کہا تھا۔ مگر یورپ میں اس کو عربی گنتی (Arabic numerals) کا نام دیا گیا۔ عجیب بات ہے کہ الخوارزمی کی عربی کتاب کا نسخہ ضائع ہو گیا البتہ اس کا لاطینی ترجمہ اب بھی یورپ کی لائبریریوں میں موجود ہے (ہٹی صفحہ ۳۷۳ سے ۳۷۵)

یورپ میں قدیم زمانہ میں رومی ہندسہ رائج تھا۔ وہ یورپ میں دو ہزار سال تک رائج رہا۔ یہ علامتی حروف کی شکل میں لکھا جاتا تھا۔ مثلاً 88 کا عدد لکھنے کی صورت یہ تھی (LXXXVIII) اس کے نتیجہ میں حساب کتاب بے حد دشوار تھا۔ مگر اہل یورپ رومی ہندسہ کو مقدس مانتے تھے۔ وہ اس کو دیوتاؤں کا عطیہ سمجھتے تھے۔ اس لئے وہ سوچ نہیں پاتے تھے کہ اس کو بدلیں یا اس میں کوئی ترمیم کریں۔ غیر مقدس اعداد کو مقدس ماننے کا نتیجہ یہ ہوا کہ علم کے میدان میں وہ سینکڑوں سال تک کوئی ترقی نہ کر سکے۔ یہ اسلامی انقلاب تھا جس نے پہلی بار اعداد کے تقدس کے طلسم کو توڑا اور پھر یورپ میں علمی ترقی کا دور شروع ہوا۔

لیونارڈو (Leonardo Fibonacci) غالباً پیسا (اٹلی میں پیدا ہوا۔ اس کی ابتدائی زندگی کے بارہ

میں بہت کم معلوم ہے۔ تاہم بعد کی تاریخ میں اس نے غیر معمولی شہرت حاصل کی۔ کیونکہ یہی وہ شخص ہے جس نے عرب اعداد کو یورپ میں روشناس کرایا۔ اس کا زمانہ بارھویں اور تیرھویں صدی کے درمیان ہے۔

لیونارڈ کا باپ الجزائر میں تجارت کرتا تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کو ایک عرب استاد کے حوالے کر دیا تاکہ وہ اس کو حساب کی تعلیم دے۔ عرب استاد نے لیونارڈ کو "ہندسے" کا علم سکھایا۔ اس کے بعد لیونارڈ نے مصر، شام، سسلی وغیرہ کا سفر کیا۔ اس نے الخوارزمی کی تحریریں پڑھیں۔ عرب اعداد سے پوری واقفیت حاصل کرنے کے بعد اس نے کتابیں لکھ کر ان کو اس سے متعارف کرایا۔ اس نے بتایا کہ اس اصول کے مطابق نو بنیادی گنتیاں ہیں۔ 1-2-3-4-5-6-7-8-9 ان گنتیوں پر صفر کا اضافہ کر کے کوئی بھی عدد بنایا جا سکتا ہے۔

یہ طریقہ بہت جلد یورپ میں تجارتی حسابات کے لئے استعمال ہونے لگا۔ 1220ء میں لیونارڈ کی شہرت اتنی بڑھی کہ اٹلی کے بادشاہ فریڈرک (Frederick) نے اس کو اپنے دربار میں بلایا۔ وہاں اس نے بادشاہ کے سامنے اپنے علم کا مظاہرہ کرتے ہوئے عربی ٹائپ (Arabic Type) پیش کئے۔ عرب اعداد کے طریقہ کو جن لوگوں نے یورپ میں شائع کیا۔ ان میں لیونارڈ کا نام سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ (EB-IO/817-18)

ولفرڈ بلنٹ (Wilfrid Blunt) نے لکھا ہے کہ ..... فرض کرو کہ اگر اسلام کا طوفان نہ آیا ہوتا تو کیا ہوتا۔ کوئی بھی چیز نہیں ہے جس نے مغرب میں سائنس کی ترقی کو اتنا روکا ہو جتنا کہ بے ڈھنگے رومی ہندسے نے۔ عربی ہندسے جو کہ آٹھویں صدی عیسوی کے آخر میں ہندوستان سے بغداد پہنچا تھا اگر وہ جلد ہی بعد مغربی یورپ پہنچ جاتا اور یہاں اس کو اختیار کر لیا جاتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ بہت سی سائنسی ترقی جس کو اٹلی کی نشاۃ ثانیہ سے منسوب کیا جاتا ہے۔ وہ چند سو سال پہلے حاصل ہو جاتی:

And Supposing the tide of Islam had not been Stemmed? Noting so delayed the advence of Science in the West as the Clumsiness of the Roman numerals. Had the Arabic numerals, Which had reached Baghdad from India towards the end of the eighth century, been soon afterwards introduced into and adopted by western Europe as a Whole, much of that Scientific progress which we associate with the Renaissance in Italy might have been achieved Several centuies earlier.

Wilfrid Blunt, The Times (London) April ,1976

ایک وضاحت

نئی دہلی سے ایک انگریزی کتاب چھپی ہے۔ وہ بچوں اور عام قارئین کے لئے ہے اور 22 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا نام ہے۔ زیرو کی کہانی:

Dilip M.Salwi, Story of Zero, Children's Book Trust

کتاب میں بتایا گیا ہے کہ زیرو کا تصور انڈیا میں دریافت کیا گیا۔ اس سے پہلے بڑی گنتیوں کو بتانے کے لئے کوئی آسان طریقہ موجود نہ تھا۔ ایک طریقہ کے مطابق کچھ خاص گنتیوں کے لئے بعض الفاظ مقرر تھے۔ مثلاً سہاسرا (1000) آیوتا (10000) لکشا (100000) کوٹی (10000000) وغیرہ۔ زیرو کی ایجاد نے علم الحساب میں ایک انقلابی تبدیلی پیدا کر دی۔ اب بڑی گنتیوں کو بتانا نہایت آسان ہو گیا۔

برہما گپت (۵۹۸ء سے ۶۶۰ء) ملتان میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے پہلی بار زیرو (صفر) کا طریقہ مقرر کرنے کی کوشش کی۔ تاہم ان کے طریقہ میں کچھ خامی تھی۔ اس کے بعد بھاسکر (۱۱۱۴-۱۱۸۵) بیجاپور میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے سنسکرت میں ایک کتاب "لیلاوتی" لکھی۔ اس کتاب میں زیرو کے اصول کو زیادہ سادہ اور آسان انداز میں بیان کیا گیا تھا۔

مسٹر آر کے مورتھی نے اس کتاب پر تبصرہ (ٹائمس آف انڈیا 30 جنوری 1989ء) کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ بات ہمارے قومی فخر کے احساس کو بڑھاتی ہے کہ زیرو کا نظریہ انڈیا میں پیدا ہوا:

It boosts our sense of national pride to note that the zero was conceived in India(p.6).

مصنف اس کتاب کے ذریعہ اپنے قارئین کو بتاتے ہیں کہ ہندوستانی گنتی پہلے ہندوستان سے اسپین میں داخل ہوئی۔ پھر وہ اٹلی، فرانس، انگلینڈ اور جرمنی پہنچی۔ ہندوستانی گنتی کو مغرب میں پوری طرح قبول کر لیا گیا۔ اس کی قبولیت ریاضی اور سائنس کے لئے ایک نقطہ انقلاب بن گئی:

The Indian numbers first entered Spain, then Italy, France, England and Germany.... Indian numbers were accepted completely,...Their adoption turned to be the turning point in the history of mathematics and science.

یہ صحیح ہے کہ زیرو (صفر) کا تصور ابتداءً انڈیا میں پیدا ہوا۔ مگر یہ صحیح نہیں کہ وہ ہندوستان سے براہ راست مغربی دنیا میں پہنچا۔ یہ طریقہ عربوں کے ذریعہ مغربی دنیا میں پہنچا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب میں

اس کو ہندوستانی گنتی کے بجائے عربی گنتی (Arabic numerals) کہا گیا۔انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (1984ء) کے الفاظ یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

Arabic numerals-the numbers, 0,1,2,3,4,5,,6,7,8,9;they may have orginated in India but were introduced to the western world from Arabia (l/469)

عربی اعداد یعنی صفر سے لے کر 9 تک کی گنتی ان کی ابتداء ہو سکتا ہے کہ انڈیا میں ہوئی ہو مگر مغربی دنیا میں وہ عرب کے راستے سے پہنچے۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا دوسری جگہ بتاتی ہے کہ یورپ کے تعلیم یافتہ طبقہ تک یہ اعداد دویں صدی عیسوی کے عرب ریاضی داں الخوارزمی کی تحریروں کے ذریعہ پہنچے۔ الخوارزمی نے ہندوستانی گنتی کے اصول کو عربی میں لکھا۔ پھر یہ عربی کتاب لاطینی میں ترجمہ ہو کر یورپ تک پہنچی (EB-10/817)۔

برٹرینڈ رسل نے لکھا ہے کہ محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے جو ریاضی اور فلکیات کی سنسکرت کتابوں کا ایک عرب مترجم تھا۔830ء میں ایک کتاب شائع کی۔ بارہویں صدی عیسوی میں اس کتاب کا ترجمہ عربی سے لاطینی زبان میں کیا گیا۔ یہی کتاب تھی جس سے مغرب نے پہلی بار اس چیز کو جانا جس کو ہم عرب اعداد کہتے ہیں۔ اگرچہ باعتبار حقیقت اس کو ہندوستانی اعداد کہنا چاہئے۔ اسی مصنف (الخوارزمی) نے الجبرا پر ایک کتاب لکھی جو سولہویں صدی تک مغرب میں نصاب کی کتاب کے طور پر استعمال کی جاتی رہی۔

Bertrand Russell, A History of Western Philosophy, Unwin Paper- backs, London 1984, 416.

زیرو کا نظریہ اگرچہ انڈیا میں بنا۔ مگر کئی سو سال تک اس کو خود انڈیا میں مقبولیت حاصل نہ ہو سکی۔ انڈیا میں بھی اس کی مقبولیت اس وقت بڑھی جب کہ اولاً عربوں نے اور پھر یورپ نے اس کو اختیار کر لیا۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے کہ یہ ایجاد جو غالباً ہندوؤں نے کی ریاضی کی تاریخ میں زبردست اہمیت رکھتی ہے۔ ہندو لٹریچر اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ زیرو ممکن ہے کہ حضرت مسیح کی پیدائش سے قبل معلوم رہا ہو مگر ایسا کوئی کتبہ نہیں پایا گیا ہے جو نویں صدی سے پہلے کا ہو:

The Invention, Probably by the Hindus, of the digit zero has been described as one of the greatest importance in the history of mathematics, Hindu literature gives evidence tthat the zero may have been Known before the birth of Christ, but no inscripation has been found with such a symbol before the 9th century (1/1175).

یہ بات بذات خود صحیح ہے کہ زیرو (صفر) کو استعمال کرنے کا تصور ابتداءً ایک ہندوستانی ذہن کے اندر پیدا ہوا۔ مگر اس وقت ہندوستان میں مکمل طور پر شرک اور توہم پرستی کا غلبہ تھا۔ ہر چیز کے ساتھ پراسرار عقائد وابستہ ہو گئے تھے۔ نئی چیزوں کو تحت توحش کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ اس بنا پر قدیم ہندوستان میں صفر کے تصور کو عمومی پذیرائی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ انفرادی دریافت بن کر رہ گیا۔ اجتماعی مقبولیت کے درجہ تک نہیں پہنچا۔

اسلام نے جب شرک اور توہم پرستی کے ماحول کو ختم کیا تو وہاں جس طرح دوسری نئی چیزیں کو پذیرائی ملی اسی طرح صفر کے تصور کو بھی پذیرائی ملی۔ ہندوستان کے بیج کو موافق زمین مسلم بغداد میں ملی۔ وہاں وہ درخت بنا اور پھر مسلمانوں ہی کے ذریعہ اسپین پہنچ کر پورے یورپ میں پھیل گیا۔

علم الحساب

(ریاضی و شماریات)

MATHS, STATISICS & COMPUTER SCIENCE

حساب اور شماریات میں بنیادی چیز ایک سے دس تک گنتی ہے۔ اسی طرح سو اور دہائیوں، سینکڑوں، ہزاروں، ہزار وغیرہ کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ قرآن پاک میں مجید تمام آیات ایسی ہیں جو اعداد کی نشاندہی کرتی ہیں۔ ایک گنتی مثلاً ایک کے لئے احد یا واحد کا کلمہ استعمال ہوتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ" (۱:۱۱۲) سورۃ اخلاص ۱۱۲، آیت ۱

"کہہ دیجئے اللہ ایک ہے"

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (۱۶:۴۰) سورۃ مومن ۴۰، آیت ۱۶

"آج کے روز کس کی حکومت ہوگی بس اللہ ہی کی ہوگی جو یکتا اور غالب ہے۔"

(دو)

دو کیلئے اثنین کا کلمہ استعمال ہوتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ (۹:۴۰) سورۃ توبہ 9، آیت ۴۰)

"جب دو آدمیوں میں سے ایک آپ تھے جس وقت دونوں غار میں تھے۔"

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوا إِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ (۱۶:۵۱) سورۃ نحل ۱۶، آیت ۵۱)

"اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دو معبود مت بناؤ۔"

(تین)

تین کے لئے ثلاثہ کا کلمہ استعمال ہوتا ہے یہ قرآن مجید میں تیرہ دفعہ آیا ہے اسی طرح ثلاث کا کلمہ بھی اسی عدد کے لئے استعمال ہوتا ہے یہ سات دفعہ استعمال ہوا ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْآ اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ(۵:۷۳)سورۃ مائدہ۔۵۔آیت۔۷۳

"بے شک وہ لوگ بھی کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تین میں سے ایک ہے۔"

(چار)

چار کو عربی میں اربع کہتے ہیں ارشاد ربانی ہے۔

وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ(۴۱:۱۰)سورۃ حٰم سجدہ۔۴۱۔آیت۔۱۰

"اور اس میں اس کے رہنے والوں کی غذائیں تجویز کر دیں چار دن میں۔"

قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ(۲:۲۶۰)سورۃ بقرہ۔۲۔آیت۔۲۶۰

"فرمایا چار پرندے لے لو۔"

(پانچ)

پانچ کو خمسہ کہتے ہیں ارشاد ربانی ہے۔

يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ(۳:۱۲۵)سورۃ آل عمران۔۳۔آیت۔۱۲۵)

"اور تمہارا رب تمہاری امداد فرمائے گا۔ پانچ ہزار فرشتوں سے جو ایک خاص وضع بنائے ہوں گے۔"

وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ۔سورۃ کہف۔18۔آیت۔22

"اور کچھ دوسرے کہدیں گے پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا۔"

(چھ)

چھ کو عربی میں ست کہتے ہیں ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ۔سورۃ اعراف۔7آیت۔54

"تمہارا رب وہ ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں تخلیق کیا۔"

(سات)

سات کو عربی میں سبع کہتے ہیں ارشاد ربانی ہے۔

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا۔سورۃ نوح۔71۔آیت۔15

"کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے۔"

اَلَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا۔سورۃ ملک۔67۔آیت۔3

"وہ عزیز و غفور جس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے۔"

(آٹھ)

آٹھ کو ثمانیہ کہتے ہیں ارشاد ربانی ہے۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ سورۃ انعام۔6۔آیت۔143

"آٹھ جوڑے ہیں۔"

عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ سورۃ قصص۔28۔آیت۔27

"اس شرط پر کہ تم آٹھ سال میری نوکری کرو۔"

(نو)

نو کو عربی میں تسع کہتے ہیں ارشاد ربانی ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ۔سورۃ بنی اسرائیل۔17۔آیت۔101

"اور ہم نے موسیٰ کو کھلے نو معجزے دیئے۔"

(دس)

دس کو عربی میں عشر کہتے ہیں ارشاد ربانی ہے۔

فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ۔سورۃ قصص۔28۔آیت 27

"پھر اگر تم دس پورے کر دو تو یہ تمہاری طرف سے احسان ہے۔"

(گیارہ)

گیارہ کو عربی میں احد عشر کہتے ہیں ارشاد ربانی ہے۔

يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا۔سورۃ یوسف۔12۔آیت۔4

"اے ابا میں نے گیارہ ستارے دیکھے ہیں۔"

(بارہ)

بارہ کو عربی میں اثنا عشر کہتے ہیں ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ۔سورۃ توبہ۔9۔آیت۔36

"اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد اللہ کی کتاب میں بارہ ہے۔"

(انیس)

انیس کو عربی میں تسعۃ عشر کہتے ہیں ارشاد ربانی ہے۔

عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ۔سورۃ مدثر۔74۔آیت۔30

"انیس کارکن اس پر مقرر ہیں۔"

(بیس)

بیس کو عربی میں عشرین رعشرون کہتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ سورۃ انفال ۔8۔ آیت 65۔

"اگر تم میں سے صبر کرنے والے بیس ہوں تو وہ دو سو پر غالب آ سکتے ہیں۔"

(تیس)

تیس کو عربی میں ثلاثین رثلاثون کہتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً ۔سورۃ اعراف۔7 آیت 142۔

"جس وقت ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا وعدہ کیا۔"

(چالیس)

چالیس کو عربی میں اربعین راربعون کہتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰی اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً۔ سورۃ بقرہ۔2۔ آیت 51۔

"جس وقت ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ کیا۔"

(پچاس)

پچاس کو عربی میں خمسین یا خمسون کہتے ہیں ارشاد ربانی ہے۔

فَلَبِثَ فِیْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا ۔سورۃ عنکبوت 29۔ آیت 14۔

"حضرت نوحؑ ان میں پچاس کم ایک ہزار سال رہے۔"

یہاں نفی یعنی تفریق کی طرف بھی اشارہ ہے۔

(ساٹھ)

ساٹھ کو عربی میں ستین یا ستون کہتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

فَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْکِیْنًا سورۃ مجادلہ۔58۔ آیت 4۔

"پھر جس سے یہ بھی نہ ہو سکے تو اس کے ذمے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔"

(ستر)

ستر کو عربی میں سبعون یا سبعین کہتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ سورۃ توبہ۔ 9۔ آیت 80۔

"اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی استغفار کریں گے تب بھی اللہ ان کو نہ بخشے گا۔"

(اسی)

اسی کو عربی میں ثمانین یا ثمانون کہتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً سورۃ نور۔24 آیت 4۔

"ان کو اسی درے لگاؤ۔"

(نوے اور ننانوے)

نوے کو عربی میں تسعون یا تسعوں کہتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّ هٰذَآ اَخِیْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِیَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ۔ سورۃ صٓ۔38۔ آیت 23۔

"یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنبے ہیں اور میرے پاس ایک۔"

تسع 9 کو کہتے ہیں اور تسعون نوے 90 کو یہاں جمع کی طرف بھی اشارہ ہے۔

(سو)

سو کو عربی میں مائة کہتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ سورۃ بقرہ۔ 2۔ آیت 259۔

"پس اللہ نے اس شخص کو ایک سو سال تک مردہ رکھا پھر اس کو زندہ کر کے اٹھایا۔"

(دو سو)

دو سو کو عربی میں مائتین کہتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۔سورۃ انفال۔8۔آیت 66

"وہ دو سو پر غالب آئیں گے۔"

(تین سو)

تین سو کو عربی میں ثلث مائة کہتے ہیں ارشاد ربانی ہے۔"

ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا۔ سورۃ کہف۔ 18۔ آیت 25۔

"تین سو سال رہے اور 9 سال اور بڑھ گئے۔"

(ایک ہزار)

ایک ہزار کو عربی میں الف کہتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ۔ سورۃ قدر۔97۔ آیت 3۔

"قدر کی رات ایک ہزار مہینے سے بہتر ہے۔"

(دو ہزار)

دو ہزار کو الفین کہتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔سورۃ انفال ۔8۔آیت 66۔

"تمہارے ایک ہزار آدمی اللہ کے حکم سے دو ہزار آدمیوں پر غالب آئیں گے۔"

(تین ہزار)

أَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ أَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ ۔سورۃ آل عمران۔3 ۔آیت124

"کیا یہ تمہارے لئے کافی نہیں کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے۔"

(پانچ ہزار)

يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۔سورۃ آل عمران۔3 ۔آیت 125۔

"تمہارا رب تمہاری مدد کے لئے پانچ ہزار فرشتے بھیجے گا جو ایک خاص وضع بنائے ہوں گے۔"

(پچاس ہزار)

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ۔سوورۃ معارج ۔70 ۔آیت۔4

"ان سیڑھیوں سے فرشتے اور اہل ایمان کی روحیں اس کے پاس چڑھ کر جاتی ہیں۔ اور یہ عذاب اس دن ہوگا جس کی مقدار دنیا کے پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔"

(ایک لاکھ)

وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ۔سورۃ صافات ۔37 ۔آیت۔147

"اور ہم نے اس کو ایک لاکھ یا اس سے زیادہ آدمیوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا تھا۔"

(کسورات دو تہائی)

ارشاد ربانی ہے۔

فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۔سورۃ نساء ۔4 ۔آیت۔ 11

"اگر عورتیں دو سے زیادہ ہوں تو ان کو ترکہ میں تین سے دو حصے ملیں گے۔ آیت میں ثلثا 2/3 کو کہتے ہیں۔"

(ایک دہائی)

وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۔سورۃ نساء ۔4 ۔آیت۔ 11

"اگر عورت صرف ایک ہو تو اس کو ترکے کا نصف حصہ ملے گا۔"

نصف 1/2 کو کہتے ہیں۔

(ایک تہائی)

ارشاد ربانی ہے۔

فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۔سورۃ نساء ۔4 ۔آیت۔11

"اگر میت کا لڑکا نہ ہو اور وارث صرف والدین ہوں تو ان کو ترکہ میں تیسرا حصہ ملے گا۔"

ثلث 1/3 کو کہتے ہیں۔

(ایک چوتھائی)

ارشاد ربانی ہے۔

فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۔سورۃ نساء ۔4 ۔آیت۔12

"اگر عورت مورثہ کا ایک لڑکا ہو تو تمہیں ان کے ترکے میں وصیت کے بعد یا قرض ادا کرنے کے بعد چوتھا حصہ ملے گا۔"

ربع 1/4 کو کہتے ہیں۔

(ایک چھٹائی)

ارشاد ربانی ہے۔

فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۔سورۃ نساء ۔4 ۔آیت۔11)

"اگر مرد مورث کے بھائی ہوں تو والدہ کو چھٹا حصہ ملے گا مگر وصیت پورا کرنے یا قرض ادا کرنے کے بعد۔"

(ایک آٹھائی)

فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۔سورۃ نساء ۔4 ۔آیت۔12

"اگر تمہارا لڑکا ہو تو عورتوں کو وصیت کرنے یا قرض ادا کرنے کے بعد آٹھواں حصہ ملے گا۔"

ثمن 1/8 کو کہتے ہیں۔

مختلف صورتوں میں اور مختلف طریقوں سے ان اعداد و کسور کی جمع، تفریق، ضرب اور تقسیم کو حساب اور شماریات کہتے ہیں اسی طرح کمپیوٹر سائنس میں بھی تو یہی علم کام آتا ہے۔ اس کے بغیر کمپیوٹر سائنس کو جاننا اور سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔

قرآن حکیم کا حسابی نظام اور الیکٹرونک کمپیوٹر

"لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا۔"

صدیوں سے یہود و نصاریٰ اور ملحد اقوام قرآن کو انسانی تصنیف قرار دیتی رہی ہیں۔ مسلمانوں کے خلاف اپنے خبث باطن کا اظہار کرنے کا ایک اسلوب یہ بھی تھا۔ کہ قرآن حکیم کو الٰہی کلام نہ مانا جائے۔ لیکن اسلام کی حقانیت سائنسی دور میں بھی پوری شدومد کے ساتھ واضح ہو رہی ہے۔ سائنس ہی کے ایجاد کردہ کمپیوٹر نے اس الہامی کتاب کے آسمانی ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ کلام پاک کی سورۃ ہود (11) آیت 13 فرماتی ہے۔ "کیا یہ کہتے ہو؟ کہ پیغمبرؐ نے یہ کتاب خود گھڑی ہے؟ کہو اچھا یہ بات ہے۔ تو اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں (بھی) تم بنالاؤ۔ اور اللہ کے سوا جو تمہارے معبود ہیں۔ ان کو مدد کے لئے بلا سکتے ہو تو بلالو۔ اگر تم سچے ہو۔" اس چیلنج کا جواب چودہ صدیاں گزر چکی ہیں۔ کسی سے بن نہیں پڑا۔

کمپیوٹرز کی مدد سے قرآن حکیم کے حروف، اعراب اور الفاظ امریکہ اور مصر میں بڑے اہتمام کے ساتھ شمار کیے گئے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں ان کے مابین ایک عجیب و غریب نظم اور باہمی ربط معلوم ہوا ہے۔ جو اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ یہ کلام انسانی کلام نہیں ہے۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ قرآن حکیم حضور نبی کریمؐ پر تیئیس سال میں حسب ضرورت و حالات نازل ہوا ہے۔ اور حضورؐ کفار کے خلاف جنگوں میں، اسلام کی تبلیغ میں اور دنیاوی معاملات، معاشرت، رہن سہن، میں بے انتہا معروف رہے۔ ساتھ ہی قرآن کی حفاظت کا بندوبست جاری رہا۔ جیسے جیسے قرآن نازل ہوتا رہا۔ صحابہ کی ایک جماعت کتابت وحی کو لکھتی تھی۔ اور ایک جماعت اس کو حفظ کرنے پر مامور تھی۔ تو اس میں کسی انسانی ذہن کا دخل نہیں تھا۔ کہ جب قرآن مجید مکمل ہو گیا۔ تو اس کے اعداد و حروف کے مابین ایک مقررہ تعلق اور رشتہ قائم ہے۔ یہ حقیقت بجائے خود کسی مافوق الفطرت وجود کی نشاندہی کرتی ہے۔ اور وہ اللہ کی ذات ہے۔ جو قرآن کی مصنف ہے قرآن حکیم اس کا کلام ہے۔ اور اس کی صفت ہے۔ اور قرآن مخلوق نہیں ہے۔ آج کا سائنسدان خود اپنے ایجاد کردہ کمپیوٹر کی مدد سے حاصل کردہ نتائج کو دیکھ کر دنگ رہ گیا ہے۔ اور قرآن حکیم کو ایک زندہ معجزہ تسلیم کرنے کے بغیر چارہ نہیں۔

آیئے اب اس اجمال کی تفصیل میں جائیں۔ مصر کے سائنسدان ڈاکٹر رشاد خلیفہ نے سالہا سال کی ریسرچ الیکٹرونی آلات کی مدد سے کی ہے۔ اور انتہائی حیرت انگیز نتائج حاصل ہوئے ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی ہر سورۃ کے ابجدی اعداد و شمار بھی فراہم کیے ہیں۔ سورتوں کے حروف اور تکرارات کی تعداد نوٹ کر کے ہزاروں لاکھوں اعداد کو کمپیوٹر میں "فیڈ" کیا۔ قرآن حکیم کی کل سورتیں 114 ہیں۔ سب پر

اس طرح کا عمل دہرایا گیا۔ اندازہ لگائیں کہ کتنی عرق ریزی کی گئی ہوگی۔

معلوم ہوا ہے کہ سارے قرآن مجید کے حروف کی تعداد کا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (جو کہ قرآن کی اولین آیت ہے) کے ساتھ ایک خاص تعلق ہے۔ یہ چھوٹی سی آیت 13 حروف پر مشتمل ہے۔ ب س م ۔ ا ل ل ہ ۔ ا ل ر ح م ا ن ۔ ا ل ر ح ی م ۔ اور اس میں کل چار الفاظ اسم ۔ اللہ ۔ الرحمٰن ۔ اور الرحیم ہیں۔ اسم قرآن حکیم میں 19 بار آیا ہے۔ اللہ قرآن حکیم میں کل 2698 بار آیا ہے۔ جو 19 سے پورا تقسیم ہوتا ہے۔ اور 142 حاصل ہوتے ہیں۔ الرحمٰن قرآن میں 57 بار آیا ہے۔ جو 19 پر تقسیم ہو تو 3 حاصل ہوتا ہے۔ آخری لفظ الرحیم 114 بار آیا ہے۔ اور 19 پر چھ دفعہ تقسیم ہوتا ہے۔

اب حروف مقطعات ہیں۔ جن سے کئی سورتیں شروع ہوتی ہیں۔ بظاہر ہمیں ان کا مفہوم معلوم نہیں۔ بہرحال معلوم ہوا ہے کہ یہ حروف بھی جتنی بار انتیس (29) سورتوں میں آئے ہیں۔ وہ سب کے سب 19 پر تقسیم ہوتے ہیں۔ ذرا نیچے کا نقشہ ملاحظہ فرمادیں۔

209=11X19	152=8X19
26676=1404X19	144=8X19
9709=511X19	133=7X19
1444=76X19	494=26X19
1501=79X19	285=15X19
5358=282X19	342=18X19
798=42X19	2166=114X19

کل میزان۔ 49381=2599X19

مثال: طٰہٰ میں دو حروف ط اور ہ ہیں۔ طٰ حروف مقطعات والی متعلقہ سورت میں 28 بار 3145 بار آیا ہے۔ یعنی کل 342 ہوا جو 19 سے تقسیم ہو سکتا ہے۔ اسی طرح الم (جو پانچ سورتوں میں آیا ہے) کل مجموعہ الم۔ کو علیحدہ علیحدہ جمع کرنے سے 9709 بنتا ہے۔ جو 19 سے تقسیم ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں۔ "ہر کتاب میں ایک راز ہوتا ہے۔ اور قرآن کریم کا راز حروف مقطعات ہیں۔" امام شعبی کا قول ہے کہ "حروف مقطعات قرآن کریم کے اسرار ہیں۔" جو کچھ اوپر گزرا۔ اس کو سامنے رکھا جائے۔ تو تنہا یہی انکشاف کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ہر لفظ جتنی بار قرآن مجید میں آیا ہے وہ عدد 19 سے تقسیم ہوتا ہے۔ قرآن حکیم کی لفظی ترکیبات کے اعجاز کا ایک روشن ثبوت ہے۔ کمپیوٹر کے ذریعے سے قرآن حکیم کے تفصیلی مطالعے سے 19 کے عدد کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔ اور یہ عدد خیر و برکت کا سرچشمہ معلوم ہوتا ہے۔ اگر مسلمان اس عدد کو نیک شگونی اور برکت کی علامت تصور کریں۔

تو ان کو یہ حق پہنچتا ہے۔ (ڈاکٹر ارشاد خلیفہ)

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو من وعن قیامت تک محفوظ رکھنے کی جو یقین دہانی کرائی ہے۔ کمپیوٹر کے ان حسابات سے اس کی بھی تصدیق ہوتی ہے اور اگر کوئی بدباطن قرآن میں کسی قسم کی تحریف کا مرتکب ہوگا۔ تو خود کمپیوٹر اس کی تردید کرنے کو موجود ہے۔ قرآن کی حقانیت کا یہ بھی ناقابل تردید ثبوت ہے جو جدید سائنس کے حوالے سے دنیا کے سامنے آیا ہے۔ ویسے لاکھوں حفاظ تو پہلے اس الہامی کتاب کی دلیل ہیں۔

اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ سنیئے۔ مصری عالم محمد فواد عبدالباقی کی تصنیف "المعجم المفہرس لالفاظ القرآن کریم" ڈاکٹر ارشاد خلیفہ کی نظروں سے گزری۔ اور ڈاکٹر صاحب کے اکثر انکشافات کی تصدیق اس طرح ہوئی۔ لیکن ایک جگہ لفظ "اللہ" کے بارے میں لکھا تھا کہ ضمہ کے ساتھ یہ 98 بار۔ فتحہ کے ساتھ 692 بار۔ اور کسرہ کے ساتھ 1125 بار آیا ہے۔ اور اس کا کل مجموعہ 2697 بنتا ہے۔ ادھر ڈاکٹر صاحب کا کمپیوٹر یہ تعداد 2698 بتا رہا تھا۔ تحقیق پر معلوم ہوا کہ المعجم کے مولف سے سہواً ایک مقام پر اللہ کسرہ کے ساتھ چھوٹ گیا تھا۔ انہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے لفظ اللہ شمار کرنے کی بجائے اور الحمدللہ سے شمار کیا تھا۔ یوں کمپیوٹر نے غلطی پکڑ لی۔ اور 2698 صحیح عدد قرار پایا۔ اور یہ 19 سے پورا تقسیم ہوتا ہے۔ بہرحال یوں قرآن حکیم کی صداقت واضح ہوئی۔

اور سنیئے! مخبر صادقؐ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے فرمایا۔ دوزخ کے 19 فرشتے ہیں۔ اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ان فرشتوں سے ڈھال ہے۔ بسم اللہ شریف کے بھی 19 حروف ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہر حرف کو دوزخ کے ایک فرشتے سے بچنے کے لئے ڈھال بنا دے گا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ جو شخص زمین سے ایسے کاغذ کو ادب کی نیت سے اٹھائے کہ کہیں وہ پاؤں کے نیچے نہ آ جائے۔ جس پر بسم اللہ لکھی ہو تو اللہ کے ہاں اس کو صدیقوں میں لکھا جاتا ہے۔ اس کے والدین کا خواہ مشرک ہی ہوں۔ عذاب ہلکا کر دیا جاتا ہے۔ ان لئے حضورؐ نے ہدایت کی ہے کہ اپنے میں اس کو لکھا کرو۔ اور لکھتے وقت زبان سے بھی کہہ لیا کرو۔ کھڑے بیٹھتے لیٹتے آتے جاتے اور چڑھتے اترتے اس کی بہت تلاوت کرو جس شخص کے نامہ اعمال میں قیامت کو بسم اللہ شریف کی تلاوت آٹھ سو بار لکھی ہوگی۔ اور توحید و ربوبیت پر اس کا ایمان ہوگا۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔

کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ یہ محض اتفاق ہے کہ بسم اللہ کی آیت کریمہ کے ہر لفظ کے قرآن حکیم میں تکررات کی تعداد اسی آیت کے حروف کی تعداد (19) پر تقسیم ہوتی ہے۔ یہ احتمال دراصل بہت بعید ہے۔ زیادہ بار ہونا غیر قدرتی اور غیر فطرتی ہے۔ آپ کوئی بھی کتاب اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ یہ احتمال کہ اس کے پہلے جملے کا ایک لفظ اتنی بار آیا ہوگا۔ کہ اس کی مجموعی تعداد اس جملے کے حروف کی تعداد پر پوری تقسیم ہو جائے۔ یہ نہایت کمزور احتمال ہے۔ یہ آیت کریمہ چار الفاظ سے مرکب ہے۔ اور ہر لفظ کے تکرارات کی

تعداد قرآن حکیم میں اس آیت کے الفاظ نہیں۔ بلکہ حروف کی تعداد پر منقسم ہوتی ہے۔ یہ تحقیق نہ صرف یہ کہ قرآن مجید کے غیر انسانی ہونے کا مادی اور محسوس ثبوت پیش کرتی ہے۔ بلکہ وہ اس ابدی حقیقت کی بھی شہادت دیتی ہے۔ کہ دوسری آسمانی کتابوں کے برعکس قرآن حکیم ادنیٰ تحریف سے بھی محفوظ ہے۔ اس کی ضمانت اس آیت شریفہ میں دی گئی ہے۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۔سورۃ حجر۔15۔آیت۔9

"بے شک) ہم نے آپ پر یہ نصیحت کا کلام اتارا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔"

آپ کو معلوم ہوگا کہ قرآن حکیم میں 114 سورتیں ہیں۔ اور سورۃ توبہ بغیر بسم اللہ کے ہے۔ باقی سب کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی آیت موجود ہے۔ لیکن 113 کی تعداد 19 پر تقسیم نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی قرآن کی حقانیت کو واضح کیا ہے۔ سورۃ نمل میں حضرت سلیمانؑ کے واقعے میں پوری بسم اللہ شریف موجود ہے۔ لہٰذا کل تعداد 114 ہوگی۔ اور یہ 19 پر تقسیم ہوتی ہے۔ جن کے دلوں میں ایمان کی حلاوت موجود ہے۔ یہ دلائل ان کے ایمان کو تازہ کرنے کے لئے کافی ہیں۔ اور جن بدبختوں نے اپنے سینوں میں پتھر کے دل پال رکھے ہیں۔ ان کے حصے نامرادی اور خسران کے سوا کچھ نہیں۔

پیچھے محترم محمود علی اختر (ریٹائرڈ ٹریژی افسر) خطیب مسجد خالد لاہور چھاؤنی نے حال ہی میں ایک کتابچہ شائع کیا ہے۔ جس سے چند مزید انکشافات کا پتہ چلتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ قرآن مجید میں متضاد یا Opposites کا ذکر جہاں بھی آیا ہے۔ ان کی تعداد ایک ہی ہے۔ چنانچہ

حیات 145 اور موت بھی 145 بار۔

دنیا 115 اور آخرت بھی 115 بار۔

ملائکہ 88 اور شیاطین بھی 88 بار۔

گرمی 40 اور سردی بھی 40 بار۔

قرآن حکیم میں جو باتیں تعداد سے متعلق ہیں۔ مثلاً سات آسمان یا موسیٰؑ کے ذکر میں چالیس راتیں وغیرہ۔ ان سب باتوں کی تعداد 285 ہے اور یہ عدد 19 پر 95 دفعہ تقسیم ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ اگر آپ چاہیں کہ ان سب اعداد کا مجموعہ حاصل کر لیں۔ تو وہ 155581 بنتا ہے۔ اور یہ خود 19 سے پورا پورا تقسیم ہوتا ہے۔

نبی کریمؐ پر سب سے پہلے نازل ہونے والی آیات سورۃ العلق کی ہیں۔ جو پانچ آیتیں ہیں۔ ان کے 19 الفاظ ہیں۔ 76 حروف۔ اور 76 کا عدد بھی 19 سے تقسیم ہوتا ہے۔ سورۃ العلق کی کل آیات بھی 19 ہیں۔ اور آخر سے شمار کیا جائے۔ تو یہ سورۃ 96 نمبر پر ہے۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ

("تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟") سورۃ رحمٰن۔55

خصوصی عرضداشت

قرآن حکیم کے متعلق مصری محقق کی تحقیق جو آپ کے گوش گزار کی گئی ہے۔ بعض حضرات کو ناگوار گزری ہے جو کلمہ گو ہونے کا دعویٰ بھی رکھتے ہیں۔ ان کے اعتراضات پر حال ہی میں مولف کی نظر پڑی ہے۔ اور ان کا ماحصل یہ ہے۔

(1) کمپیوٹر کی مدد سے عددی تحقیق میں جو انیس کا عدد معلوم کیا گیا ہے۔ اس کو مقدس و متبرک قرار دے کر ایک بدعت کھڑی کر دی گئی ہے۔

(2) یہ خیال بہائی فرقے سے لیا گیا ہے جو کہ پہلے ہی 19 کے عدد کو متبرک مانتے ہیں۔

(3) یہ عجائبات عددی ایک دلچسپ آبلہ فریبی ہے۔ اور انہیں قرآن مجید کے معجزہ یا وحی آسمانی ہونے کی دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا۔

جواب:۔ قارئین کرام! بہت سے لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔ کہ نہ تو خود اچھے کام کرتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کو کرنے دیتے ہیں اور اگر کوئی مفید کام کر رہا ہو تو اس کام میں کیڑے نکالے جاتے ہیں اور اصل کا راستہ روک لیا جاتا ہے۔

1- اس اعتراض کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر دین اسلام کی تائید میں کوئی امر نظر آ جائے تو اس سے چشم پوشی کر لینی چاہئے یاد رکھیں یہ چشم پوشی حضور نبی کریم ﷺ کے منشا مبارک کے خلاف ہوگی۔ آپ کے دو فرامین یہاں پر قابل غور ہیں۔

ا) قیام قیامت سے قبل تم ان امور عظیمہ کو دیکھ لو گے جو کبھی نہ دیکھے نہ سوچے (الفتن)

ب) اللہ تعالیٰ اسلام کی تائید ایسے لوگوں سے کرائے گا جو خود مسلمان نہ ہوں گے۔ (طبرانی)

چنانچہ کفار کے بنائے ہوئے کمپیوٹر سے اگر قرآن مجید کی ترتیب و تنظیم واضح ہوئی ہے۔ تو یہ اسلام کی تائید ہی ہے اور اس کا چرچا کرنا ضروری ہے خیال رہے کہ یہ کوئی نئی ایجاد نہیں ہے کہ اسے بدعت کہا جا سکے۔ الفاظ و حروف تو اس دن سے ہی قرآن حکیم میں موجود ہیں۔ جس دن "الیوم اکملت لکم دینا" کا فرمان نازل ہوا حضور اکرمؐ چونکہ مجسم قرآن ہیں۔ آپ کو یہ سب کچھ بدرجہ اولیٰ معلوم تھا کہ قرآن کی عددی ترکیب و ترتیب کیا ہے۔ زمانہ نبوت کے مسلمانوں میں حضور اکرم ﷺ کا وجود ہی اسلام کی تمام ضروریات کو ماننے کی دلیل تھا آج کی طرح کے معترض تو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ نہ ہی قرآن میں تحریف کے شبہات پیدا ہوتے تھے۔ اس لئے ان اعداد کی طرف اشارہ کافی تھا۔ اور حضورؐ نے فرمایا کہ۔ (بحوالہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ)

"دوزخ کے 19 فرشتوں سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ڈھال ہے کیونکہ اس کے بھی 19 حروف ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر حرف کو عذاب کے ایک فرشتے سے محفوظ رکھنے کے لئے ڈھال بنا رہے گا"

لہٰذا 19 کے عدد کو ہم نے معلوم نہیں کیا۔ بلکہ یہ حضور اکرمؐ کا بتایا ہوا ہے ہم نے صرف بھولا ہوا سبق کمپیوٹر کی مدد سے پڑھا ہے۔

2- اعتراض دوم میں بیان کی گئی یہ بات کہ 19 کا عدد بہائی فرقہ سے لیا گیا ہے جواب اعتراض مندرجہ بالا سے خود باطل ہو جاتا ہے اس سے تو یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس فرقہ نے حضور ہی کی اوپر بیان کردہ حدیث سے عدد اخذ کیا ہوگا انہوں نے اس میں آپ ہی کی تقلید کی ہے۔

3- ان عددی انکشافات کو آبلہ فریبی قرار دینا بڑی جسارت ہے۔ تبلیغ کا یہ اصول ہے کہ معترض کو اسی کی فہم اور اسی کی زبان اور محاورہ میں تبلیغ دین کی جاتی ہے اب جدید ذہن کو ہم اسی کے ایجاد کردہ اور اس کی روز مرہ زندگی میں دخیل کمپیوٹر کی مدد سے قائل کرنے کے قابو ہو گئے ہیں تو یہ ہم پر اللہ کا احسان عظیم ہے۔ قرآن تو شروع ہی سے معجزہ ہے اس کی حقانیت کے ضمن میں کسی نئی دلیل کو صرف نظر نہیں کیا جا سکتا' بلکہ حق کو ثابت کرنے کے لئے آج اور آئندہ جو بھی دلائل پیدا ہوتے رہیں گے ان سے کام لیا جانا بلا شک و شبہ جائز و مباح ہوگا۔

فن طب

انسان ہر دور میں بیمار ہوتے رہے ہیں اس بنا پر فن طب بھی کسی نہ کسی طور پر ہر زمانہ میں پایا جاتا رہا ہے۔ مگر قدیم زمانہ میں کبھی فن طب کو وہ اعلیٰ ترقی نہ مل سکی جو اسلام کے بعد کے دور میں اور پھر موجودہ زمانہ میں اس کو حاصل ہوئی۔

کہا جاتا ہے کہ طب کا آغاز قابل لحاظ صورت میں قدیم یونان میں ہوا۔ قدیم یونان میں دو بہت بڑے بڑے طبیب پیدا ہوئے۔ ایک بقراط اور دوسرے جالینوس بقراط (Hippocrates) کا زمانہ پانچویں اور چوتھی صدی قبل مسیح ہے۔ تاہم بقراط کی زندگی کے حالات بہت کم معلوم ہیں بعد کے لوگوں نے تخمینی طور پر یہ اندازہ لگایا ہے کہ بقراط غالباً 460 ق م میں پیدا ہوا اور غالباً 377 ق م میں اس کی وفات ہوئی۔ حتیٰ کہ بعض محققین کو اس کے تاریخی شخصیت (Historical Figure) ہونے پر شبہ ہے۔ فلسفہ اور طب کی جو کتابیں اس کے نام سے مشہور ہیں اس کے متعلق بھی یہ شبہ کیا گیا ہے کہ وہ اسی کی لکھی ہوئی ہیں یا دوسروں نے لکھ کر ان کو بقراط کے نام سے موسوم کر دیا ہے (EB-8/842-43)

جالینوس (Galen) دور قدیم کا دوسرا اہم ترین فلسفی اور طبیب سمجھا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے عقلی طب (Rational Medicine) کی بنیاد رکھی۔ جالینوس غالباً 129ء میں پیدا ہوا اور غالباً 199ء میں اس کی وفات ہوئی۔ روم میں جالینوس کو کافی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ جالینوس کی بیشتر

تحریریں ضائع ہوگئیں۔ بقیہ بھی ضائع ہوگئی ہوتیں۔ یہ صرف عرب تھے جنہوں نے نویں صدی عیسوی میں از سر نو اس کے یونانی مخطوطات کو جمع کیا اور ان کو عربی زبان میں ترجمہ کیا۔ جسکے بعد گیارہویں صدی میں یہ ترجمے یورپ میں پہنچے اور ان کو عربی سے لاطینی میں منتقل کیا گیا۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا 1984ء نے جالینوس کے بارے میں اپنا مقالہ ان الفاظ پر ختم کیا ہے کہ جالینوس کے آخری سالوں کے بارے میں بہت کم معلومات حاصل ہیں۔

Little is known of Galen's final year (7/850).

بطور واقعہ یہ بات صحیح ہے کہ قدیم یونان میں کچھ اعلیٰ طبی ذہن پیدا ہوئے۔ مگر بقراط اور جالینوس جیسے لوگوں کا انجام بتاتا ہے کہ قدیم یونان میں وہ حالات موجود نہ تھے جن میں ایسے لوگوں کو اہمیت حاصل ہو سکے۔ اصل یہ ہے کہ قدیم یونان میں طب کی نشوونما کے لئے فضا سازگار نہ تھی طرح طرح کے توہماتی عقیدے اس طرح کی کھلی تحقیقات کی راہ میں حائل تھے۔ مثلاً بیماریوں کو پراسرار طاقتوں سے وابستہ کرنا۔ نباتات اور دواوالی اشیاء میں بہت سی چیزوں کو مقدس مان لینا۔ وغیرہ۔

یونان میں طب کا آغاز ظہور مسیح کے تقریباً دو سو سال پہلے اور تقریباً دو سو سال بعد کے زمانہ میں ہوا اس طرح یونانی طب کا زمانہ تقریباً چار سو یا پانچ سو سال ہے۔ اس کے بعد خود یونان میں یہ فن مزید آگے نہ بڑھ سکا۔ یونان یورپ کا ایک ملک ہے مگر یونانی طب کا تسلسل بقیہ یورپ میں جاری نہ ہو سکا کہ وہ جدید مغربی طب کے ظہور کا ذریعہ بن سکے۔ یہ واقعہ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ قدیم یونان کا ماحول طب کی ترقی کے لئے سازگار نہ تھا۔

یونانی طب جس کو بعض انفرادی شخصیتوں نے پیدا کیا تھا وہ اپنے ظہور کے بعد تقریباً ایک ہزار سال تک غیر معروف کتابوں میں بند پڑا رہا۔ یہاں تک کہ عباسی دور میں ان کتابوں کے ترجمے کئے گئے عربوں نے مزید اضافے کے ساتھ فن طب کو از سر نو مدون کیا۔ اس کے بعد ہی یہ ممکن ہوا کہ یہ فن یورپ میں پہنچے اور جدید میڈیکل سائنس کے ظہور کا ذریعہ بنے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی انقلاب سے پہلے دنیا میں شرک اور توہم پرستی کا زور تھا۔ اس زمانہ کا ماحول اتنا غیر موافق تھا کہ کوئی شخص اگر طبی اور سائنسی تحقیق کرتا تو اس کو لوگوں کی طرف سے حوصلہ افزائی نہیں ملتی تھی۔ اس کو نامساعد حالات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اس بناء پر اس قسم کی کوششیں اگر انفرادی سطح پر ظاہر بھی ہوتیں تو وہ اکثر دب کر رہ جاتی تھیں لوگ مرض اور علاج کا رشتہ دیوتاؤں سے جوڑے ہوئے تھے۔ ایسی حالت میں سائنسی طریق علاج کی بات لوگوں کو اپیل نہیں کرتی تھی۔ اسلام کے ذریعہ جب دنیا میں توحید کا انقلاب آیا اس کے بعد ہی یہ ممکن ہوا کہ طبی ترقی کا بند دروازہ کھلے جو بالآخر جدید میڈیکل سائنس تک پہنچ جائے۔

پیغمبر اسلام ﷺ کا ایک ارشاد ان لفظوں میں نقل کیا گیا ہے۔

اَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَمْ یُنْزِلْ دَاءً اِلَّا اَنْزَلَ لَہٗ دَوَاءً عَلِمَہٗ مَنْ عَلِمَہٗ وَجَھِلَہٗ مَنْ جَھِلَہٗ اِلَّا السَّامَ وَھُوَ الْمَوْتُ (مستدرک حاکم)

یعنی اللہ تعالیٰ نے جو بھی مرض اتارا ہے اسی کے ساتھ اس کی دوا بھی اتاری ہے۔ جس نے اس کو جانا اس نے جانا اور جو اس سے بے خبر رہا وہ اس سے بے خبر رہا۔ البتہ موت کی کوئی دوا نہیں۔

پیغمبر اسلام کا یہ ارشاد گویا قائد انقلاب کا ارشاد تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنی زبان سے اس طبی حقیقت کا اعلان فرمایا اور دوسری طرف تاریخ عملی طور پر اس کے سانچہ میں ڈھلنا شروع ہوگئی۔

ایک مثال

چیچک (Small pox) دنیا کی ایک خطرناک ترین بیماری سمجھی جاتی ہے۔ اس میں پہلے بخار آتا ہے۔ دو دن کے بعد دانے نکل آتے ہیں۔ یہ ایک وبائی بیماری ہے۔ اور سخت مہلک ہے۔ مریض اگر اس کے حملے سے بچ جائے تو وہ ہمیشہ کے لئے آدمی کی کھال کو داغدار بنادیتی ہے۔

موجود ریکارڈ کے مطابق یہ بیماری چین میں 1122 ق م میں پائی گئی۔ ہندوستان کی قدیم سنسکرت کی کتابوں میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔ ماضی میں مختلف ملکوں میں یہ بیماری ایک ہولناک وباء کی صورت میں پھوٹتی رہی ہے۔ اس نے بے شمار لوگوں کو اپنا شکار بنایا ہے مصری فرعون (Ramses V) جس کا انتقال 1156 ق م ہوا تھا اس کا حنوط کیا ہوا جسم ایک اہرام میں پایا گیا اس کے چہرے پر چیچک کے نشانات ہیں (EB-IX/280) تاہم ہزاروں برس تک چیچک کے مرض کے بارے میں کوئی تحقیق نہیں کی جاسکی تھی۔

اب ہم جانتے ہیں کہ چیچک ایک چھوت کی بیماری ہے جو وائرس انفکشن (Virus Infection) سے پیدا ہوتی ہے۔ انسان نے اب یہ دریافت کرلیا ہے کہ ایسی حفاظتی تدبیریں موجود ہیں جن کا پیشگی اہتمام کرلیا جائے تو چیچک کے حملے سے بچا جاسکتا ہے۔

مگر یہ طبی حقیقت پہلی بار اسلام کے ظہور کے بعد صرف نویں صدی عیسوی کے آخر میں معلوم کی جاسکی۔ پہلا واضح نام جس نے تاریخ میں چیچک کا علاج تلاش کیا اور اس کی طبی جانچ کی وہ مشہور عرب طبیب الرازی (865ء بمطابق 925ء) ہے۔ وہ رے (ایران) میں پیدا ہوا۔ اس نے اس مہلک مرض کے بارے میں پہلی طبی کتاب لکھی جسکا نام الجدری والحصبہ تھا۔ اس کتاب کا ترجمہ قدیم یورپ کی علمی زبان لاطینی میں 1565ء میں وینس میں چھپا۔ اس کے بعد یونانی اور دوسری زبانوں میں ترجمہ ہوکر وہ پورے یورپ میں پھیلی اس کا انگریزی ترجمہ لندن سے 1848ء میں چھپا جس کا نام یہ تھا

A Treatise on the Small pox and Measles.

محققین نے تسلیم کیا ہے کہ الرازی کی یہ کتاب پوری معلوم تاریخ میں چیچک کے بارے میں پہلی علمی کتاب ہے۔ اس سے پہلے اس موضوع پر کسی شخص نے علمی تحقیق نہیں کی۔

ایڈورڈ جنر (Edward Jenner) نے الرازی کی کتاب کے ترجمہ کو پڑھا اس سے اس کے اندر چیچک کے مرض کی طبی تحقیق کا خیال پیدا ہوا۔ یہاں تک کہ اس نے 1796ء میں ٹیکہ (Vaccination) کا وہ طریقہ دریافت کیا جس نے عالمی سطح پر شہرت حاصل کی۔ اب انسان نے چیچک کو کنٹرول کرنے کی تدابیر پر عمل شروع کیا۔ یہاں تک کہ تاریخ میں پہلی بار 1977ء میں اقوام متحدہ کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا کہ چیچک کے مرض کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔

چیچک کی بیماری کو طب اور علاج کا موضوع بنانے میں کئی ہزار سال کی تاخیر کیوں ہوئی۔ اس کا سبب وہی چیز تھی جس کو مذہبی اصطلاح میں شرک کہا جاتا ہے۔ یعنی غیر مقدس کو مقدس سمجھنا یا غیر خدا میں خدائی اوصاف فرض کرنا۔ ڈاکٹر ڈیوڈ ورنر (David Werner) کے الفاظ ہیں۔

In most places in India,people believe that there diseases are caused because the goddess is angry with their family or their community.The goddess expresses her anger through the disceases.The people believe that the only hope of cure for these diseases is by giving her offerings in order to please her. They do not feed the sick child or care for him because they fear this will annoy the goddess more. So the sick child becomes very weak and either dies or takes a long time to get cured. These diseases are caused by virus infection.It is essential that the child be given plenty of food to keep up his strenght so that he can fight the infection (9).

قدیم زمانے کے لوگ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ چیچک اور خسرہ کی بیماریاں دیوی دیوتاؤں کی ناراضگی کی بناء پر پیدا ہوتی ہیں۔ کسی خاندان یا قوم سے جب دیوی دیوتا ناراض ہوتے ہیں تو ان کو اس مہلک بیماری میں مبتلا کر دیتے ہیں وہ اس بیماری کے ذریعہ اپنے غصہ کا اظہار کرتے ہیں۔ اس عقیدہ کی بناء پر لوگ یہ سمجھے ہوتے تھے کہ اس بیماری سے بچنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ دیوی دیوتاؤں کو نذرانے پیش کیے جائیں تاکہ وہ خوش ہو جائیں اور خوش ہو کر بیماری کو ہٹا دیں۔ اس عقیدہ کی بناء پر وہ قصداً مریض کو کچھ کھلانے اور علاج کی تدبیر سوچنے سے پرہیز کرتے۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اس سے دیوی دیوتا اور زیادہ ناراض ہو جائیں گے۔

اسلام نے جب مرض کے بارے میں اس توہم کو توڑا اور یہ بتایا کہ ایک خدا کے سوا کسی کو بھی نفع یا نقصان کا کوئی اختیار نہیں۔ خالق صرف ایک ہے اس کے سوا جو ہیں وہ سب مخلوق اور بندے ہیں۔ اسلامی انقلاب کے بعد جب انسان کے اندر یہ ذہن ابھرا اور اس نے دیوتائی مفروضات سے آزاد ہو کر سوچنا شروع کیا۔ اس کے بعد ہی یہ ممکن ہوا کہ چیچک پر طبی تحقیق کی جائے اور اس کا علاج معلوم کرنے کی کوشش کی جا سکے۔

جب دنیا میں یہ فکری انقلاب آیا اس کے بعد ہی یہ ممکن ہوا کہ چیچک کو طبی تحقیق اور علاج کا موضوع بنایا جائے۔ اس کے بعد ہی یہ امکان پیدا ہوا کہ ابوبکر رازی اور ایڈورڈ جنر جیسے افراد اٹھیں اور چیچک کا علاج دریافت کر کے انسانیت کو اس مہلک مرض سے نجات دلائیں۔ چیچک کے علاج کی دریافت تک پہنچنے میں اصل رکاوٹ (Barrier) مشرکانہ مفروضات تھے اور ان مفروضات کو تاریخ میں جس نے پہلی بار ختم کیا وہ بلاشبہ اسلام تھا۔

فن طب کے سلسلہ میں مسلمانوں کے کارنامہ پر کثرت سے کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر ہٹی کی کتاب ہسٹری آف دی عربس۔ ان کتابوں میں مسلمانوں کے طبی کارناموں کی تفصیلات دیکھی جا سکتی ہیں۔

طب
Meidcine

علاج و معالجہ اور طبی خدمات سماجی خدمات میں سرفہرست ہیں اگر ایک ڈاکٹر خلوص نیت کے ساتھ کسی مریض کا علاج کرے۔ اور وہ صحت یاب ہو جائے تو اس ڈاکٹر کے لئے یہ عمل ایسا ہے جیسا کہ اس نے پوری دنیا کے انسانوں کو زندگی دی اور اگر اس کی غفلت، کام چوری یا سستی یا غلط تشخیص یا غلط دوائی تجویز کرنے سے کوئی مریض مر جاتا ہے تو یہ ایسا ہے جیسا کہ اس نے پوری دنیا کے انسانوں کی جان لی۔

ارشاد ہے۔

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا (سورۃ مائدہ 5 آیت 32)

"جس کسی نے دوسرے شخص کو قتل کیا اور اس مقتول نے نہ کسی کو قتل کیا تھا اور نہ زمین پر فساد برپا کیا تھا تو اس شخص نے گویا کہ پوری دنیا کے انسانوں کو قتل کیا اور جس کسی نے کسی انسان کو زندگی دی اس نے گویا پوری دنیا کے انسانوں کو زندگی دی"

اس آیت کی روشنی میں کتنے خوش قسمت ہیں وہ ڈاکٹر جو اپنے کام میں عبادت کی نیت سے دلچسپی لیتے ہیں۔ مریض کی تشخیص اچھی طرح کرتے ہیں اور دوائی بھی صحیح تجویز کرتے ہیں ایسے ڈاکٹروں کے لئے

اس عمل سے اور بڑی عبادت اور سعادت اور کیا ہو سکتی ہے۔ ایک مریض کی بیماری کے خلاف جہاد کرنا اور اس جہاد میں فتح حاصل کرنا پوری انسانیت کو زندگی دینے کے مترادف ہے اسی میں تو دارین کی فلاح ہے۔

اگر ایک ڈاکٹر مریض کی خدمت میں مصروف کار ہو مریض غریب ہو اور وہ اس کو مفت دوائی مہیا کرے یا کوئی اور خدمت انجام دے یا اس کی کوئی اور ضرورت پوری کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام ضرورتیں پوری کریگا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کریگا۔ اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کریگا۔ اور جو کوئی بندہ خدا کی مدد کریگا اللہ تعالیٰ اس کی مدد کریگا۔ (صحیح بخاری، مسلم سنن ابوداؤد)

مطلب یہ ہوا کہ کسی مریض کی خدمت کرنا یا اس کے ساتھ بھلائی کرنا یا مدد کرنا درحقیقت اللہ کی مدد کرنا ہے۔ اس کی مخلوق کے ساتھ محبت درحقیقت اللہ کے ساتھ محبت ہے اگر کوئی ڈاکٹر کسی مریض کو خلوص دل اور پیار کے ساتھ ایک گولی بھی دے۔ گپ شپ لگانے اور ٹیلیفون پر باتیں کرنے کے بجائے مریضوں کی خدمت میں اپنے آپ کو مصروف رکھے۔ اس کی تکلیف اور درد دور کرنے میں مدد دے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے دردوں اور تکالیف کو کم کرنے میں مدد دے گا۔ حدیث شریف کے مفہوم کے مطابق جس کسی نے کسی مریض کا دکھ اور درد کم کر دیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے دکھ اور درد کم کر دے گا۔ اگر کسی ڈاکٹر نے تکلیف کی گھڑیوں میں کسی مریض کو دوائی دی اور اس دوائی کی وجہ سے اس کی تکلیف کم ہوئی یا ختم ہوئی اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت دونوں میں اس کی تنگی اور تکلیف کم یا ختم کر دے گا۔

طبی امداد اور علاج و معالجہ اسلام میں اس لئے ضروری ہے اور ایک سماجی خدمت ہے کہ صحت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔

اَلصِّحَّةُ وَالْفَرَاغَةُ نِعْمَتَانِ مِنْ نِعَمِ اللّٰهِ

"صحت اور فراغت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے دو نعمتیں ہیں"

بدقسمتی سے ان دونوں نعمتوں کے بارے میں اکثر لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہیں ان کا خیال ہے کہ ان نعمتوں کو دوام حاصل ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے ایک حدیث شریف کی رو سے صحت بیماری سے پہلے اور فراغت مشغول ہونے سے پہلے غنیمت شمار کرتے ہیں ان دونوں کیلئے صحیح مصرف ڈھونڈنے کی کوشش کرنی چاہئے یہی وجہ ہے کہ آپ نے صحت کی دعا مانگنے کا حکم دیا۔ آپ کا ارشاد ہے۔

سَلِ اللّٰهَ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (مسند احمد بن حنبل)

"دنیا اور آخرت دونوں میں اللہ تعالیٰ سے اچھی صحت اور عافیت کی دعا مانگا کرو"

صحت کو قائم رکھنے کے لئے اگر ایک طرف علاج و معالجہ کو ضروری قرار دیا گیا ہے تو دوسری طرف ایسے اقدام کا بھی حکم دیا گیا ہے جس سے بیماریاں سرے سے ہی شروع نہ ہوں اور ان کا تدارک ہو۔ بیماریوں کا تدارک کرنے پر اسلام نے بہت زور دیا ہے اور اس کا ایک اہم ذریعہ صفائی ہے اس سے یہ

معلوم ہوتا ہے کہ گندگی اور غلاظت بیماریوں کے بنیادی اسباب میں سے ہیں اس لئے آپ نے صفائی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ

"پاکی ایمان کا حصہ ہے"

اسلام نے پانچ مرتبہ نماز کیلئے وضو کا حکم دیا ہے اور اس کو فرض قرار دیا ہے اور یہ صفائی اور تندرستی کیلئے بڑا ہی موثر ذریعہ ہے اور یہ اس طرح کہ جن جن مقامات سے انسانی جسم کے اندر خطرناک جراثیم داخل ہو سکتے ہیں وضو میں ان تمام مقامات کو دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔

دانتوں کی صفائی کا حکم دیتے ہوئے آپ فرماتے ہیں

مَنْ اَكَلَ فَلْيَتَخَلَّلْ

"جو آدمی کھانا کھائے وہ دانتوں سے خوراک کے اجزا نکالے"

تاکہ ان ریزوں کی موجودگی میں مسوڑوں کو جو بیماری لاحق ہوتی ہے ان سے وہ محفوظ رہیں یہی وجہ ہے کہ آپ نے منہ کو بھی صاف رکھنے کا حکم دیا آپ فرماتے ہیں۔

طَيِّبُوْا اَفْوَاهَكُمْ بِالسِّوَاكِ (سنن ابن ماجه)

"اپنے منہ مسواک سے صاف کر لیا کرو"

اَلسِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ (سنن ابن ماجه، صحيح بخاری)

"مسواک منہ کو صاف کرتا ہے"

آپ ﷺ مزید فرماتے ہیں۔

وَلَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِيْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ (سنن ابن ماجه)

"اگر میری امت کیلئے مشکل نہ ہوتا تو میں ان کو ہر نماز کیلئے وضو کرتے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا"

جدید طب نے تو یہ بات پایہ تحقیق تک پہنچا دی ہے کہ جن جن درختوں سے مسواک بنایا جاتا ہے ان میں جراثیم کش (Anti Biotic) خاصیت موجود ہے۔

جدید ہومیوپیتھی طریقہ علاج میں نہانے اور صفائی کو بہت سی بیماریوں کا علاج قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح کپڑوں کی صفائی، جسم کی صفائی اور جگہ کی صفائی کو بھی اسلام بہت ضروری قرار دیتا ہے۔

جسم کی صفائی کیلئے ہفتہ میں ایک بار نہانا سنت قرار دیا گیا ہے نجاست کبیرہ (Major Impurity) سے نہانے کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں۔

طَهِّرُوْا هٰذِهِ الْاَجْسَادَ طَهَّرَكُمُ اللّٰهُ

"ان جسموں کو پاک کرو اللہ تعالیٰ آپ کو پاک کرے گا"

مزید فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ نَظِيفٌ يُحِبُّ النَّظَافَةَ

"اللہ نظیف ہے اور نظافت کو پسند کرتا ہے"

مزید فرمایا

اَلنَّظَافَةُ مِنَ الْإِيمَانِ

نظافت ایمان کا حصہ ہے۔

کپڑوں کی صفائی کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ

"اے پیغمبر اپنے کپڑوں کو پاک رکھو"

صفائی کو قائم رکھنے کے لئے شریعت نے یہ احکامات بھی دیئے ہیں آپ نے فرمایا

خَمْسٌ مِنَ الْفِطْرَةِ الْخِتَانُ، وَالْاِسْتِحْدَادُ، وَتَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ، وَنَتْفُ الْإِبْطِ، وَقَصُّ الشَّارِبِ (صحیح بخاری)

"پانچ کام انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں، ختنہ، زیر ناف بال ہٹانا، ناخن کاٹنا، بغل کے بال لینا، اور مونچھوں کے بال لینا۔

صفائی قائم رکھنے کے لئے مزید چند اصول بھی گنوائے گئے ہیں آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

غَطُّوا الْإِنَاءَ

"برتنوں کو ڈھانپ رکھا کرو"

وَأَوْكِئُوا السِّقَاءَ

"مشکیزے کا منہ بند رکھا کرو"

وَأَغْلِقُوا الْأَبْوَابَ

"دروازوں کو بند رکھا کرو"

وَأَطْفِئُوا السِّرَاجَ (صحیح مسلم)

"دیوں اور لالٹینوں کو بجھا دیا کرو"

پانی صاف رکھنے کے بارے میں مزید فرمایا

لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ ثُمَّ يَغْتَسِلُ مِنْهُ (سنن ابن ماجہ)

"تم میں سے کوئی رکے ہوئے پانی میں ہرگز پیشاب نہ کرے اور پھر اسی سے نہائے"

مزید فرمایا

إِذَا شَرِبَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْإِنَاءِ

"جب تم میں سے کوئی پانی پیتا ہے تو پانی کے اندر سانس نہ لے یا پانی میں پھونک نہ مارے"

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ

لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْفُخُ فِي طَعَامٍ وَلَا شَرَابٍ وَلَا يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ

"نبی کریم ﷺ کھانے اور پینے کی اشیاء میں پھونک نہیں مارتے تھے اور نہ پانی کے اندر سانس لیتے تھے"

یہ سب احکامات اس لئے دیئے گئے ہیں کہ اس طریقہ پر عمل نہ کرنے سے مختلف بیماریوں کے جراثیم پھیلتے ہیں اور ان طریقوں پر عمل کرنے سے ایک آدمی کے جراثیم دوسرے آدمی کو منتقل نہیں ہوتے اور بیماریوں کے پھیلنے کا خطرہ کم ہوتا ہے۔

آپ ﷺ نے احتیاط برتنے کی اتنی کی تعلیم دی کہ جمائی لیتے وقت منہ پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا اور وہ بھی اس طرح کہ بائیں ہتھیلی کی پشت منہ پر رکھی جائے گی اس لئے کہ دائیں کے مقابلے میں بایاں ہاتھ اور ہتھیلی کے مقابلے میں اس کی پشت جراثیم سے زیادہ محفوظ ہوتی ہے۔ فرمایا

إِذَا تَثَاءَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيُمْسِكْ بِيَدِهِ عَلَى فَمِهِ (سنن ابن ماجہ)

"جب تم میں سے کوئی جمائی لے تو اپنے منہ پر ہاتھ رکھا کرے"

اسی طرح آپ ﷺ نے بازار میں چیزوں کو دھوئے بغیر کھانے سے منع فرمایا ہے۔

فرمایا

الْأَكْلُ فِي السُّوقِ دَنَاءَةٌ (صحیح مسلم، سنن ابوداؤد)

"بازار میں کھانا غیر شریفانہ کام ہے"

عام طور پر بازار میں چیزیں لے کر کھانے سے پیٹ خراب ہوتا ہے اس لئے کہ وہ اشیاء صاف نہیں ہوتیں اس لئے ان کا دھونا بہت ضروری ہے حفظان صحت کے اصول کا خیال اس سے زیادہ کون رکھ سکتا ہے کہ کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ کا دھونا لازمی قرار دیا گیا دوسرے یہ کہ کھانے کھانے سے پہلے ہاتھ دھو لئے جائیں تو تولئے سے خشک نہ کئے جائیں اور کھانا کھانے کے بعد ہاتھ دھو لئے جائیں تو تولئے سے خشک کئے جائیں اسی طرح دوپہر کا کھانا کھا کر قیلولے کا حکم دیا گیا اور شام کا کھانا کھا کر چہل قدمی کی ترغیب دی گئی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا طعام کی برکت اس سے پہلے اور اس کے بعد ہاتھ دھونا۔ آپ ﷺ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد قیلولہ فرمایا کرتے تھے

بیماری لگنے سے پہلے احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی تعلیم اس حدیث میں اس طرح دی گئی ہے۔

إِذَا سَمِعْتُمْ بِالطَّاعُونِ بِأَرْضٍ فَلَا تَدْخُلُوا عَلَيْهَا وَإِذَا وَقَعَ وَأَنْتُمْ بِأَرْضٍ فَلَا تَخْرُجُوا مِنْهَا فِرَارًا مِنْهُ

"جب تم کسی جگہ طاعون کی بیماری کا پتہ چلے تو وہاں مت جاؤ (تا کہ وہ بیماری تم کو بھی نہ لگے اور تم اسے دوسرے تک بھی نہ پہنچاؤ) اور جب کسی جگہ طاعون کی بیماری شروع ہو اور تم وہاں موجود ہو تو وہاں سے بھاگنے کی کوشش نہ کرو۔ (تا کہ تم اس بیماری کے جراثیم دوسروں تک نہ پہنچاؤ اور دوسرے لوگ اس بیماری میں مبتلا نہ ہوں)"

مگر اسلام نے حفظان صحت کے لئے صرف صفائی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے لئے مختلف قسم کی مفید تجاویز بھی پیش کی ہیں ورزش کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا

الاسلام والطب الحدیث نسائی کتاب الرمی' نماز بھی ورزش کا ایک بہترین وسیلہ ہے روحانی معراج حاصل کرنے کے ساتھ یہ جسمانی صحت کی بھی معراج ہے۔

عَلِّمُوا اَوْلَادَکُمُ الرِّمَایَۃَ وَالسِّبَاحَۃَ وَرُکُوْبَ الْخَیْلِ

"اپنی اولاد کو تیر اندازی تیرنا اور گھوڑ سواری سکھاؤ"

اسی طرح اسلام نے بیکار بیٹھنے اور سست اور کاہل بننے کی قباحت بیان کی ہے اور مسلسل محنت و مشقت کو ایک مستحسن عمل قرار دیا ہے۔

کھانے کے سلسلے میں ہر اس چیز کے کھانے کا حکم دیا ہے جو صحت کے لئے مفید ہو قرآن مجید نے خوراک میں اعتدال کی تعلیم دی ہے ارشاد ربانی ہے۔

کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا (سورۃ اعتراف 7 آیت 31)

"کھاؤ پیو اور اسراف یعنی حد سے تجاوز نہ کرو"

یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کو جب بھوک نہ لگتی آپ ﷺ کھانا تناول نہ فرماتے اور جب کھانا تناول فرماتے تو پیٹ بھر کر نہ کھاتے

آپ ﷺ نے فرمایا

مَا مَلَا آدَمِیٌّ وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنِہٖ حَسْبُ ابْنِ آدَمَ لُقَیْمَاتٌ یُقِمْنَ بِھَا صُلْبَہٗ فَاِنْ کَانَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَثُلُثًا لِطَعَامِہٖ وَثُلُثًا لِشَرَابِہٖ وَثُلُثًا لِنَفْسِہٖ

"انسان اپنے پیٹ کے جہنم کو چند لقموں سے بھر دے جس سے اس کی زندگی قائم رہ سکے اور جب وہ اس طرح کرنے کو ضروری سمجھے تو پیٹ کے ایک تہائی حصے کو کھانے کے لئے ایک تہائی پانی کے لئے اور ایک تہائی کو سانس لینے کے لئے چھوڑ دے آپ ﷺ نے قبض کا علاج بھی بتایا ہے فرمایا۔

اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَنْ نَتَوَکَّاَ عَلَی الْیُسْرٰی وَنَنْصِبَ الْیُمْنٰی

"آپ نے ہمیں حکم دیا کہ قضائے حاجت کے وقت بائیں پاؤں پر تکیہ لگائیں اور دائیں کو ویسے کھڑا رکھیں۔"

زیتون کا تیل

قرآن حکیم نے بعض ایسی اشیاء کا ذکر بھی کیا ہے جن کا کھانا انسانی صحت کے لئے مفید اور ضروری ہے زیتون کا لفظ قرآن میں بار بار آیا ہے جس کی اہمیت آج کل ہم سب کو معلوم ہے روغن زیتون کا استعمال آج کل بہت زیادہ ہے کھانے کے ساتھ کھایا جائے تو معدے کی ساری بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں قوت باصرہ کو بڑھاتا ہے اعضاء کی مالش کیلئے نہایت مفید ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا

کُلُوا الزَّیْتَ وَادَّھِنُوْا بِہٖ فَاِنَّہٗ مِنْ شَجَرَۃٍ مُبَارَکَۃٍ

"زیتون کا تیل کھاؤ اور اس کے ساتھ اعضاء کی مالش کرو۔ اس لئے کہ یہ ایک برکت والے درخت (شجرہ مبارکہ زیتون) سے حاصل ہوتا ہے"

کھجور

قرآن میں نخل (کھجور) کا ذکر بھی بار بار آیا ہے کھجور کے درخت سے جو پھل حاصل ہوتا ہے اس کی چار قسمیں ہیں۔

1) الرطب تر کھجور
2) التمر خشک کھجور
3) البلح زرد رنگ کھجور کچے
4) العجوہ بہت نرم کھجور

ان میں سے کسی بھی قسم کی کھجور کھانے سے جسم میں بے انتہا قوت پیدا ہو جاتی ہے دوسری غذاؤں سے جو قوت جسم کو چھ گھنٹے میں ملتی ہے کھجور کے کھانے سے وہ قوت ایک گھنٹے میں ملتی ہے یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ افطاری میں کھجور اور پانی لیا کرتے تھے (29)

کھجور کی تعریف کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا۔

وَاَمَّا الرُّطَبُ فَطَعَامُ مَرْیَمَ وَلَوْ وَجَدَ اللّٰہُ طَعَامًا خَیْرًا مِنْہُ لَاَطْعَمَھَا اِیَّاہُ

"کھجور حضرت مریمؑ کی خوراک تھی اگر اللہ کو اس کے سوا دوسری بہتر چیز ملتی تو وہ اس کو کھلاتے"

آپ ﷺ نے کھجور کی ایک اور خصوصیت بتا دی ہے۔

اَطْعِمُوْا نِسَاءَکُمُ التَّمْرَ فَاِنَّ مَنْ کَانَ طَعَامُھَا التَّمْرَ خَرَجَ وَلَدُھَا حَلِیْمًا

"اپنی عورتوں کو کھجور کھلاؤ اس لئے کہ جو عورت کھجور کھاتی ہے اس کا بچہ حلیم پیدا ہوتا ہے"

دودھ

قرآن نے دودھ کا ذکر بھی بار بار کیا ہے اور دودھ کی اہمیت آج کل کی طب میں کسی سے پوشیدہ نہیں ہے یہاں اس پر کچھ لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

گوشت اور میوے

گوشت اور میووں کی اہمیت بھی قرآن نے خوب واضح کی ہے۔
ارشاد ربانی ہے
وَأَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ (سورۃ طور 52 آیت 22)
''اور ہم ان کو ان کی پسند کے مطابق پھل اور گوشت روز افزوں دیتے رہیں گے''
وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ (سورۃ الواقعہ 56 آیت 21)
''اور پرندوں کا گوشت جوان کو مرغوب ہوگا''
''گوشت کی اہمیت کے سلسلے میں آپ ﷺ نے فرمایا''
سَيِّدُ طَعَامِ أَهْلِ الدُّنْيَا وَأَهْلِ الْجَنَّةِ
''اہل دنیا اور اہل جنت کا بہترین طعام گوشت ہے''
پرندوں کے گوشت کے بارے میں فرمایا
إِنَّكَ لَتَنْظُرُ إِلَى الطَّيْرِ فِي الْجَنَّةِ فَتَشْتَهِيهِ فَيَخِرُّ مَشْوِيًّا بَيْنَ يَدَيْكَ
''تم جنت میں پرندے کو دیکھو گے اور اس کو کھانا چاہو گے تو وہ بھونا ہوا آپ کے سامنے رکھا جائے گا''

شہد

قرآن نے شہد کو بھی بیماریوں کا علاج قرار دیا ہے ارشاد ربانی ہے
يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (سورۃ نحل 16 آیت 69)
''مکھی کے پیٹ سے رنگ برنگے شربت نکلتا ہے جس میں لوگوں کے لئے شفا ہے یقیناً اس بات میں بھی ایک نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں''
شہد کا ایک مفید اور لذیذ غذا ہونا تو ظاہر ہے اس لئے اس کا ذکر نہیں کیا گیا البتہ اندر شفا ہونا نسبتاً ایک مخفی بات ہے اس لئے اس پر متنبہ کر دیا گیا شہداؤ تو بعض امراض میں بجائے خود مفید ہے کیونکہ اس کے

اندر پھولوں اور پھلوں کا رس اور ان کا گلوکوز اپنی بہترین شکل میں موجود ہوتا ہے پھر شہد کا یہ خاصہ ہے کہ وہ خود بھی نہیں سڑتا اور دوسری چیزوں کو بھی اپنے اندر ایک مدت تک محفوظ رکھتا ہے اور اسے اس قابل بنا دیتا ہے کہ دوائیں تیار کرنے میں اس سے مدد لی جائے مزید برآں شہد کی مکھی اگر کسی ایسے علاقے میں کام کرتی ہے جہاں کوئی خاص جڑی بوٹی کثرت میں پائی جاتی ہو تو اس علاقے کا شہد محض شہد ہی نہیں ہوتا بلکہ اس جڑی بوٹی کا بہترین جوہر بھی ہوتا ہے اور اس مرض کے لئے مفید ہوتا ہے جس کی دوا اس جڑی بوٹی میں خدا نے پیدا کی ہے شہد کی مکھی سے یہ کام اگر باقاعدگی سے لیا جائے اور مختلف نباتاتی دواؤں کے جواہر اس سے نکلوا کر اس کے شہد علیحدہ علیحدہ محفوظ کئے جائیں تو ہمارا خیال ہے کہ یہ شہد لیبارٹریوں میں نکالے ہوئے جوہروں سے زیادہ مفید ثابت ہوں گے۔

آخر میں ایک بہت ہی عام فہم مثال دیتا ہوں۔ سورۃ نحل 16 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ شہد میں انسانوں کے لئے شفا ہے۔ بظاہر اس آیت کو سمجھنے میں مشکل نظر نہیں آتی لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اس آیت میں خوراک کی مقدار اور طریقہ استعمال نہیں بتایا گیا اور یہ دونوں چیزیں اتنی ہی اہم ہیں جتنا شہد خود ہے۔ اس کی مثال میں اس طرح دے سکتا ہوں کہ اگر یہ کہا جائے کہ گندم میں انسان کے لئے طاقت ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان طاقت حاصل کرنے کے لئے ثابت گندم کے دانوں کو چبانا شروع کر دے۔ گندم کو استعمال کرنے کے ایک سے زیادہ طریقے ہیں اور ہر طریقہ یکساں طور پر موثر نہیں اور اس بات سے بھی کافی فرق پڑتا ہے کہ اس کو کس طرح' کن کن چیزوں کے ساتھ اور کن حالات میں استعمال کیا جا رہا ہے۔ پیٹ کی کسی تکلیف یا بعض بیماریوں کی صورت میں بجائے فائدے کے نقصان کا بھی احتمال ہوتا ہے اس کے علاوہ خوراک کی مقدار بھی بہت اہم ہے اور غذا کو غیر مناسب مقدار میں کھانے سے نقصان بھی ہو سکتا ہے اسی طرح شہد سے شفا حاصل کرنے کے لئے بھی تحقیق کی ضرورت ہے اور جو کچھ بھی تحقیق ابھی تک ہوئی ہے وہ میرے خیال میں بہت ناکافی ہے۔

شہد کی مکھی

دوسری بات جو مقدار خوراک اور طریقہ استعمال سے بھی زیادہ اہم ہے وہ یہ کہ سورۃ نحل 16 کی آیات میں شہد کی تعریف اللہ تعالیٰ نے شہد کا نام لے کر نہیں کی۔ اب آپ ان پر غور فرمایئے اللہ تعالیٰ نے آیات 68 سے 69 میں فرمایا
وَأَوْحٰى رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ. ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ. إِنَّ

فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ۔

یعنی "اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کو الہام کیا کہ پہاڑوں میں گھر بنا اور درختوں میں اور چھتوں میں۔ پھر ہر قسم کے پھل میں سے کھا اور اپنے رب کی راہیں چل کہ تیرے لئے نرم و آسان ہیں۔ اس کے پیٹ سے ایک پینے کی چیز رنگ برنگی نکلتی ہے جس میں لوگوں کے لئے تندرستی ہے۔ بیشک اس میں نشانی ہے غور و فکر کرنے والوں کے لئے"

یعنی بجائے شہد کا نام لینے کے اسکے بننے کی تفصیل بیان فرمائی ہے جب مطلب ایک لفظ "شہد" کہہ دینے سے واضح ہو جاتا ہو تو پھر شہد کا نام لئے بغیر اس کی تفصیل بیان فرمانا مصلحت سے خالی نہیں ہے۔ غالباً اس سے مراد یہ ہے کہ جو طریقے شہد کی مکھی استعمال کرتی ہے اور جن راہوں پر چل کر وہ اور جن کیمیائی طریقوں سے اس کے پیٹ میں مختلف رنگوں کا مشروب تیار ہوتا ہے انسان اس پر تحقیق کر کے اس قسم کی چیز تیار کر سکتا ہے جو شہد نہ ہو۔ لیکن یکساں فائدہ مند اور صحت بخش ہو۔ کیونکہ اس سے مراد اگر صرف شہد ہوتا تو اللہ تعالیٰ کو شہد کا نام لکھنے میں کوئی تکلف نہیں تھا۔ خاص طور پر اس لئے کہ شہد کا عربی نام "عسل" قرآن مجید کی سورۃ محمد 47 آیت 15 میں موجود ہے لیکن وہ جنت میں شہد کی نہروں کے بیان میں ہے۔ قرآن مجید میں جو قیامت تک کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہے اللہ تعالیٰ نے شہد کا نام لئے بغیر ایک خاص مشروب کی تعریف کر کے اس مشروب کے فوائد کو اہمیت عطا فرما دی ہے۔ اسکی افادیت اور اس میں شفا ہر زمانے کے لئے ہے۔ اس لئے کچھ عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ پر تحقیق کر کے جو مشروب حاصل ہو اس میں آج کل کے دو سب سے زیادہ مہلک امراض یعنی سرطان Cancer اور Aids کے لئے بھی شفا ہو۔ ضرورت صرف غور و فکر اور تحقیق کرنے کی ہے جس کی تاکید اللہ تعالیٰ نے اسی آیت کے آخر میں مشروب کی تعریف کے فوراً بعد یہ کہہ کر کر دی ہے کہ "بیشک اس میں نشانی ہے غور و فکر کرنے والوں کے لئے"

وَلَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّکۡرِ فَہَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ (سورۃ قمر 54 آیات 17، 22، 32 اور 40)

"اور بیشک ہم نے قرآن کو نصیحت (علم) حاصل کرنے کے لئے آسان بنا دیا ہے۔ تو ہے کوئی جو غور و فکر کرے"

لہسن

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ نے سطح زمین پر بیشمار قسم کی جڑی بوٹیاں پودے اور درخت ایسے پیدا کئے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے مختلف بیماریوں کی دوا پیدا کی ہے ہم یہاں تفصیل سے ان ساری جڑی

بوٹیوں، پودوں اور درختوں کا ذکر نہیں کرنا چاہتے بلکہ صرف ایک چیز لہسن کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو تقریباً ہر کسی ہر گھر میں موجود ہوتا ہے اور مختلف ترکاریوں اور سالن میں استعمال ہوتا ہے اور یہ ہمارے لئے مشتے نمونہ از خروارے کے مصداق ثابت ہوگا۔

"لہسن یا لسن" ایک مشہور پودا ہے اور دنیا میں تقریباً ہر جگہ اس کی کاشت ہوتی ہے پرانے زمانے سے دوا کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اس کے علاوہ کھانوں میں مسالے کے طور پر ڈالا جاتا ہے اس کی تاثیر گرم اور محرک ہوتی ہے۔

لہسن دو قسم کا ہوتا ہے جوئے والا جس میں کئی جوئے ہوتے ہیں ہر گھر میں دیکھا جا سکتا ہے کیونکہ کھانوں، چٹنیوں اور اچاروں میں روزانہ کسی نہ کسی صورت میں کھایا جا سکتا ہے دوسری قسم سفید پیاز جیسے ہوتی ہے اس میں جوئے یعنی پھانکیں نہیں ہوتی یہ پہاڑی لہسن کہلاتا ہے اور عام لہسن سے تیز ہوتا ہے۔

لہسن کو دوا کے طور پر کھایا جاتا ہے اس پر بڑی تحقیقات ہوئی ہیں اور اسے بہت سے امراض کا مفید علاج پایا گیا ہے کچا بھی کھایا جاتا ہے اور دوسری چیز سے ملا کر بھی کھایا جاتا ہے اس کی بو بہت تیز ہے گھی یا تیل میں بھون لینے سے اس کی بدبو خوشبو میں بدل جاتی ہے اپنی ساری خوبیوں کی بدولت یہ غذا کا ایک اہم حصہ بن گیا ہے مثلاً گوشت اور مچھلی وغیرہ بدبو والی اشیاء کی بدبو دور کرتا ہے اس کے مسلسل استعمال سے انسان خراب آب و ہوا کے نقصانات سے محفوظ رہتا ہے یہ معدے کو قوت دیتا ہے اور ریاح کو خارج کرتا ہے اور دمے میں بلغم کو خارج کرتا ہے فالج اور لقوے کی بیماری میں مفید رہتا ہے خون کے دباؤ کو کم کرتے میں مفید ہے۔ نزلہ زکام، کھانسی، دمے اور گلے کی خناق میں تریاق کا کام کرتا ہے۔

تیل میں جلا کر تیل کی مالش کی جاتی ہے لہسن ٹی بی میں بھی مفید ہے لہسن میں ایک خاص قسم کی چکناہٹ ہوتی ہے جو انسان کے بدن میں پہنچنے کے بعد اس کا اخراج پھیپھڑوں اور جلد کے ذریعے ہوتا ہے لہذا لہسن پھیپھڑوں کی سل، کھانسی اور کالی کھانسی کے لئے اکسیر ہے۔

کالی کھانسی میں لہسن کے فائدے سے عام لوگ واقف ہیں چنانچہ لہسن کی پوتیاں چھیل کر دھاگے میں پرو کر بچے کے گلے میں لٹکا دیتے تاکہ اس کی بو ناک کے ذریعے پھیپھڑوں میں پہنچ کر افاقہ دے پھیپھڑوں کی سل میں لہسن کو سونگھنا اور اس کی دو پوتیاں شہد میں ملا کر چبانا مفید ہوتا ہے۔

بالخورہ میں داڑھی، مونچھ اور سر کے بال جگہ جگہ اڑ جاتے ہیں جس سے انسان کی شکل بگڑ جاتی ہے لہذا بالخورہ میں نہایت مفید ہے۔

چند پوتیاں ایک چٹکی سرمے کے ساتھ پیس کر جسم کے درد والی جانب لگائیں پھوڑے پھنسی پر لگانا بہت مفید ثابت ہوتا ہے کان میں پھنسی ہو لہسن کا پانی کان میں ٹپکانے سے کھل جاتی ہے یا پک جانے

سے پھوٹ جاتی ہے دانت میں کیڑا لگا ہوا ہو اور اس کی وجہ سے درد بے چین رکھتا ہے تو لہسن کی پوتی گرم کر کے دانت پر رکھ کر کچھ دیر دبائے رکھنے سے مکمل آرام ہو جاتا ہے کان اگر بہتا ہو تو لہسن دس گرام اور سندور پانچ گرام کو پیس کر سرسوں کے تیل میں لگائیں اس کے بعد تیل صاف کر کے رکھ چھوڑیں بہتا ہوا کان اس کے ٹپکانے سے بہت جلد اچھا ہو جاتا ہے۔

آج کل لہسن پر بہت مفید تحقیق (Research) ہوئی ہے اور اس کی گولیاں تیار کرائی گئی ہیں جن کا نام ودیسر ہے ان کے قرص بنائے گئے ہیں ان قرصوں کو امراض شکم امراض صدر اور امراض خون روز مرہ کی بیماریوں کی روک تھام کے لئے حفظ ماتقدم کے طور پر اور شکم سینہ اور خون کے امراض [illegible] طور پر کامیابی اور یقین کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔

یہ تھا اللہ کی تخلیق میں سے ایک بہت معمولی پودے کا تذکرہ اس کے علاوہ بیشمار قسم کی جڑی بوٹیاں پودے اور درخت اور بھی ہیں جن میں کچھ نہ کچھ خصوصیات ضرور ہوتی ہیں یہ خصوصیات ان میں کس نے ڈال دی ہیں؟ ان کے خالق نے۔

فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ (سورۃ مومنون 23 آیت 14)

یہ حقیقت بھی سامنے رکھنے کی ہے کہ بیماری کا آنا کوئی گناہ یا عیب کی بات نہیں ہے اس کے ذریعے اگر ایک طرف اللہ تعالیٰ اپنے بندے کا امتحان لیتا ہے تو دوسری طرف اس کے صبر کا جائزہ بھی لیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ (سورۃ بقرہ 2 آیت 155)

"ہم آپ کو ضرور بالضرور خوف بھوک مالوں میں کمی بیماری اور موت اور پھلوں میں کمی سے آزمائیں گے پس خوشخبری دو ان لوگوں کو جن کو اگر کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہہ اٹھتے ہیں کہ ہم بھی اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے۔ پس اسلام نے بیماری کو گناہوں کا کفارہ قرار دیا ہے۔

آپ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَیُکَفِّرُ عَنِ الْمُؤْمِنِ خَطَایَاہُ کُلَّهَا بِحُمّٰی لَیْلَةٍ (صحیح بخاری)

"اللہ تعالیٰ ایک رات کے بخار سے مومن کے سارے گناہوں کو معاف کرتا ہے"

ایک دوسری حدیث شریف میں آیا ہے۔

اَلْاَمْرَاضُ کَفَّارَةٌ لِمَا مَضٰی (صحیح بخاری)

"بیماریاں سارے گناہوں کا کفارہ ہیں"

علاج ومعالجے کا فلسفہ

اب دیکھنا یہ ہے کہ علاج اور معالجے میں فلسفہ کیا ہے؟ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا

یارب ممن الداء

"اے میرے رب بیماری کس سے ہے؟"

اللہ تعالیٰ نے جواب دیا، میری طرف سے انہوں نے پھر پوچھا ممن الدواء دوائی کس کی طرف سے ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا میری طرف سے۔

انہوں نے پھر پوچھا

فلما بال الطبیب؟

"اے میرے رب! پھر طبیب کس مرض کی دوا ہے؟ اللہ نے جواب دیا طبیب کے ہاتھ پر دوائی دیتا ہوں"

اس مکالمے سے یہ بات مترشح ہوئی کہ بیماری اور دوائی دونوں اللہ کی طرف سے ہیں ڈاکٹر کا کام یہ ہے کہ مریض کی بیماری کو معلوم کرے اور پھر اس کا علاج تجویز کرے اور پرہیز بتائے۔

توکل اور علاج

رسول کریمؐ نے ایک دفعہ ڈاکٹروں کو بلایا تا کہ ایک مریض کا علاج کریں ڈاکٹروں نے کہا علاج کی کیا ضرورت ہے اللہ تعالیٰ پر توکل کافی ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔

عالجاہ فان الذی انزل الداء انزل الدواء ثم جعل فیہ شفاء فقال فعالجاہ فبرء (صحیح بخاری، سنن ابن ماجہ، سنن ابو داؤد)

"آپ دونوں اس کا علاج کریں اس لئے کہ جس نے بیماری پیدا کی ہے اس نے دوائی بھی پیدا کی ہے پھر اس دوائی میں شفا بھی ودیعت کر رکھی ہے چنانچہ ان ڈاکٹروں نے اس مریض کا علاج کیا اور وہ ٹھیک ہوا"

حدیث شریف سے یہ مطلب بھی اخذ ہوتا ہے کہ اگر کسی بیمار کی بیماری سخت ہو جائے تو اس کا علاج بہت سارے ڈاکٹر آپس میں مشورہ سے کریں کہ اگر ایک ڈاکٹر اس کی تشخیص نہ کر سکے تو دوسرے کر سکیں گے مشورے میں ویسے ہی برکت ہوتی ہے۔

دوائی اور تقدیر

ایک دفعہ ایک شخص نے رسول کریمؐ سے پوچھا کیا تقدیر کے مقابلے میں دوائی کارگر ثابت ہو سکتی ہے؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔

الدَّوَاءُ مِنَ الْقَدَرِ وَ هُوَ يَنْفَعُ مَنْ يَشَاءُ بِمَا يَشَاءُ (صحیح بخاری، سنن ابن ماجہ، سنن ابو داؤد)

"دوائی بھی تقدیر میں لکھی ہوئی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ جسکو چاہے اور جس چیز سے چاہے فائدہ پہنچاتا ہے"

ایک اور حدیث شریف میں آیا ہے۔

لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ فَإِذَا أُصِيبَ دَوَاءُ الدَّاءِ بَرَأَ بِإِذْنِ اللَّهِ (مستدرک حاکم)

"ہر بیماری کا علاج ممکن ہے جب بیماری کے لئے صحیح دوائی تجویز ہو تو وہ پھر اللہ کے حکم سے ٹھیک ہوتی ہے"

اس حدیث شریف سے یہ مطلب اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر کو مریض کی بیماری معلوم کرنے میں خاصی کوشش کرنی چاہئے۔ اور جب بیماری کی صحیح تشخیص ہو جائے تو اس کے لئے پھر مناسب دوائی تجویز کرنی چاہئے اور صحیح اور مناسب احتیاط بھی بتانی چاہئے۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے۔

مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ دَاءٍ إِلَّا وَ أَنْزَلَ لَهُ شِفَاءً

"اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری بھی لا علاج پیدا نہیں کی ہے" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ

1- بیماری اللہ کی طرف سے ہے۔
2- مریض اور مرض کی صحیح تشخیص کرنی چاہئے اور صحیح دوائی تجویز کرنی چاہئے۔
3- کوئی بھی بیماری لا علاج نہیں ہے یہ الگ بات ہے کہ ڈاکٹروں کی غفلت اور سستی یا تحقیق و تفتیش نہ کرنے کی بناء پر اگر کوئی بیمار مرتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے باز پرس کرے گا۔

ایک اور حدیث شریف میں آیا ہے۔

دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَى مَرِيضٍ يَعُودُهُ فَقَالَ أَرْسِلُوا إِلَى طَبِيبٍ فَقَالَ قَائِلٌ وَ أَنْتَ تَقُولُ ذَلِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ نَعَمْ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَ جَلَّ لَمْ يُنْزِلْ دَاءً إِلَّا وَ أَنْزَلَ لَهُ دَوَاءً

"رسول کریم ﷺ ایک دفعہ ایک مریض کی عیادت کے لئے گئے آپ نے فرمایا ڈاکٹر کو بلاؤ ایک سائل نے حیرت سے پوچھا! یا آپ ایسا کہتے ہیں اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا۔ ہاں! اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری لا علاج نہیں چھوڑی ہے۔ ہر بیماری کے لئے دوائی موجود ہے۔"

بعض ڈاکٹر حضرات ایسے بھی ہیں جو علاج نہیں کر سکتے یا ان کو ڈاکٹری کا پورا علم اور تجربہ نہیں ہوتا یا ان کو اس بارے میں تربیت نہیں ملی ہوتی یا مریض کی پوری تشخیص نہیں کرتے، کسی مریض کو غلط دوائی دیتے ہیں یا غفلت، کام چوری اور سستی کی وجہ سے کوئی مریض فوت ہو جاتا ہے یا اس کا کوئی عضو ضائع ہو جاتا ہے یا غلط آپریشن کرتے ہیں ایسے ڈاکٹروں کے بارے میں رسول کریمؐ نے فرمایا ہے۔

مَنْ تَطَبَّبَ وَ لَمْ يُعْلَمْ مِنْهُ الطِّبُّ قَبْلَ ذَلِكَ فَهُوَ ضَامِنٌ (سنن ابو داؤد)

"جس نے کسی مریض کا علاج کیا مگر وہ حقیقت میں ڈاکٹر نہیں تھا یعنی نیم حکیم تھا یا طبابت کا تجربہ نہیں تھا، یا مذکورہ بالا باتوں کا خیال نہیں رکھا تھا تو اس مریض کو اگر کوئی نقصان پہنچے تو اس کا تاوان اس کے ذمہ ہوگا۔"

ناپاک دوا کی ممانعت

نَهَى رَسُولُ اللَّهِ عَنِ الدَّوَاءِ الْخَبِيثِ (سنن ابن ماجہ)

"رسول کریم ﷺ نے ناپاک دوا کھانے سے منع فرمایا ہے"

ناپاک دوائی سے شراب بھی مراد لی جا سکتی ہے اور وہ دوائی بھی جس کے استعمال کا عرصہ ختم ہو چکا ہوتا ہے یعنی Expired ہوتی ہے اس سے صاف اور ستھری دوائی بھی مراد لی جا سکتی ہے اس سے یہ مطلب بھی لیا جا سکتا ہے کہ مریض کا بستر، کھانا، پینا کھانے پینے کے برتن انجکشن اور دوا صاف ہونی چاہئے اور صاف ہاتھوں سے دینی چاہئے اس کے ساتھ ساتھ مریض کے ارد گرد کا ماحول بھی صاف اور ستھرا رکھنا چاہئے بیت الخلاء، غسل خانہ اور اس کے کپڑے بھی صاف ہونے چاہئیں اسلام نے مضر دوائی کے استعمال سے روک رکھا ہے کہتے ہیں کہ

دَعِ الدَّوَاءَ مَا احْتَمَلَ جَسَدُكَ الدَّاءَ

"اس دوائی کا استعمال ترک کر دو جس سے جسم کو نقصان (Side effct) پہنچنے کا احتمال ہو اس میں سخت اثر (Antibiotics) بھی شامل ہیں اور وہ دوائی بھی جس کا اثر (Side effct) زیادہ ہو"

آپریشن Operation

اسلام نے ضرورت کے وقت عمل جراحی کی بھی اجازت دی ہے کہتے ہیں کہ

إِنَّ النَّبِيَّ أَمَرَ طَبِيبًا أَنْ يَبُطَّ بَطْنَ رَجُلٍ أَجْوَى الْبَطْنِ

"نبی کریمؐ نے ایک ڈاکٹر کو حکم دیا کہ وہ استسقاء کے ایک مریض کے پیٹ میں سوراخ کر کے اس کے پانی کو خارج کر دے اس کے لئے آج کل سوئیاں استعمال کی جاتی ہیں"

پھوڑے پھنسیوں کا عمل جراحی

اس طرح اسلامی تاریخ میں پھوڑوں پھنسیوں کا عمل جراحی بھی ہوا ہے ایک راوی کہتے ہیں۔

دخلت مع النبی علی رجل یعوده بظهره ورم فقالوا یا رسول الله بهذه مدة قال بطوا عنه قال علی فما برحت حتی بطت

"ایک صحابی سے روایت ہے کہ میں آپ کے ساتھ مریض کی عیادت کے لئے گیا اس کی پیٹھ پر ایک پھوڑا تھا جس میں پیپ بھرا ہوا تھا آپ نے فرمایا اس کا عمل جراحی کرو۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم کے سامنے اس کا عمل جراحی کیا اور وہ اللہ کے کرم سے درست ہوا"

ڈاکٹری کے علاج کے ساتھ ساتھ نفسیاتی اور روحانی علاج بھی ضروری ہے۔ نماز سورة فاتحہ معوذتین (113)(114) اور سورة اخلاص (112) سے دم کرنا مفید ثابت ہوا ہے اور یہ ایک اچھا نفسیاتی علاج ہے۔ آپ نے فرمایا ہے۔

علیکم بالشفائین العسل والقرآن (صحیح بخاری)

"دو چیزوں میں شفا طلب کر لیا کرو۔ قرآن میں اور شہد میں"

شہد میں تو اس لئے کہ اس میں ان گنت پودوں کے پھولوں کا رس شامل ہوتا ہے جو مختلف بیماریوں کا علاج ہے قرآن میں اس لئے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اگر جمادات سے شعاعیں نکل سکتی ہیں اور ان کے ذریعے ریڈار کام کرتا ہے اگر بجلی کی شعاعوں سے مختلف بیماریاں درست ہو سکتی ہیں اور اگر ایکسرے مشین بجلی کی شعاعوں پر کام کر سکتی ہیں اور اگر بجلی کی شعاعوں سے ناسور کا علاج ہو سکتا ہے تو پھر قرآن کے ایک ایک حرف سے بھی شعاعیں نکل سکتی ہیں الفاظ میں بھی تو اثر ہوتا ہے اگر کوئی کسی کو گالیاں دے تو آدمی بہت سخت غصہ ہوتا ہے اور اگر کوئی کسی کو نرم اور پیار کی بات کرے تو مخاطب بہت زیادہ خوش ہوتا ہے اس لئے اگر قرآن مجید سے کسی کو دم کیا جائے تو وہ بھی ٹھیک ہو سکتا ہے مگر قرآن مجید کے دم کے ساتھ ساتھ دوائی بھی استعمال کرنی چاہئے۔ گویا کہ پہلے دوا اور پھر دعا حقیقت تو یہ ہے کہ شفا دینے والے تو اللہ ہیں قرآن مجید بھی اس کا کلام ہے اور جڑی بوٹی بھی اللہ کی مخلوق ہے دوائی بھی اللہ کی پیدا کردہ ہے اور دعا بھی اللہ کی تجویز کردہ ہے یہی وجہ ہے کہ حکیم لوگ اکثر اپنے نسخوں پر لکھ دیتے ہیں۔

(ھو الشافی) یعنی "شفا دینے والا اللہ ہے"

مریض کی تکلیف کو کم کرنے کے لئے شریعت نے ایک اور تجویز بھی پیش کی ہے اور یہ نفسیاتی علاج میں شمار ہو سکتا ہے وہ ہے مریض کی بیمار پرسی۔ نبی کریم ﷺ بیماروں کی بیمار پرسی ضرور کرتے اور ان کی تکلیف میں برابر کے شریک رہتے آپ اپنے دوستوں سے فرماتے بیمار کی بیمار پرسی ہر مسلمان کے فرائض میں سے ہے۔ (صحیح بخاری)

آپ مریض کی بیمار پرسی میں دوست دشمن مومن اور کافر میں فرق روا نہیں رکھتے تھے۔ آپ ایک دفعہ ایک یہودی کی بیمار پرسی کے لئے بھی تشریف لے گئے اور ایک منافق کی بھی بیمار پرسی کی۔ (صحیح مسلم سنن ابوداؤد)

عبداللہ بن ثابت نامی ایک صحابی بیمار ہو گئے آپ اس کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے گئے وہ اس وقت بے ہوش تھے۔ آپ نے اس کی آواز دی مگر وہ بے ہوشی کی وجہ سے آواز نہ سن سکے۔ آپ نے فرمایا افسوس کہ تم کو ہوش میں لانے کے لئے ہمارا زور نہیں چلتا جب عورتوں نے یہ بات سنی تو رونے لگیں لوگوں نے ان کو منع کرنا چاہا۔ آپ نے فرمایا اس وقت ان کو رونے دو۔ عدت کے بعد پھر رونا جائز نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد)

حضرت جابرؓ جب بیمار ہو گئے تو اگرچہ آپ کا گھر دور تھا مگر پھر بھی آپ پیادہ پا ان کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے جاتے ایک دفعہ بیمار پڑ گئے آپ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ گئے اس وقت حضرت جابرؓ بے ہوش تھے۔ آپ نے پانی منگوایا وضو کیا اور باقی ماندہ پانی ان کے چہرے پر ڈالا حضرت جابرؓ ہوش میں آ گئے۔ (صحیح بخاری)

ایک دفعہ ایک آدمی بیمار پڑ گئے آپ کئی بار بیمار پرسی کے لئے تشریف لے گئے (صحیح بخاری)

ایک دفعہ حضرت سعد بن عبادہؓ بیمار ہو گئے آپ بیمار پرسی کے لئے تشریف لے گئے جب آپ نے اس کو دیکھا تو آپ کا دل نرم پڑ گیا اور آنکھوں میں آنسو آ گئے لوگوں نے آپ کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تو خود بھی رونے لگے (صحیح بخاری)

آپ نے فرمایا ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اگر وہ بیمار پڑ جائے تو اس کی عیادت کی جائے۔ (صحیح بخاری)

آپ نے صحابہ کرام کو سات باتوں کا حکم دیا ان میں سے ایک بیمار کی عیادت ہے فرمایا۔ جب کوئی کسی کی عیادت کے لئے جائے تو اس کے ہاتھ اور پیشانی پر ہاتھ رکھے اور اس کو تسلی اور دلاسہ دے اور اس کی شفایابی کے لئے خدا سے دعا مانگے (صحیح بخاری)

یہی بات تو یہ ہے کہ اس سے بیمار کی تکلیف کافی حد تک کم ہو جاتی ہے اور وہ اپنے آپ کو اس مصیبت میں تنہا محسوس نہیں کرتا مگر ہمدردی کا اظہار صرف بیمار پرسی کی حد تک محدود نہیں کرنا چاہئے بیمار پرسی کا مطلب یہ بھی ہے کہ اس کی تیمارداری کی جائے اس کے غم میں ہر ممکن طریقے سے شرکت کی جائے اگر گھر کے کام کاج کے لئے اس کے پاس کوئی دوسرا فرد موجود نہ ہو تو اس کے گھر کے کام کاج کا بندوبست کرنا چاہئے الغرض ہر ممکن طریقے سے بیمار کے دکھ درد میں شرکت اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے اور اس تقاضے کو پورا کرنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔

بوعلی سینا

فن طب میں بوعلی سینا کا نام محتاج تعارف نہیں ہے وہ ایک مشہور طبیب' ریاضی دان ماہر علوم فلکیات اور سائنسدان گزرے ہیں۔ وہ عام طور پر شیخ الرئیس یعنی علم و حکمت کے بادشاہ کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔

بوعلی سینا 370ھ مطابق 980ء میں خرشین میں پیدا ہوئے۔ دس سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا۔ کئی اساتذہ سے حساب فقہ اور علم کی تعلیم حاصل کی۔

دس سال کی عمر میں قرآن حفظ کرنے کے بعد دوسرے علوم کی طرف متوجہ ہوئے اور طب منطق الفلسفہ انجینئرنگ اور علم ہیئت کا گہرا مطالعہ کیا اور طب میں خوب مہارت حاصل کی۔

علاج و معالجہ کے ذریعے اپنی معلومات میں خاصہ اضافہ کیا۔ کہتے ہیں کہ جب علم طب ناپید ہوا تو بقراط نے اس کو دوبارہ وجود بخشا۔ اور جب وہ مر گیا تو حکیم جالینوس نے اس کو دوبارہ زندہ کیا اور جب منتشر ہوا تو امام رازی نے اس کو دوبارہ اکٹھا کیا اور جب ناقص ہوا تو بوعلی سینا نے اس کی تکمیل کی۔

سولہ سترہ سال کی عمر میں انہوں نے بخارا کے حاکم نوح بن منصور کا علاج نہایت کامیابی کے ساتھ کیا اس کے بدلے ان کو شاہی کتب خانے کا مہتمم بنایا گیا۔ یہاں انہوں نے اپنے وقت کا ایک ایک لمحہ مطالعہ میں صرف کیا اور بڑی شہرت حاصل کی۔

ابن سینا کی تصنیفات بے شمار ہیں اور نظم و نثر دونوں میں ہیں زیادہ تر عربی میں ہیں بعض فارسی میں بھی ہیں ان کی تصنیفات میں شاہکار الشفاء ہے اس کے بعض حصے چھپ چکے ہیں اور بعض حصوں کا لاطینی زبان میں ترجمہ ہوا ہے۔ اس میں انہوں نے اپنا سارا فلسفہ بیان کیا ہے۔

زندگی کے آخری ایام میں "والاشارات والتنبیھات" نامی کتاب لکھی۔ اس کا ترجمہ بے شمار زبانوں میں ہوا ہے یہ ابن سینا کے فلسفے کی ایک ترمیمی شکل ہے۔

ابن سینا کی تیسری کتاب "الھدایہ" ہے اس میں انہوں نے منطق' فزکس اور مذہب پر بحث کی ہے اسلامی فکر کی تاریخ میں اس کتاب کو بلند مقام حاصل ہے۔

طب میں ان کی مشہور کتاب "القانون فی الطب" ہے یہ طبی معلومات کا ایک مستند اور جامع مجموعہ ہے۔ اس میں انہوں نے طب قدیم اور طب جدید سے متعلق بہت اہم معلومات بڑی محنت سے جمع کی ہیں یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کے چھپنے سے حکیم جالینوس رازی اور علی ابن عباس کی تصنیفات کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سترہویں صدی عیسوی تک مشرق و مغرب دونوں میں طب کی تعلیم اس کتاب کی روشنی میں دی جاتی رہی ہے۔

طب قدیم کی انتہا حکیم جالینوس پر ہوئی تھی۔ مگر ابن سینا جالینوس سے بھی آگے نکل گئے تھے انہوں نے درد کی 15 کیفیتیں بیان کی ہیں انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ دق ایک متعدی بیماری ہے اور یہ کہ بیماریوں کے پھیلاؤ میں ہوا اور پانی کا بہت بڑا حصہ ہے۔ انہوں نے Skin Diseases پر بہت بڑی تحقیق کی تھی اور جنسی امراض اور اعصابی شکایات پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

دوائیوں کی خاصیتوں پر تحقیق کی اور ٹیسٹ اور ڈوسٹ کے طور طریقوں کا ایک تفصیلی پروگرام تجویز کیا۔ یورپ میں یہ کتاب کینن میڈیسنا (Canon Medicina) کے نام سے مشہور ہے۔

چھاپے خانے کی ایجاد سے تقریباً تیس سال بعد اس کتاب کا متن 1476ء میں روم میں چار جلدوں میں شائع ہوا

ابن سینا کی کتاب "قانون" کا ترجمہ لاطینی زبان میں 1544ء میں اور عبرانی میں 1496ء میں ہوا۔ طب میں ان کی ایک اور مشہور کتاب "الادویات القلبیہ" ہے اس کا ترکی میں ترجمہ ہوا ہے۔

ابن سینا ریاضی کے بھی بڑے ماہر تھے اس میدان میں انہوں نے کئی رسالے لکھے ہمدان میں انہوں نے ایک رصدگاہ قائم کی تھی۔

فزکس میں حرکت' اتصال' قوت' خلا' نور اور حرارت کا گہرا مطالعہ کیا۔ نور کی رفتار کا جائزہ لیا۔ وزن مخصوص پر بحث کی "تسع رسائل فی الحکمۃ والطبعیات" میں انہوں نے فزکس کے مختلف مسائل پر بحث کی ہے۔

بوعلی سینا کیمیاگری کے مخالف تھے۔ یعنی یہ کہ کیمیاوی طریقے سے سونا بنایا جا سکتا ہے۔

ان کی کتابوں میں "رسالہ معدنیات" بھی خاصہ مشہور ہے جو تیرہویں صدی تک زمین سے متعلق معلومات کا واحد سرچشمہ رہا۔ انہوں نے متحجرات (Fossils) پر تفصیلی بات کی ہے اور پہاڑوں کی بناوٹ اور ساخت کے متعلق بہت مفید معلومات فراہم کی ہیں۔

مگر افسوس کا مقام ہے کہ ان موضوعات کے اکثر مقالے جو لاطینی زبان میں ترجمہ ہوئے ہیں یورپ والوں کی طرف منسوب کیے گئے ہیں حالانکہ یہ ابن سینا کی تصنیفات میں سے ہیں۔

ابوالقاسم ابن عباس زہراوی

فن طب میں ابوالقاسم ابن عباس زہراوی 395ھ بمطابق 1009ء کا نام بھی قابل ذکر ہے آپ نے علاج کے دو طریقے ایجاد کیے۔

1- علاج بالدوا Treatment by Medicine
2- علاج بالجراحت Treatment by Surgery

ابوالقاسم نے سرجری کے ذریعے علاج کا طریقہ مرتب کیا اور اسے ایک مستقل فن کی حیثیت دی۔

اس نے مختلف بیماریوں کی نشاندہی کی۔ مثلاً حلق میں غدود کا بڑھ جانا (ٹانسلز) آنکھ میں موتیا بند کی بیماری اور پھوڑے پھنسیاں وغیرہ۔

چونکہ آپ نے فن جراحت کو ترقی دی اس لئے اس کے لئے مختلف آلات جراحت بھی ایجاد کئے۔ آلات کی شکلیں وہ کاغذ پر بنایا کرتا تھا پھر کاریگر ان شکلوں کو سامنے رکھ کر ان جیسے آلات بنایا کرتا تھا۔ ان آلات جراحت کی تعداد 100 کے قریب بتائی جاتی ہے۔

زہراوی نے جسم کے اندر آپریشن اور آنتوں کے آپریشن کے طریقے اور اصول بھی اس نے بیان کئے ہیں۔

سرطان Cancer کے بارے میں اس کی تحقیق یہ تھی کہ زخم کو چھیڑنا نہیں چاہئے بلکہ دواؤں سے اس کا علاج جاری رکھنا چاہئے۔

آنکھ کے آپریشن کے طریقے اور اصول بھی اس نے بیان کئے ہیں اور اس میں موجود خطرات کی نشاندہی بھی کی ہے۔

اس نے ہڈیوں کے کاٹنے کا طریقہ بھی بتایا ہے۔ ہڈیوں کو کیسے اور کب کاٹا جاتا ہے۔ اس کے لئے مناسب آلات Instruments کون سے ہیں اس میں کون کونسی احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت ہے ان سب پر انہوں نے قلم اٹھایا۔

آپریشن کرتے وقت مریض کو کس طرح بیہوش کیا جاتا ہے اور اس کے لئے کونسی دوائی استعمال کی جاتی ہے۔ بے ہوش کرتے وقت کونسی احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت ہے ان سب کو اس نے اپنی کتاب تصریف میں بیان کیا ہے۔

سیاسیات
Political Science

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات پیدا کیا ہے ساتھ ساتھ اس کی فطرت میں یہ بات بھی ودیعت کر رکھی ہے کہ وہ اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے ساتھ اکٹھا رہنے پر مجبور ہے اور یہ اس لئے کہ وہ تنہا اپنی ساری ضروریات پوری نہیں کر سکتا۔ اس میں وہ دوسروں کے تعاون کا محتاج ہے اس لئے ایک اشرف المخلوقات کی حیثیت سے اس کے لئے کچھ ایسی مستقل اقدار Permanent Values وضع کرنے کی ضرورت تھی جن کی روشنی میں وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کامیابی سے گزارے۔

اس کے برعکس جن لوگوں کے ہاں انسان معاشرتی حیوان (Social Animal) ہے۔ ان کی

اس فکر یا نظریے کی روشنی میں وہ اس کے لئے کچھ ایسی مستقل اقدار کے ضروری ہونے کے قائل نہیں ہیں جو اصل الاصول کی حیثیت رکھتی ہیں اور جو ہر حالت میں قائم و دائم رہتی ہیں اس نظریے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان کی خواہشات اقدار کی تابع نہیں ہوتیں بلکہ اقدار اس کی خواہشات کے تابع ہوتی ہیں۔ اس لئے غیر اسلامی معاشروں میں جہاں انسان کو معاشرتی حیوان کیا جاتا ہے مستقل اقدار دیکھنے میں نہیں آتیں۔ یہاں اقدار انسانی خواہشات اور رائے عامہ کے دباؤ کے تحت بدلتی رہتی ہیں۔

اسلام انسان کی اجتماعی زندگی کو منظم کرنے کے لئے اپنا ایک خصوصی سیاسی پروگرام رکھتا ہے اور یہ سیاسی پروگرام یا نظام چند ایک مستقل اصولوں پر قائم ہے جو بدلتے نہیں۔

اسلام کے سیاسی نظام کی پہلی بنیادی بات حاکمیت یعنی اقتدار اعلیٰ (Sovereignty) اور یہ حاکمیت اللہ کی ہے۔ قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں اللہ مالک الملک ہے۔ ساری کائنات اسی کی پیدا کردہ ہے اور وہ اپنی مخلوق کی فطرت اور ضرورتوں سے کما حقہ واقف ہے اس لئے اس کو یہ حق حاصل ہے کہ اقتدار اعلیٰ یا حاکمیت اسی کی تسلیم کی جائے۔ اس کے سوا اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اس کی مخلوق پر اپنی مرضی کے مطابق حکمرانی کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کی وضاحت بے شمار آیات میں کی ہے ارشاد باری ہے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ (سورۃ آل عمران 3 آیت 26)

"کہو اے اللہ! مالک الملک! تو جس کو چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے ملک چھین لے"

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ (سورۃ فاطر 35 آیت 13)

"وہ ہے اللہ تمہارا رب ملک اسی کا ہے"

لَمْ يَكُنْ لَّهُ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ (سورۃ بنی اسرائیل 17 آیت 111)

"بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے"

فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ (سورۃ مومن 40 آیت 12)

"لہٰذا حکم اللہ بزرگ و برتر کے لئے خاص ہے"

يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ (سورۃ آل عمران 3 آیت 154)

"لوگ پوچھتے ہیں کیا امر میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے کہو کہ امر سارا اللہ ہی کے لئے ہے"

اس لئے جب بادشاہی اللہ کی ہے اور حاکمیت بھی اللہ کی ہے تو پھر قانون بھی اسی کا چلنا چاہئے۔ انسان اس کا بندہ اور غلام ہے اور بندہ یا غلام محکوم ہوتا ہے اور محکوم کا کام یہ ہوتا ہے کہ اپنے آقا اور مالک کا حکم بلا چون و چرا تسلیم کرے۔ خواہ مخواہ اس کے قانون کے سامنے سر تسلیم خم کرے۔ یہاں اصل الاصول

یہ ہے کہ پہلے اپنے کسی قضیئے کا حل قرآن میں تلاش کرے اگر قرآن میں اس کا حل نہ ملے تو پھر اللہ کے بھیجے ہوئے رسول کی سنت میں اس کا حل تلاش کرے اگر وہاں بھی اس کا حل نہ ملے تو پھر ایک جید عالم کو اس مسئلے کا حل اپنے علم کی روشنی میں تلاش کرنا چاہیے اس کو اجتہاد کہتے ہیں۔

کتاب اللہ اور سنت رسول کی موجودگی میں کوئی بھی عالم کسی مسئلے کا حل اپنے علم کی روشنی میں تلاش نہیں کرسکتا۔ یہ قطعی طور پر اسلام کے قانون سازی کے اصول کے خلاف ہے بلکہ ایسا کرنا حقیقت میں اللہ کی حاکمیت کو چیلنج کرنا ہے اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (سورۃ مائدہ 5 آیت 44)

"اور جو اللہ کے اتارے ہوئے قانون (قرآن) کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو ایسے تمام لوگ کافر ہیں"

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ (سورۃ نحل 16 آیت 116)

"اور تم اپنی زبانوں سے جن چیزوں کا ذکر کرتے ہو ان کے متعلق جھوٹ گھڑ کر یہ نہ کہا کرو یہ حلال (Lawful) ہیں اور یہ حرام (Unlawful) ہیں"

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ (سورۃ اعراف 7 آیت 3)

"جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف اتارا گیا ہے اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا دوسرے اولیاء کی پیروی نہ کرو"

جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ انسان اللہ کا بندہ ہے اور ایک بندہ کی حیثیت سے وہ اپنے آقا کے احکام کے مطابق زندگی گزارنے پر مجبور ہے اللہ کی زمین پر وہ اللہ کا نائب خلیفہ یا امام ہے اور خلافت نیابت یا امامت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اللہ کی زمین کا انتظام و انصرام اللہ کے بھیجے ہوئے قانون کے مطابق کرے گا۔ یہ قانون اللہ نے اپنے مخصوص بندوں کے ذریعے اتارا ہے جن کو پیغمبر کہتے ہیں۔ اس کی اطاعت درحقیقت اللہ کی اطاعت ہوتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (سورۃ نساء 4 آیت 64)

"اور ہم نے رسول بھی بھیجا ہے اس لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے"

نبی کریم کی طرف جو وحی نازل ہوئی ہے اس کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ (سورۃ نساء 4 آیت 105)

"اے نبی ہم نے تمہاری طرف کتاب برحق نازل کی ہے تا کہ تم لوگوں کے درمیان اس روشنی کے

مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے تمہیں دکھائی ہے"

یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ رسول شارع بھی ہے اور شارع بھی ایک شارح کی حیثیت سے انہوں نے قرآن کی بعض مجمل آیات کی تشریح کی ہے اور اسی تشریح کی روشنی میں ہم قرآن کی بے شمار آیات کا مفہوم سمجھنے میں کامیاب ہوئے ہیں مثلاً نماز روزہ زکوٰۃ حج وغیرہ۔ نبی کریم کی تشریح کے بغیر ہم ان عبادات کی موجودہ مروج حیثیت آیت متعین نہیں کر سکتے۔ یہی تشریح احادیث کی شکل میں محفوظ ہے۔ اسی طرح ایک شارع کی حیثیت سے انہوں نے خود بھی قانون سازی کی ہے وہ بھی ہمارے پاس احادیث کی شکل میں موجود ہے۔ مگر یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ انہوں نے بھی کبھی قرآن کے خلاف قانون سازی نہیں کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (سورۃ نجم 53 آیت 3 سے 4)

"وہ اپنی طرف سے بات نہیں کرتے بلکہ وہ وحی ہوتی ہے جو ان کو کی جاتی ہے"

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (سورۃ نساء 4 آیت 80)

"جس نے رسول کی اطاعت کی گویا کہ اللہ کی اطاعت کی"

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (سورۃ حشر 59 آیت 7)

"جو کچھ رسول تم کو دیں اسے لے لو اور جس سے تم کو روک دیں اس سے رک جاؤ"

ان اصولوں کی بنیاد پر اسلام کے سیاسی نظام کا جو ڈھانچہ بنتا ہے اس کے خصوصیات یہ ہیں۔

یہ ایک جمہوری خلافت ہوگی۔ خلافت نیابت یا امامت کا یہ بلند منصب کسی خاص فرد خاندان یا کسی مخصوص طبقے کی جاگیر نہیں ہے بلکہ یہ ان تمام لوگوں کا حق ہے جو اللہ کو اپنا مقتدر اعلیٰ تسلیم کرتے ہیں اور اپنے رسول کے ذریعے جو قانون اس نے نازل کیا ہے اس کو آخری اور قطعی مانتے ہیں۔ اللہ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (سورۃ نور 24 آیت 55)

"اللہ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کیا ہے کہ وہ ضرور ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا"

مگر جمہوری خلافت سے یہاں مراد یہ نہیں ہے کہ حاکمیت یا اقتدار اعلیٰ ان لوگوں کا ہے یا قانون بھی لوگوں کا بنا ہوا چلے گا۔ یہ خصوصیات تو مغربی طرز جمہوریت کی ہیں جس میں عوام مقتدر اعلیٰ ہوتے ہیں۔ قانون بھی انسانوں کا بنا ہوا ہوتا ہے۔ حاکم کا انتخاب بھی عوام کرتے ہیں اور اسے اتارتے بھی وہ ہیں۔

اس کے برعکس اسلام کے جمہوری نظام میں مقتدر اعلیٰ (Absolute Sovereign) صرف اللہ ہے۔ قانون بھی اسی کا چلتا ہے اور عوام اللہ کے نائب ہیں۔ ان کو خلیفہ امیر یا امام کے انتخاب کا حق حاصل

ہے وہ اس کو اتار بھی سکتے ہیں گویا کہ مغرب کی جمہوری ریاست ایک مطلق العنان ریاست ہے جب کہ اسلامی ریاست ایک جمہوری خلافت ہے جو اللہ کے قانون اور حکم کا پابند و مطیع ہے۔

اسلامی ریاست کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ ریاست کے وجود کا ایک متعین مقصد ہوتا ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (سورۃ حج 22 آیت 41)

"مسلمان وہ لوگ ہیں جن کو اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں گے تو وہ نماز قائم کریں گے زکوٰۃ دیں گے نیکی کا حکم کریں گے اور بدی سے روکیں گے"

یعنی اقتدار ملنے کے بعد اولیت ان کاموں کو دی جائے گی۔ اقامت نماز، نظام زکوٰۃ کا قیام اور نیکی کا فروغ اور برائی کی بیخ کنی۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (سورۃ حدید 57 آیت 25)

"ہم نے اپنے رسول روشن دلائل کے ساتھ بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں"

اِنَّ اللّٰهَ لَيَزَعُ بِالسُّلْطَانِ مَا لَمْ يَزَعْ بِالْقُرْآنِ

"اللہ حکومت کے ذریعے سے ان چیزوں کا سدباب کرتا ہے جن کا سدباب قرآن کے ذریعے سے نہیں کرتا۔"

مطلب یہ کہ ایک اسلامی ریاست کے قیام کا مقصد ان تمام کاموں کو عملی شکل دینا ہے جو اسلام نے انسانیت کے فائدے کے لئے ضروری سمجھا ہے جو کام انسان کے فائدے اور فلاح و بہبود کے ہوتے ہیں ان کو فروغ دینا اور جو انسان کو انسانیت کی سطح سے گراتے ہیں ان کی بیخ کنی کرنا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔

اسلامی ریاست کی ایک اور خصوصیت حکومت کی تشکیل ہے جس میں امام، خلیفہ یا امیر کا تقرر بنیادی حیثیت رکھتا ہے مگر خلیفہ یا امیر کے تقرر کے بارے میں ہمارے پاس کوئی متعین طریق کار نہیں ہے۔ رسول اللہ نے اس کے بارے میں واضح اور قطعی ہدایات نہیں دی ہیں۔ مگر آپؐ کے صحابہ کرام نے ان تعلیمات کی روشنی میں۔

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (سورۃ شوریٰ 42 آیت 38)

"ان کے معاملات باہمی مشورہ سے طے ہوتے ہیں"

یہ اصول وضع کر لیا کہ امیر یا خلیفہ کا تقرر عام مسلمانوں کی رائے اور مشورے سے ہوگا۔ اس کا عملی ثبوت ہم خلفائے راشدین کے انتخاب میں نمایاں پاتے ہیں۔ مسلمان کے انتخاب یا مشورے کے بغیر جو بھی خلیفہ یا امیر بننے کی کوشش کرے گا اس کی امارت یا خلافت قابل قبول نہیں ہوگی۔ حضرت عمرؓ نے اس ضمن میں بڑا سخت اصول وضع کیا ہے کہ۔

مَنْ تَاَمَّرَ مِنْكُمْ عَلٰى غَيْرِ مَشْوَرَةٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَاضْرِبُوْا عُنُقَهٗ

"تم میں سے جو کوئی مسلمانوں کے مشورے کے بغیر زبردستی امیر بنے اس کی گردن مار دو"

اسلامی ریاست کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ ہر کس و ناکس خلیفہ یا امیر نہیں بن سکتا بلکہ خلیفہ یا امیر وہ شخص ہو سکتا ہے جو۔

1- مسلمان ہو۔ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ (سورۃ نساء 4 آیت 59) اور جو تم میں سے (مسلمانوں میں سے) صاحب امر ہو۔ صاحب امر سے مراد ہر وہ شخص ہے جو کسی بھی حیثیت میں اسلامی ریاست کے کسی بھی عہدے پر فائز ہو۔

2- مرد ہو۔ عورت خلیفہ یا امیر نہیں بن سکتی۔

ارشاد ربانی ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (سورۃ نساء 4 آیت 34)

"مرد عورتوں پر قوام ہیں"

ارشاد نبویؐ ہے۔

لَنْ يُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَهُمْ اِمْرَاَةً (بخاری)

"وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جس نے اپنی زمام کار ایک عورت کے سپرد کی"

3- عاقل بالغ ہو۔ ارشاد ربانی ہے

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا (سورۃ نساء 4 آیت 5)

"اور اپنے مال جنہیں اللہ نے تمہارے لئے ہستی کا سہارا بنایا ہے نادان لوگوں کے حوالے نہ کرو"

4- دارالاسلام کا باشندہ ہو۔

ارشاد ربانی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَىْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا (سورۃ انفال 8 آیت 72)

"اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کر کے دارالاسلام میں نہ آ گئے تمہارا ان کی ولایت میں کوئی حصہ نہیں جب تک کہ ہجرت نہ کریں"

یہاں اس بات کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ ریاست کے کسی بھی منصب کے لئے اہل آدمی کا

انتخاب عمل میں لایا جائے۔

ارشاد ربانی ہے

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا (سورۃ نساء 4 آیت 58)

"اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں یعنی ذمہ داری کے مناصب اہل امانت یعنی امین لوگوں کے سپرد کرو"

اگر ذمہ داری کے مناصب اہل اور مستحق لوگوں کو نہ دیئے جائیں تو پھر قوم کا زوال یقینی ہو جاتا ہے۔

ارشاد نبوی ہے

اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰى غَيْرِ اَهْلِهَا فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ

"جب ذمہ داری کے مناصب غیر اہل لوگوں کے سپرد کئے جائیں تو پھر اس قوم کی قیامت اور زوال یقینی ہو جاتا ہے"

اہلیت کی شرط میں تقویٰ، علم، جسمانی صحت اور احکام الٰہی کی پیروی شامل ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (سورۃ حجرات 49 آیت 23)

"تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے"

قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (سورۃ بقرہ 2 آیت 247)

"نبی نے کہا کہ اللہ نے حکمرانی کے لئے اس کو (یعنی طالوت کو) تم پر ترجیح دی ہے اور اس کو علم اور جسم میں فراوانی عطا کی ہے"

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (سورۃ کہف 18 آیت 28)

"کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کر لی ہے اور جس کا کام حدود آشنا نہیں ہے"

یہ ذمہ داری ایسے شخص کو بھی نہیں دی جائے گی جو خود اس کے لئے درخواست دے یا اس کا حریص ہو۔ ارشاد نبوی ہے۔

اِنَّا وَاللّٰهِ لَا نُوَلِّىْ عَلٰى عَمَلِنَا هٰذَا اَحَدًا سَاَلَهٗ اَوْ حَرَصَ عَلَيْهِ (بخاری و مسلم)

"خدا کی قسم ہم کسی ایسے شخص کو اپنی حکومت کے کسی منصب پر مقرر نہیں کرتے جس نے اس کی درخواست کی ہو یا جو اس کا حریص ہو"

اِنَّ اَخْوَنَكُمْ عِنْدَنَا مَنْ طَلَبَهٗ (ابو داؤد)

"ہمارے نزدیک تم میں سے سب سے بڑا خائن وہ ہے جو خود اس کا طالب ہو"

اسلامی ریاست کے باشندوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

ایک مسلمان اور دوسرا ذمی۔ قرآنی تعلیمات کی رو سے شہریت کی دو بنیادیں قرار پائی ہیں۔ ایک ایمان اور دوسری دارالاسلام کا باشندہ ہونا۔ مسلمان شہریوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس ریاست کے دفاع کے لئے ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار ہیں۔ ریاست کے امیر کا انتخاب بھی ان کی ذمہ داری ہے اور جو بھی ذمہ داری ریاست کی طرف سے ان کو سپرد کی جائے اس کو قبول کریں۔

ذمی شہریوں سے مراد غیر مسلم شہری ہیں۔ ان کو اسلامی ریاست کا وفادار اور مطیع رہنا ہوگا۔ ان کو اس ریاست میں ہر قسم کی آزادی حاصل ہوگی۔ کلیدی مناصب کے علاوہ باقی تمام مناصب کے دروازے ان کے لئے کھلے ہوں گے۔ فوجداری اور دیوانی قوانین میں وہ مسلمانوں کے برابر ہوں گے۔ ان کے جان، مال اور آبرو کی حفاظت اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ معاشی معاملات میں ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا سلوک کیا جائے گا۔ مملکت کے دفاع سے ان کو بری الذمہ کر دیا گیا ہے۔ مگر اس کے بدلے ان کو جزیہ دینا ہوگا۔ مملکت کا دفاع صرف مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ اسلامی ریاست کے شہریوں کے بنیادی حقوق بڑی وضاحت سے بیان کئے گئے ہیں۔

ان کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ ان میں مرد اور عورتیں دونوں برابر ہیں۔ البتہ اگر کسی کے ہاتھ سے دوسرے شہری کی جان، مال یا آبرو کو نقصان پہنچے تو اس کے بارے میں ان کی جواب طلبی ہوگی اور ان کو سزا ملے گی۔

ان کا تیسرا حق مسلک اور رائے کی آزادی ہے ہر ایک آدمی ایک دوسرے کے مسلک اور رائے کا احترام کرے گا۔

ان کا چوتھا حق ان کو بنیادی ضروریات سے محروم نہ کرنا ہے۔ جن لوگوں کی بنیادی ضروریات پوری نہیں ہوتیں وہ بیت المال سے پوری کی جائیں گی جس کی آمدنی کے ذرائع زکوٰۃ، عشر، لاوارثوں کی جائیداد اور معدنیات ہیں۔

ان کی ذمہ داریاں یہ ہیں کہ

وہ اسلامی حکومت کی اطاعت کریں گے۔

اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ فِى الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ

"ہر حالت میں وہ اسلامی حکومت کی اطاعت کریں گے"

وہ حکومت کے وفادار اور خیر خواہ ہوں گے۔

وہ اسلامی حکومت سے تعاون کریں گے اور ریاست کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے سے دریغ نہیں کریں گے۔

اقتصادیات
ECONOMICS

اسلام میں معیشت کی اہمیت

مال کو اگرچہ امت کے لئے "فتنہ" کہا گیا ہے مگر کاروبار زندگی میں اس کی اہمیت بھی کچھ کم نہیں۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل باتیں غور طلب ہیں۔

1- قرآن مجید میں عبادت کے بعد رزق حلال تلاش کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (سورۃ جمعہ 62 آیت 10)

"جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو زمین میں پھیل جاؤ اور خدا کا فضل تلاش کرو"

حج کے احکام بیان ہونے کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ (سورۃ بقرہ 2 آیت 198)

"اور تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم (حج کے موقع پر) اللہ کا فضل تجارت کے ذریعے تلاش کرو"

روایت ہے کہ ایک دن نبی کریمؐ ایک جگہ تشریف فرما تھے۔ ایک تنومند نوجوان آپؐ کے قریب سے گزرا اور بازار میں ایک دوکان کے اندر چلا گیا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کاش! اس نوجوان کا یوں سویرے اٹھنا راہ حق میں ہوتا۔ آپؐ نے فرمایا ایسا مت کہو کیونکہ اگر اس شخص کا جانا اس غرض سے ہے کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے بال بچوں کو دنیا کی محتاجی سے بچائے یا اس لئے کہ اپنے ماں باپ کو کسی کا دست نگر نہ ہونے دے تو سمجھو کہ یہ راہ حق میں جا رہا ہے۔ ہاں اگر اس کا مقصد فخر و ناز کی خاطر دولت کا حصول ہے تو وہ راہ شیطان پر گامزن ہے۔

2- دولت اور مال کے لئے قرآن مجید میں "خیر" اور "فضل" کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی بالترتیب بھلائی اور مہربانی کے ہیں۔ گویا دولت جو جائز طریقے سے حاصل کی جائے اور جو راہ حق میں استعمال کی جائے سراسر بھلائی اور فضل الٰہی ہے۔

3- احادیث مبارکہ میں "کسب" محنت سے روزی کمانے کی تلقین کی گئی ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں۔

كَسْبُ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ

"یعنی عبادت الٰہی کے بعد دوسرا اہم فریضہ حلال روزی کی کمائی ہے"

نیز آپؐ نے تجارت کے بارے میں فرمایا۔ "تجارت کرو کیونکہ دس حصوں میں سے نو حصے رزق اسی میں ہے"

آپ نے اپنے ہاتھ سے کمائے ہوئے رزق کو بہترین رزق کہا۔

ایک دوسری جگہ فرمایا

اِذَا صَلَّيْتُمُ الْفَجْرَ فَلَا تَنَامُوْا عَنْ طَلَبِ اَرْزَاقِكُمْ

"جب تم فجر کی نماز پڑھ چکو تو رزق کی تلاش سے غافل ہو کر نہ سو"

4- قرآن مجید نے انسان کے ذہن میں یہ تصور بٹھانے کی کوشش کی ہے کہ اس کو بس وہی کچھ ملے گا جو وہ محنت کرے گا۔ فرمایا

لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (سورۃ نجم 53 آیت 39)

"انسان کو اس کی محنت کے مطابق ثمر ملے گا"

دوسری جگہ فرمایا

كُلُّ نَفْسٍ م بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ (سورۃ مدثر 74 آیت 38)

"ہر نفس کو اپنی محنت کا بدلہ ملے گا"

اسی طرح جن آیات میں جنت کی خوشخبری اور دوزخ کی وعید بیان کی گئی ہے یا بہشت کے انعامات اور جہنم کی سختیاں گنوائی گئی ہیں ان سب میں قدر مشترک عمل ہی کو ٹھہرایا گیا ہے۔ چنانچہ ہر ایک بیان کے بعد لفظ "بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ" یا "بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ" لاحق کر دیا گیا ہے۔ ایک دوسری آیت میں رزق یا کسی بھی آرام و آسائش کو محنت کے ساتھ مربوط کر دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (سورۃ انشراح 94 آیت 6) محنت کے ساتھ آرام و آسائش وابستہ ہے۔ گویا خدائی قانون کے مطابق رزق و آرام و آسائش عمل و محنت ہی کا نتیجہ ہے۔ اس قانون الٰہی کی رو سے۔

5- اسلام میں مفت خوری اور سوال کرنے کی مذمت کی گئی ہے اور محنت و مشقت کر کے رزق تلاش کرنے کی تاکید کی گئی ہے جس طرح دولت اور حصول دولت کو چند قانونی اور اخلاقی ضوابط کا پابند کرتے ہوئے اسلام اور معیشت کو کافی اہمیت دی گئی ہے۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں "لوگوں کے لئے معاش کا بندوبست ایک ایسی چیز ہے کہ بجز اس کے شہر کے حال کا قائم ہونا یا تو ناممکن ہے یا دشوار ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ (سورۃ ملک 67 آیت 15)

وہی ذات ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے رام کر دیا پس چلو تم اس زمین کی پہنائیوں میں اور اللہ کا رزق کھاؤ۔

اس سلسلے میں خود نبی کریمؐ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ آپؐ قبل از نبوت معاش کے لئے تجارت اور اسی تجارت ہی کے سلسلے میں دیانت اور سچائی کی وجہ سے امین اور صادق کے القاب سے مشہور ہو گئے۔ گویا انسانی ضروریات کی تکمیل کے لئے معاش کو انسانی زندگی میں ناگزیر حیثیت حاصل ہے۔ اسلام نے اس کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے زندگی کے اس اہم پہلو کی اس طرح سے اصلاح کی کہ اسے فی نفسہ زندگی کا مقصد نہ سمجھا گیا کہ انسان کی تمام عمر حصول دولت میں صرف ہو جائے اور یہ اس لئے کہ بعض لوگ اس کی اہمیت میں مبالغہ کر کے اسے زندگی کا ایک واحد اور کلی مسئلہ قرار دے رہے ہیں اور بعض اس سے بھی تجاوز کر کے زندگی کا بنیادی فلسفہ اور اخلاق و تمدن' معاشرت کا سارا نظام معاشی بنیاد پر ہی قائم کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اگر معاشیات ہی کو اساس ٹھہرایا جائے تو انسان کا مقصد زندگی اس بیل کے مقصد زندگی سے کچھ بھی مختلف نہیں ٹھہرتا جس کی تمام سعی اور جدوجہد کی غایت یہ ہے کہ ہری گھاس کھا کر خوش و خرم اور تنومند ہو جائے اور کائنات میں اس کی یہ حیثیت برقرار پاتی ہے کہ بس چراگاہ عالم میں ایک آزاد چرندہ بن جائے یہی وجہ ہے کہ احادیث مبارکہ میں بلند دنیا تک آرزوؤں کی ممانعت کی گئی ہے"۔

دوسری طرف اسلام یہ بھی کہتا ہے کہ انسان اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے متمتع ہو اور ان نعمتوں سے اجتناب کرنے کی نفی کی گئی ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (سورة اعراف 7 آیت 32)

کہ اے پیغمبرؐ آپ کے لئے کس نے وہ ترتیب و زینت اور نعم الٰہی سے مستفید ہونا اور پاک رزق حرام قرار دیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے۔

اسی طرح صحیح بخاری میں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يَّرٰى اَثَرَ نِعْمَتِهٖ عَلٰى عَبْدِهٖ (صحیح بخاری)

"اللہ اپنی نعمتوں کا اثر اپنے بندے پر دیکھنا چاہتا ہے"

اس کے ساتھ اسلام نے حصول دولت کے ذرائع اختیار کرنے میں انسانیت کی رہنمائی کی ہے ہر انسان کو حق معیشت دیتے ہوئے دوسرے کے حقوق پر دست درازی' دھوکہ دہی یا ایسے ذرائع اختیار کرنے کی ممانعت کی گئی ہے جس میں اس کے مفاد کی بنیاد دوسرے کے نقصانات پر قائم ہو۔ حصول دولت کے بعد اس کے جائز مصرف کی نشاندہی کرتے ہوئے ذخیرہ اندوزی اور اکتناز پر قانونی اور اخلاقی پابندیاں عائد کرتے ہوئے' ناداروں اور کمزوروں کی مالی اعانت کی تلقین کی گئی ہے۔

حق معیشت

اسلام میں درجات معیشت میں لوگوں کے درمیان فطری تفاوت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ یعنی درجات معیشت میں تمام انسان مساوی نہیں ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ (سورة زخرف 43 آیت 32)

"ہم نے دنیا کی زندگی میں ان کے درمیان ان کی معیشت تقسیم کی ہے اور ان میں سے بعض کو بعض پر بلند درجات دیئے ہیں"

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ (سورة بنی اسرائیل 17 آیت 30)

"درحقیقت تیرا رب جسے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے"

اس کے ساتھ ساتھ اسلام نے ان درجات تفاوت کو ایسے اعتدال پر قائم کر رکھا ہے کہ کسی حالت میں بھی وہ لوگوں کے درمیان وجہ ظلم نہ بن سکے یعنی تفاوت درجات تو ہو لیکن ایسا نہ کہ معیشت لوگوں کو دو طبقوں میں اس طرح تقسیم کر دے کہ ایک کی ترقی دوسرے کے فقر و افلاس کا سبب بنے اور دوسرا پہلے کے معاشی اغراض کا آلہ کار بن کر رہ جائے۔

درجات معیشت میں تفاوت کے ساتھ ساتھ اسلام نے ہر ایک کے حق معیشت کو تسلیم کیا ہے۔ یعنی درجات معیشت میں فطری حد تک تفاوت کے باوجود معیشت میں تمام کائنات انسانی مساوی اور برابر کی شریک ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔

وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ (سورة حم سجدہ 41 آیت 10)

اس نے (زمین کو وجود میں لانے کے بعد) اوپر سے اس پر پہاڑ جما دیئے اور اس میں برکتیں رکھ دیں اور اس کے اندر سب مانگنے والوں کے لئے ہر ایک کی طلب و حاجت کے مطابق ٹھیک اندازے سے خوراک کا سامان مہیا کر دیا۔ یہ سب کام چار دن میں ہو گئے۔

شخصی ملکیت

معاش کی اہمیت حصول معاش کے لئے جدوجہد اور ذرائع معاش میں انسانوں کے درمیان مساوات کی تعلیم دینے کے بعد اسلام انسانوں کو ذاتی ملکیت کی اجازت دیتا ہے۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ "اموالکم" آپ کے مال یا "اموالھم" ان کے مال کا لفظ بار بار استعمال ہوا ہے اس سے یہ بات

ثابت ہوتی ہے کہ حلال اور پاکیزہ ذرائع سے دولت کمانے کے بعد اسلام میں انسان کو شخصی ملکیت کا حق حاصل ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً (سورۃ توبہ 9آیت 13)

''ان کے مال سے صدقہ وصول کیجئے''

وَتُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ (سورۃ صف 61آیت 11)

''اور یہ کہ تم اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور جانوں کے ساتھ جہاد کرو''

گویا کہ قرآن مجید لازماً ایک ایسی معیشت کا نقشہ پیش کرتا ہے جو اپنے تمام گوشوں میں افراد کے حقوق مالکانہ پر مبنی ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں ایسی آیات بکثرت ہیں جن میں انفرادی ملکیت کو تسلیم کرنے میں اشیاء منقولہ وغیرہ منقولہ یا ذرائع پیداوار میں سے کسی کی کوئی تخصیص نہیں ہے اور ان میں سے کسی کے درمیان بحیثیت ''شخصی ملکیت'' کوئی فرق بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اگر اسلام شخصی ملکیت کی نفی کرتا تو اسلام کے ایک اہم رکن ''زکوٰۃ'' کے فرض ہونے کا سوال تک پیدا نہ ہوتا۔ اسلام شخصی ملکیت کو نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ اس ملکیت کے دفاع کے سلسلے میں بھی احکام نازل کرتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا (سورۃ مائدہ 5آیت 38)

''چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو''

اس طرح فرمایا گیا۔

لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا (سورۃ نور 24آیت 27)

''اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہو''

اسی طرح ارشاد ہوتا ہے۔

لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (سورۃ نساء 4آیت 29)

''اور ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ الا یہ کہ تمہارے درمیان تجارت ہو۔ باہمی رضامندی سے''

حدیث شریف میں ہے

مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا (اربعین نووی)

''جس نے کسی کو دھوکہ دے کر اس کا مال ہتھیا لیا وہ مسلمان نہیں ہے''

ایک دوسری حدیث شریف میں ہے۔

مَنْ اَخَذَ شِبْرًا مِّنَ الْاَرْضِ ظُلْمًا طُوِّقَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلٰى سَبْعِ اَرْضِيْنَ (صحیح مسلم)

''جس شخص نے بالشت بھر زمین بھی ازراہ ظلم سے لے لی قیامت کے دن اسی زمین کو سات تہوں تک اس کی گردن میں طوق بنا کر پہنایا جائے گا''

حصول دولت

اسلام حصول دولت میں انسانوں کو چند اخلاقی اور قانونی حدود کے اندر بند کر دیتا ہے۔ انسان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ہر ممکنہ ذرائع سے دولت حاصل کرے۔ بلکہ اسلام نے حلال کی تمیز پیدا کر دی ہے اور انسان کو حلال اور طیب رزق کے حصول اور حرام سے اجتناب کی تعلیم دی ہے۔ اسلام جن ذرائع کو حرام قرار دیتا ہے ان میں اکثر ذرائع ایسے ہیں جس میں دولت کے حصول کا دارومدار دوسرے کے نقصان یا تکلیف یا دھوکے پر ہو۔ مثلاً

1- کسی شخص کے اموال مباح میں اس قدر اور اسی طریق سے قبضہ و تصرف کرنا جس سے دوسرے فرد کے لئے معاشی تنگی کے اسباب پیدا ہوتے ہوں۔

2- ایسے معاملات جن کی بنیاد باہم اشتراک اور تعاون پر نہیں بلکہ لالچ اور خودغرضی پر رکھی گئی ہو بلکہ ایک فرد کی تباہی پر دوسرے فرد کی مالی منفعت کا مدار ہو جیسا کہ قرآن میں ہے۔

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (سورۃ مائدہ 5آیت 2)

''نیکی اور خدا خوفی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں تعاون نہ کرو''

3- اور وہ معاملات بھی ناجائز ہیں جن میں بظاہر رضا اور تعاون نظر آتا ہو لیکن ان کے تہہ میں زبردستی کے سوا اور کچھ نہ ہو جیسے سود۔

4- ہر وہ طریقہ جس میں دھوکہ دہی سے کام لیا جاتا ہو۔

5- زنا، رقص و سرود اور اس قسم کے دوسرے فحش ذرائع سے دولت کا حصول بھی ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ان امور کے متعلق قرآن مجید میں صاف احکام آئے ہیں۔

سود

قرض پر دیئے ہوئے مال پر جو زائد رقم ایک خاص مدت کے بعد ایک شرط اور تعین کے ساتھ لی جائے اسے سود کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں سود کی حرمت بہت سخت الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔

ارشادِ باری ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ (سورۃ بقرہ 2 آیت 279)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود وصول طلب رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ قبول کرو"

اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (سورۃ بقرہ 2 آیت 275)

اللہ تعالیٰ نے بیع (خرید و فروخت) کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے۔

احادیث شریف میں بھی سود کی حرمت کا بہت سختی سے ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے سود خور، سود دینے والے، سودی دستاویز لکھنے والے اور سودی کاروبار پر گواہی دینے والوں پر لعنت کی ہے اور فرمایا ہے اللہ کی پھٹکار میں یہ سب شامل ہیں۔

جوا اور شراب

اسلام نے کاروبار کی ایسی تمام صورتوں کو ناجائز قرار دیا ہے جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے نزاع پیدا کرنے والی اور جس میں نفع و نقصان بالکل بخت اور اتفاق پر ہوتی ہو۔ جوئے اور شراب کے بارے میں قرآن میں آتا ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ (سورۃ مائدہ 5 آیت 90)

"اے ایمان والو شراب اور جوا اور بت اور فال کے تیر تو گندے شیطانی کام ہیں ان سے بچو"

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ (سورۃ مائدہ 5 آیت 91)

"اے ایمان والو! شیطان شراب اور جوئے کی راہ سے تمہارے درمیان بغض و عداوت قائم کرنا چاہتا ہے اور تم کو اللہ کی یاد اور نماز سے روکنا چاہتا ہے کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے"

اس طرح معیشت کے دوسرے باطل طریقوں سے حصول دولت کی نفی کی گئی ہے ان باطل ذرائع میں چوری، لوٹ کھسوٹ، امانت اور خیانت، وزن میں کمی، مالِ یتیم میں بے جا تصرف، رشوت، غصب اور فحش پھیلانے والے ذرائع کاروبار شامل ہیں۔

اس کے برعکس حصولِ دولت کے سلسلے میں ایسے تمام معاملات کو جائز ٹھہراتا ہے جن کی بنیاد باہم خیر خواہی، خلوص، ہمدردی اور سچے تعاون پر رکھی گئی ہو۔ سود کے مقابلے میں باہمی شراکت اور مضاربت کا وہ معاملہ پیش کیا ہے جس میں منفعت کے ساتھ باہمی تعاون کا سچا جذبہ موجود ہے یعنی ایک آدمی کا سرمایہ اور دوسرے کی محنت، نفع و نقصان باہم برابر تقسیم کیا جاتا ہے۔ اسی طرح نبی کریمؐ کی ایک صفت قرآن میں یہ بیان کی گئی ہے۔

يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (سورۃ اعراف 7 آیت 157)

"وہ تمہارے لئے پاک چیزیں حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزیں"

حرام طیب سے مراد وہ اشیاء ہیں جن کے ساتھ غیر کا حق متعلق نہ ہو۔

دولت کا خرچ کرنا

اسلام جس طرح انسانوں کو حلال طریقے سے دولت کمانے کی تلقین کرتا ہے اور تعلیم دیتا ہے اسی طرح اسے خرچ کرنے کے بارے میں بھی ایک خاص اخلاقی ضابطے کا پابند بناتا ہے تاکہ اس سے انسان میں روحانی رفعت کے ساتھ ساتھ عام انسانوں میں باہمی تعاون، ہمدردی اور محبت کے جذبات پیدا ہوں چنانچہ دولت کے ذریعے سے فضول خرچی کرنے، گانے بجانے، ریشمی لباس پہننے اور سونے اور جواہرات کے استعمال سے منع کیا گیا ہے اور سادہ زندگی گزارنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ ذاتی اخراجات میں بخل اور فضول خرچی کے درمیان اعتدال کی راہ اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

ارشادِ باری ہے۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (سورۃ بنی اسرائیل 17 آیت 29)

"نہ تو اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھ رکھو اور نہ اسے بالکل ہی کھول دو ورنہ ملامت زدہ اور حسرت زدہ بن کر رہ جاؤ گے"

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (سورۃ فرقان 25 آیت 67)

"خدا کے بندوں کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ خرچ میں سے نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل بلکہ ان دونوں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتے ہیں"

فضول خرچی سے بھی منع کیا گیا ہے۔ فرمایا۔

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ (سورۃ بنی اسرائیل 17 آیت 26 سے 27)

"اور فضول خرچی نہ کرو اس لئے کہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں"

حدیث شریف میں رسول اللہؐ نے فرمایا۔

"جس شخص نے دنیا میں فخر و غرور کا لباس پہنا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا۔ (سنن ابوداؤد)

اسلام انسانوں کو اقتصاد (خرچ میں میانہ روی) کا حکم دیتا ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے۔

الاقتصاد فی النفقة نصف المعيشة

"آمد و خرچ میں میانہ روی اختیار کرنا نصف معیشت ہے"

اس اقتصاد (میانہ روی خرچ میں) کی یہاں تک تاکید کی گئی ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں بھی اس کا پورا لحاظ رکھا جانا ضروری ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ تَدَعْ وَرَثَتَكَ اَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ اَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ فِيْ اَيْدِيْهِمْ (صحیح بخاری)

"رسول اللہ ﷺ نے ایک مالدار کے سوال کے جواب میں کہ میں اپنا سارا مال راہ خدا میں دے دینا چاہتا ہوں۔ فرمایا اپنے ورثاء کو صاحب مال چھوڑنا بہتر ہے اس سے کہ وہ محتاج ہو جائیں اور بھیک مانگتے پھریں"

مال جمع کرنے کی مخالفت

اسلام انسانوں کو حق ملکیت تو دیتا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ دولت ذخیرہ کرنے سے سختی سے روکتا ہے۔ دولت سمیٹ سمیٹ کر جمع کرنے والا بدترین اخلاق کا مالک سمجھا جاتا ہے قرآن مجید میں اور احادیث مبارکہ میں دولت خرچ کرنے اور ذخیرہ اندوزی سے اجتناب کرنے کی شدت سے تلقین کی گئی ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (سورۃ بقرہ 2 آیت 195)

"اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور خود اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو"

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (سورۃ توبہ 9 آیت 34)

"جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خبر دو"

اسی وجہ سے بخل کی سخت مذمت کی گئی ہے۔

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (سورۃ حشر 59 آیت 9)

"جو دل کی تنگی سے محفوظ رہا وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (سورۃ آل عمران آیت 180)

"جو لوگ اللہ کے دیئے ہوئے فضل میں بخل کرتے ہیں وہ اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ یہ ان کے لئے اچھا ہے بلکہ یہ ان کے لئے بہت برا ہے۔ اس کا طوق قیامت کے دن ان کے گلے میں ڈالا جائے گا"

بخل کی مذمت میں حدیث شریف میں آیا ہے۔

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم السَّخِيُّ قَرِيْبٌ مِّنَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْجَنَّةِ قَرِيْبٌ مِّنَ النَّاسِ بَعِيْدٌ مِّنَ النَّارِ وَالْبَخِيْلُ بَعِيْدٌ مِّنَ اللّٰهِ بَعِيْدٌ مِّنَ الْجَنَّةِ بَعِيْدٌ مِّنَ النَّاسِ قَرِيْبٌ مِّنَ النَّارِ وَالْجَاهِلُ السَّخِيُّ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ عَابِدٍ بَخِيْلٍ (مشکوۃ .....)

"سخی آدمی اللہ کے قریب جنت کے قریب لوگوں کے قریب اور آگ سے دور رہتا ہے بخیل اللہ سے دور جنت سے دور لوگوں سے دور اور دوزخ کے قریب ہوتا ہے سخی جاہل عابد بخیل کی نسبت اللہ کو زیادہ پسند ہے۔

دولت کی گردش

دولت کے ارتکاز اور اکتناز کے مقابلے میں اسلام دولت کی تقسیم کا نظریہ پیش کرتا ہے اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر نہ رہ جائے بلکہ معاشرے کے مختلف افراد میں گردش میں رہے۔

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ (سورۃ حشر 59 آیت 7)

"تاکہ دولت آپ میں بعض مالدار لوگوں تک محدود نہ رہے"

تاکہ معاشرے کے کسی فرد کو دولت کے بل بوتے پر استحصال کا موقع نہ ملے۔

اس سلسلے میں اسلام نے نظریے کے ساتھ عملی اقدامات بھی کئے ہیں مثلاً۔

زکوٰۃ

اسلام کا ایک اور اہم رکن ہے اور نماز کے ساتھ اس کی ادائیگی کی سخت تاکید کی گئی ہے۔ زکوٰۃ ہر اس مسلمان پر فرض کیا گیا ہے جس کے پاس ضرورت سے زیادہ دولت جمع ہو اور سال بھر اس کے پاس محفوظ رہے گویا گردش دولت کی ایک عملی تدبیر ہے اور اس کی تقسیم بھی خاص طبقے میں نہیں کی جاتی بلکہ آٹھ مختلف مصارف اس کے لئے بیان کیے گئے ہیں۔

وراثت

دولت کے گردش کے سلسلے میں اسلام کا دوسرا اہم قانون قانون وراثت ہے۔ اسلام نے جو قانون وراثت دیا ہے وہ دوسرے قوانین وراثت سے اس لحاظ سے مختلف ہے کہ اس میں اس دولت کو جو ایک شخص کی زندگی میں جمع ہوئی ہو اس کے مختلف رشتہ داروں میں ایک خاص تناسب سے پھیلا دیا جاتا ہے یعنی مرتکز رہنے نہیں دیا جاتا اس معاملے میں قرآن نے جو اصول اختیار کیا ہے کہ جو مال ایک شخص کی زندگی میں مرتکز ہو گیا ہو وہ اس کے مرنے کے بعد مرتکز نہ رہنے دیا جائے۔

دولت کی تقسیم

جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اسلام انسانوں کے درمیان وجہ معیشت میں تفاوت کو تسلیم کرتا ہے دولت کی مساوی تقسیم اسلام کے نزدیک غیر فطری ہے۔ اسلام دولت کے مساوی اور غیر فطری تقسیم کی بجائے منصفانہ تقسیم چاہتا ہے اور ہر انسان کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ آزادانہ طور پر سعی و جدوجہد کر کے اپنا معاش حاصل کرے اور جائز طریقے سے اپنے لئے دولت کمائے اس جائز کمائی پر کوئی ایسی پابندی نہیں ہے جو اسے کسی حد پر جا کر مزید کمائی سے روک دیتی ہو۔ ہاں اسلام دولت کی تقسیم میں انسانوں کو دو متحارب گروہ بنانا نہیں چاہتا جو باہم برسرپیکار رہیں۔ بلکہ ان کے درمیان حقوق اور فرائض کا ایک فطری اور اٹل توازن پیدا کرتا ہے۔

سرمایہ اور محنت میں توازن

اسلام نے سرمایہ اور محنت میں ایک ایسا معتدل توازن قائم کر رکھا ہے کہ اس کے بعد سرمایہ اور محنت میں کسی تصادم کی کوئی گنجائش نہیں رہتی اسلام میں جہاں سرمایہ دار کو مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے قبل ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ وہاں مزدوروں کے لئے بھی یہ حکم موجود ہے کہ وہ اپنا کام

مالک کی بھلائی اور خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ خوش اسلوبی سے سرانجام دے۔ سرمایہ دار اور مزدور کے لئے یہ احکام صادر کئے جا رہے ہیں۔

عن ابی هریرة قال رسول الله صلی الله علیه و اله و سلم قال و غدو جل ثلاثة انا خصمه یوم القیامة ومن کنت خصمه خصمتہ رجل استاء جرا جرا استوفی منه ولم یوفه (سنن الکبری البیهقی)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تین قسم کے انسان ایسے ہیں جن سے میں قیامت کے دن جھگڑوں گا اور جس سے میں جھگڑوں گا اس کو مغلوب کر دوں گا ان میں سے ایک شخص وہ جو مزدور سے کام تو پورا لیتا ہے مگر اس کی مناسب اجرت نہیں دیتا۔

ایک دوسرے مقام پر آپ نے فرمایا"

اعط الاجیر اجرة قبل ان یجف عرقه (سنن الکبری بیهقی)

"مزدور کی مزدوری اس کے پسینے خشک ہونے سے قبل ادا کریں"

مزدور کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

خیر الکسب کسب العامل اذ انصح

بہترین کمائی مزدور کی کمائی ہے۔ بشرطیکہ وہ خیر خواہی اور بھلائی کے ساتھ کام والے کا کام انجام دے۔

اصلاح عامہ

اسلام نے اپنے اقتصادی نظام میں کفالت عامہ اور اصلاح عامہ کا ٹھوس بنیادوں پر اہتمام کیا ہے۔ معاشرت کے وہ افراد جو معاشی جدوجہد میں حصہ لینے کے قابل نہیں ہیں۔ یا سعی و جدوجہد کرنے کے باوجود معاشرے میں اپنا پورا حصہ پانے سے محروم رہ جاتے ہیں اسلامی اقتصادی نظام میں ان کی کفالت کا پورا انتظام کیا گیا ہے اس انتظام میں ان کی کفالت کی مستقل ذمہ داری زکوٰۃ کے نظام کی شکل میں پوری کی گئی ہے زکوٰۃ ادا کرنے والوں کو بشارت اور اس سے انکار کرنے والوں کے لئے سخت وعیدیں آئی ہیں۔

خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزکیهم بها (سورۃ توبہ و آیت 103)

"ان کے مال سے صدقہ وصول کیجئے جس کے ذریعے سے ان کو پاک اور صاف کر دیجئے"

زکوٰۃ میں جن امور کی رعایت رکھی گئی ہے ان میں زیادہ عظیم الشان دو مصلحتیں ہیں۔ ایک مصلحت کا انجام نفس کا شائستہ کرنا ہے وہ یہ کہ نفس کے اندر بخل پایا جاتا ہے۔ اور بخل بدترین اخلاق میں سے ہے اور ضرر پہنچانے والا ہے۔ بخیل جب مرجاتا ہے تو مال کی محبت میں الجھا رہتا ہے اور اسی وجہ سے وہ عذاب میں مبتلا رہتا ہے اور جب انسان زکوٰۃ ادا کرنے کا عادی ہو جاتا ہے اور بخل کی صفت کو اپنے دل سے دور

کرتا ہے تو آخرت میں اس کو بہت زیادہ نفع پہنچتا ہے اور آخرت میں خدا کی فرمانبرداری کے بعد سب اخلاق میں زیادہ نافع دل کی سخاوت ہے جس طرح فرمانبرداری سے نفس کے اندر اللہ کی کبریائی کی صفت پیدا ہونے کی قابلیت پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح سخاوت کی وجہ سے "دنیاوی اخلاق رذیلہ سے پاک ہونے کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس قدر اہم آمدنی کے مصارف میں ایسے مفلوک الحال لوگ رکھے گئے ہیں جو معاشرے میں معاشی لحاظ سے ضعیف اور کمزور ہوں۔ اس لازمی زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو صدقات دینے کی تلقین کی گئی ہے۔

حدیث شریف میں ہے

اَلصَّدَقَةُ رَدُّ الْبَلَاءِ

"صدقہ آفت کو روکتا ہے"

اسلامی ریاست کی دوسری اہم آمدنی مال غنیمت میں ناداروں کو برابر حصہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ (سورۃ انفال -8 آیت 41)

"اور جان لو کہ تم کو جو مال غنیمت ملتا ہے اس میں اللہ کے لئے رسول کے لئے قریبی رشتہ داروں کے لئے یتیموں کے لئے اور مسافروں کے لئے پانچواں حصہ ہے۔

"فئی" کے مال میں بھی ان کے لئے حصہ ٹھہرایا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

مَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ (سورۃ حشر -59 آیت 7)

اور جو مال لوٹا دیا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر بستیوں والوں سے سو وہ اللہ کے لئے اور اس کے رسول اور قرابت والوں کے لئے اور یتیموں محتاجوں اور مسافروں کے لئے ہے۔

الغرض تمام اہم آمدنیاں جو ایک اسلامی ریاست کو حاصل ہوتی ہیں ان کے مصارف میں بنیادی عنصر عام غرباء کی اصلاح ہے۔

توسیع معیشت کے لئے اقدامات

معیشت کے وسائل میں زراعت' تجارت اور صنعت کو بہت اہمیت حاصل ہے بلکہ تمام معیشت کی ترقی اور فراوانی کا دارومدار تین چیزوں پر ہے۔ ان کی اصلاح کئے بغیر کسی بھی معیشت کی ترقی کا تصور نہیں کیا جا سکتا نبی اکرم ﷺ نے ان کی اہمیت کا پورا پورا احساس کیا' ان پر توجہ دی اور اس سلسلے میں خاص خاص اصلاحات فرمائیں۔ ان کے فروغ کی ترغیب دی اور حوصلہ افزائی فرمائی۔

زراعت

زراعت کو شاہ ولی اللہ نے کسی قوم کی معیشت کی ریڑھ کی ہڈی قرار دیا ہے۔ مگر زراعت کی کامیابی کا دارومدار پانی پر ہے اس لئے قرآن پاک نے پانی کی اہمیت اور ضرورت اس طرح بیان کی ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (سورۃ انبیاء -21 آیت 30)

"ہم نے پانی کے ذریعے ہر چیز کی زندگی قائم رکھی ہے"۔

وَمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِن مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (سورۃ بقرہ-2 آیت 164)

"اور اللہ نے آسمان سے پانی اتارا اور اس کے ذریعے مری ہوئی یعنی خشک زمین زندہ کر دی۔"

پانی کی اس اہمیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں انسان کی زندگی قائم و دائم رکھنے کے لئے آب رسانی کا ایک مکمل نظام تخلیق کیا ہے۔

آب رسانی کے ذرائع قرآن نے بہت سارے بیان کئے ہیں۔ سب سے بڑا ذریعہ بارش ہے اور اس کا ذکر قرآن پاک کی بے شمار آیات میں ہوا ہے۔ پھر نہریں ہیں ان کا ذکر بھی قرآن نے کئی آیتوں میں کیا ہے اسی طرح چشموں' کنوؤں' کاریزوں اور بند باندھ کر آب رسانی کا ذکر قرآن نے کئی آیات میں کیا ہے۔

اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے زراعت کی ترغیب ان الفاظ میں دی ہے۔

اُطْلُبُوا الرِّزْقَ فِي خَبَايَا الْأَرْضِ

"زمین کے پوشیدہ خزانوں میں رزق تلاش کرو"

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ أَوْ إِنْسَانٌ أَوْ بَهِيمَةٌ إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ (صحیح بخاری)

"جو مسلمان ایک پودا لگاتا ہے یا کھیتی کرتا ہے اور اس سے پرندے انسان اور چرندے اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں تو یہ عمل اس کے لئے صدقہ بنتا ہے"

زراعت کی اس اہمیت کی صرف زبانی تعلیم نہیں دی گئی بلکہ کاشتکاروں کی پوری حوصلہ افزائی فرمائی گئی اور یہاں تک فرمایا گیا کہ جس نے بنجر زمین کو آباد کیا وہ اس کی ملکیت بن جاتی ہے۔

بنجر زمینوں کی آبادکاری کی گئی اور بنجر زمین آباد کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کے طور پر وہ زمین ان کو عطا کر دی گئی۔

زمین پر تصرف کی تجدید فرمائی گئی اور یہ احکام بھیج دیے گئے کہ جو کوئی زمین پر قبضہ کرنے کے بعد تین سال تک اسے آباد نہیں کرتا وہ اس کی ملکیت سے نکل جائے گی۔ فرمایا

لیس لمتحجر حق بعد ثلاث سنین

"جو آدمی تین سال تک زمین کو کاشت سے روکے رکھے گا۔ وہ اس زمین پر حق ملکیت سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔"

اہم اور مشترک فائدے کی چیزیں اسلامی حکومت کی ملکیت میں دے دی گئیں۔ مثلاً کانیں، چراگاہیں وغیرہ۔

قرآن پاک نے زمین کی مختلف کیفیات (Soil Analysis) کی طرف اشارہ بھی کیا ہے اور کہا ہے کہ

وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجَاوِرَاتٌ وَجَنَّاتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَزَرْعٌ وَنَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَغَيْرُ صِنْوَانٍ يُسْقَىٰ بِمَاءٍ وَاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (سورۃ رعد ‎-13 آیت 4)

"زمین میں الگ الگ قطعات بنائے جاتے ہیں اور انگور کے باغ ہیں، کھیتیاں ہیں، کھجور کے درخت ہیں کچھ اکہرے ہیں کچھ دوہرے ہیں سب ایک ہی پانی سے سیراب کئے جاتے ہیں۔ مگر مزے میں ہم کسی کو بہتر بنا دیتے ہیں اور کسی کو کم۔ ان سب میں عقل رکھنے والوں کے لئے درس عبرت موجود ہے۔"

آیت سے یہ بات بھی لی جا سکتی ہے کہ جو زمین کمزور ہے پیداوار نہیں دیتی یا کم دیتی ہے ان کی مٹی کا تجزیہ کیا جا سکتا ہے اور یہ تجزیہ عام آدمی کی بس کی بات نہیں بلکہ صاحب عقل افراد (سائنسدان) لوگوں کا کام ہے۔

قرآن مجید نے بھرپور پیداوار کے سلسلے میں ماہرین زراعت کو چیلنج کیا ہے کہ زمین میں اللہ نے اتنی گنجائش اور طاقت رکھی ہے کہ یہ ایک دانے سے سات سو دانے ایک سیر سے سات سو سیر اور ایک من بیج سے سات سو من غلہ پیدا کر سکتی ہے۔

غلہ کے لحاظ سے استحکام معیشت کا اس سے بہتر معیار اور ہدف کہیں اور نہیں مل سکتا۔

ارشاد ربانی ہے۔

كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ (سورۃ بقرہ ‎-2 آیت 261)

"اس دانے کی طرح جس میں سات بالیں نکلتی ہیں اور ہر بال میں سو دانے ہیں۔"

اگر پیداوار کے اس ہدف کے حصول میں کامیابی حاصل کی جائے اور یہ ماہرین زراعت کا کام ہے تو پھر دنیا میں کوئی بھی بھوکا نہ رہے گا۔ اور خوراک کا مسئلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حل ہو جائے گا۔

قرآن پاک نے استحکام معیشت کا ایک اور طریقہ بھی تجویز کیا ہے اور وہ ہے غلہ کے محفوظ ذخائر کی موجودگی اس سلسلے میں قرآن نے غلہ کو محفوظ کرنے کی ایک ترکیب بتا دی ہے اور وہ یہ ہے کہ

فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوهُ فِي سُنْبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تَأْكُلُونَ (سورۃ یوسف ‎-12 آیت 47)

"اس دوران میں جو فصلیں تم کاٹو ان میں سے بہت تھوڑا جو تمہاری خوراک کے کام آئے نکالو اور باقی کو اس کے بالوں ہی میں رہنے دو اور بقدر ضرورت اسے استعمال کرو۔"

یہ طریقہ کس قدر کارگر ہے۔ اس پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔ البتہ اس سے اس بات کی وضاحت بھی ہوتی ہے کہ غلہ کو مختلف طریقوں سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے اس کے علاوہ حکومت وقت کو مشورہ دیا گیا ہے کہ ہنگامی حالات کے پیش نظر اس کے پاس کم از کم سات سال کے لئے غلے کے محفوظ ذخائر کا ہونا لابدی ہیں۔

استحکام معیشت کے لئے قرآن پاک نے مختلف پھلوں کے باغات لگانے اور ان کو ترقی دینے کی طرف بھی اشارات کئے ہیں اور یہ اشارات قرآن کی بے شمار آیات میں موجود ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَمِنَ النَّخْلِ مِن طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّاتٍ مِّنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ انظُرُوا إِلَىٰ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَيَنْعِهِ إِنَّ فِي ذَٰلِكُمْ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (سورۃ انعام ‎-6 آیت 99)

"اور کھجور کے درختوں یعنی ان کے گچھے میں سے خوشے نکلتے ہیں جو مارے بوجھ کے جھکے ہوئے ہیں اور انگوروں کے باغ اور زیتون اور انار کے درخت پیدا کئے جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور ملتے جلتے نہیں بھی ہوتے ہیں۔ ذرا ہر ایک کے پھل کو تو دیکھو جب وہ پھلتا ہے اور پھر اس کے پکنے کو دیکھو ان میں ایمان لانے والوں کے لئے درس عبرت موجود ہے۔"

ایک دوسری آیت میں ہے

وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَّاهُ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهِ لَقَادِرُونَ فَأَنشَأْنَا لَكُم بِهِ جَنَّاتٍ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ لَّكُمْ فِيهَا فَوَاكِهُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ (سورۃ مومنون ‎-23 آیت 18 سے 19)

"اور ہم نے آسمان سے مناسب مقدار میں پانی برسایا۔ پھر ہم نے اس کو ایک مدت تک زمین پر ٹھہرایا اور اس کے معدوم کر دینے پر بھی قادر ہیں پھر ہم نے اس پانی کے ذریعے کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کئے تمہارے لئے ان میں بکثرت میوے بھی ہیں اور ان میں سے کھاتے بھی ہو۔"

سورہ النباء میں ہے۔

وَأَنزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا لِّنُخْرِجَ بِهِ حَبًّا وَنَبَاتًا وَجَنَّاتٍ

اَلْفَافًا (سورۃ نبا -78آیت 14)

اور ہم نے بادلوں سے بکثرت پانی برسایا تاکہ ہم اس کے ذریعے غلہ، سبزی اور گنجان باغ پیدا کریں۔

مذکورہ آیات میں اور ان کے علاوہ اور بھی بے شمار آیات میں مختلف پھلوں اور ان کے باغات کا ذکر کیا گیا ہے یہاں تک کہ ساگ، دال، ککڑی، پیاز، لہسن اور کیلوں وغیرہ کا ذکر بھی قرآن میں کیا ہے۔ گویا ان ساری اشیاء کے باغات کو تجارتی بنیادوں پر ترقی دی جا سکتی ہے اور کھانے کے لئے یعنی ذاتی استعمال کے لئے بھی ان کو لگایا جا سکتا ہے۔

استحکام معیشت کے سلسلے میں قرآن نے شہد اور شہد کی مکھیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔

ارشاد باری ہے۔

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (سورۃ نحل -16آیت 68سے 69)

"اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ تو پہاڑوں میں، درختوں میں اور لوگوں کی عمارات میں اپنا گھر بنائے، پھر ہر قسم کے پھلوں سے رس چوس، پھر اپنے رب کے آسان راستوں پر چل۔ اس کے پیٹ سے پینے کی ایک چیز نکلتی ہے جس کی رنگتیں مختلف ہوتی ہیں اور اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے درس عبرت موجود ہے۔"

مذکورہ آیت سے یہ بات بڑی صراحت سے معلوم ہوتی ہے کہ شہد کی مکھی مختلف مقامات پر چھتے بناتی ہیں۔ مختلف پھولوں اور پھلوں سے رس چوس چوس کر اکٹھا کرتی ہے اور اس سے شہد بناتی ہے اس میں سوچنے والوں کے لئے دلیل موجود ہے۔ کہ اس کا بندوبست تجارتی بنیادوں پر کیا جا سکتا ہے اور اس کی صنعت کو ترقی دی جا سکتی ہے اور اس سے استحکام معیشت میں بہت بڑا کام لیا جا سکتا ہے ساتھ ساتھ اس کو الکحل کی جگہ دوائیوں میں استعمال کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ شہد میں بھی تو سینکڑوں پودوں اور پھلوں کا رس ہوتا ہے اور ہر پودے اور پھول میں اللہ نے کچھ نہ کچھ خاصیت ضرور رکھی ہوتی ہے اس لئے اس کو ذاتی دوائی کے طور پر بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اور تجارتی بنیادوں پر بھی اس کی صنعت کو ترقی دی جا سکتی ہے۔

استحکام معیشت کے لئے جانوروں کا پالنا اور ان کی افزائش نسل بھی ضروری ہے اس طرح ان سے مختلف قسم کے نہایت اہم فائدے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

ارشاد باری ہے

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (سورۃ نحل -16آیت 5سے 8)

اور اللہ نے چوپایوں کو پیدا کیا اور ان میں تمہارے جاڑے کا سامان بھی ہے اور اور بھی بہت سارے فائدے ہیں۔ اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو اور ان کی وجہ سے تمہاری رونق بھی ہے جب کہ شام کے وقت تم انہیں باہر سے لاتے ہو اور جب کہ صبح کے وقت تم انہیں چرنے کے واسطے چھوڑ کر آتے ہو۔ یہ ایک شہر سے دوسرے شہر تک تمہارے بوجھ بھی لے جاتے ہیں کہ اگر تم ان کو اپنی پشتوں پر اٹھاتے تو بہت محنت اور مشقت اٹھانی پڑتی۔ واقعی تمہارا رب بڑی شفقت اور رحمت والا ہے اور تمہارے لئے گھوڑے، خچر اور گدھے بھی پیدا کئے تا کہ تم ان پر سوار ہو اور تیز زینت کے لئے بھی۔ اور وہ تمہارے لئے ایسی چیزیں بناتا ہے جن کی تم کو خبر تک بھی نہیں۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ (سورۃ نحل 16آیت 66)

اور تمہارے لئے مویشی میں بھی درس عبرت موجود ہے ان کے پیٹ میں جو گوبر اور خون ہے ان کے درمیان میں سے صاف اور خالص دودھ تمہارے پینے کو دیتے ہیں۔

ایک تیسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ (سورۃ نحل -16 آیت 80)

اور اللہ نے تمہارے لئے تمہارے گھروں میں رہنے کی جگہ بنائی۔ اور تمہارے جانوروں کی کھال کے گھر بنائے جن کو تم سفر اور حضر دونوں میں ہلکا پھلکا پاتے ہو اور ان کی اون، روؤں اور بالوں سے گھر کا سامان اور فائدے کی چیزیں ایک مدت کے لئے بناتے ہو"

مذکورہ بالا تینوں آیتوں سے استحکام معیشت کے لئے کئی باتوں کی وضاحت ہوتی ہے۔

1- جانوروں کو اس لئے بھی پالا جا سکتا ہے کہ ان سے گوشت حاصل کیا جائے خود بھی کھایا جائے اس لئے کہ اس سے انسان کے جسم کی توانائی قائم رہتی ہے اور تجارتی بنیادوں پر بھی اس کی خرید و فروخت کی جا سکتی ہے اور ان سے کافی پیسہ کمایا جا سکتا ہے جس سے استحکام معیشت میں کافی

دی جا سکتی ہے۔

2- جانوروں کو تجارتی بنیاد پر بار برداری کے لئے بھی پالا جا سکتا ہے یہ کام ان سے خصوصاً ان علاقوں میں لیا جاتا ہے جہاں حمل و نقل کے مروجہ موجود ذرائع موجود نہ ہوں۔ ان سے ترسیل اشیاء میں مفید کام لیا جا سکتا ہے اور ان کو ایسے بھی بیچا جا سکتا ہے اور ان سے کافی پیسہ کمایا جا سکتا ہے۔

3- بھیڑ، بکری، گائے، بیل، اونٹ اور بھینس اور دوسرے جانوروں کو بھی تجارتی بنیادوں پر پالا جا سکتا ہے اور ان کے گوشت، اون، بالوں، چمڑوں اور دودھ سے کافی پیسہ کمایا جا سکتا ہے۔

4- ان تمام جانوروں کو صرف دودھ کے لئے بھی پالا جا سکتا ہے دودھ، پنیر، مکھن، گھی اور بالائی سے کافی پیسہ کمایا جا سکتا ہے۔

5- ان کی اون، روؤں اور بالوں کو بھی تجارتی مقاصد کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے ان سے خیمے بھی بنائے جا سکتے ہیں ان کے چمڑوں سے مشکیں بنائی جا سکتی ہیں یہ چمڑے جوتوں کے کام بھی آتے ہیں ان کی اون سے کمبل، قالین، دریاں، جائے نماز، سردی میں پہننے کے لئے سویٹر، جراب اور گلوبند وغیرہ بھی بنایا جا سکتا ہے۔ اون سے کپڑا بھی بنایا جاتا ہے اور ان کی صنعت تو آج کل بہت ترقی یافتہ ہے۔

استحکام معیشت کے لئے زمینی اشیاء کے علاوہ سمندری اشیاء کی طرف بھی قرآن نے توجہ دلائی ہے۔

ارشاد ربانی ہے

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (سورۃ نحل -16 آیت 14)

"اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لئے سمندر مسخر کر دیا تاکہ تم اس میں سے تازہ تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے گہنا نکالو۔ جس کو تم پہنتے ہو اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے جو پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں تاکہ تم ان کے ذریعے اللہ کا فضل یعنی رزق تلاش کرو اور شاید ان نعمتوں کے بدلے تم اللہ کا شکر ادا کرو۔

سورہ رحمان میں ہے۔

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ (سورۃ رحمن -55 آیت 22)

"سمندر سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں"

ان دو آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سمندر میں بے تحاشا مچھلی موجود ہے اور اس کا شکار کر کے ان کی صنعت کو تجارتی بنیادوں پر ترقی دی جا سکتی ہے اس طرح سمندر سے موتی اور مونگے بھی نکالے جا سکتے ہیں اور ان کو تجارتی بنیادوں پر بھی ترقی دی جا سکتی ہے۔

صنعت

صنعت استحکام معیشت کے لئے دوسری بڑی بنیاد ہے۔ صنعتوں میں سب سے اہم صنعت لوہے (Steel) کی ہے۔ قرآن نے بڑے واضح الفاظ میں اس کی اہمیت کا ذکر کیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے

وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ (سورۃ حدید-52 آیت 25)

"اور ہم نے لوہے کو پیدا کیا جس میں شدید قوت موجود ہے اس کے علاوہ اس میں لوگوں کے لئے بھی طرح طرح کے فائدے ہیں۔ اور لوہے کو اللہ نے اس لئے پیدا کیا تاکہ وہ جان لے کہ بن دیکھے اس کی اور اس کے رسولوں کی (یعنی دین حق) کون مدد کرتا ہے اور اللہ تو قوی اور زبردست ہے"

یہاں اللہ تعالیٰ نے لوہے کا ذکر کیا ہے اور لوگوں کے لئے اس میں اور بھی طرح طرح کے فائدے ہیں اس لئے اس سے کما حقہ فائدہ اٹھانا چاہیے اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے سونا چاندی پیدا کیا۔ اس لئے کہ یہ عورتوں کے استعمال کی چیزیں ہیں۔ مردوں کا اس کے ساتھ اس قسم کا کوئی تعلق نہیں اور ان کے فائدے بھی محدود ہیں مگر لوہے کے بے شمار فائدے ہیں قرآن کریم کی رو سے اس کو ترجیح دیا جا سکتا ہے اور اس سے مختلف قسم کی جنگی آلات بنائے جا سکتے ہیں قرآن نے لوہے سے زرہوں اور زنجیروں کے بنانے کی صنعت (صنعت لوس) کا ذکر کیا ہے اس پر قیاس کر کے اس سے بڑی مقدار اس آلات حرب بنائے جا سکتے ہیں اور لوہے سے آلات حرب بنانے کی صنعت پر قرآن کی بڑی تاکید کی ہے یہاں تک کہ اس کو بڑے پیمانے پر ترقی دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ (سورۃ انفال -8 آیت -60)

"اور تم لوگ اپنے دشمنوں کے مقابلے کے لئے اپنی پوری قوت اور صلاحیتیں صرف کر کے زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے یا ٹینکوں کے دستے مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعے سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداد کو خوفزدہ کر دو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ ان کو خوب جانتا ہے۔

یہاں لفظ قوت میں آلات حرب کی ہر وہ امکانی تیاری شامل ہے جو مسلمان بحیثیت قوم کر سکتے ہیں

ظاہر ہے کہ وقت اور بدلتے ہوئے حالات کے مطابق قوت کا مفہوم بدلتا رہے گا۔ اور موجودہ زمانے میں چونکہ دشمنوں کے پاس ہر قسم کا جدید اور موثر اسلحہ موجود ہے اس لئے مسلمانوں پر بھی ایٹم بم ہائیڈروجن بم ہر قسم کے میزائلوں بحری آبدوزوں ٹینک ہر قسم کے ہوائی اور سمندری جہازوں غرضیکہ جدید جنگی ٹیکنالوجی کی ایک ایک شاخ کا سیکھنا لازمی اور ان میں سے ہر ایک چیز کی صنعت کو ملکی اور بین الاقوامی مقاصد کے لئے ترقی دینا ان کے ذمہ فرض ہے اور اگر اس سے مسلمان کوتاہی اور غفلت برتتے ہیں تو مسلمانوں کو قیامت کے دن اللہ کو جواب دینا پڑے گا۔ پھر یہ کہ یہ غفلت اور اغماز پوری امت مسلمہ کو تقدیر اجل بھی بنا سکتی ہے۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

استحکام معیشت کے لئے دوسری اہم صنعت بڑے بڑے سمندری جہازوں کی صنعت ہے ارشاد ربانی ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۝ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ (سورۃ شوریٰ -42 آیت 32 سے 33)

اب ان جہازوں کے بنانے کی مہارت بھی ہمیں حاصل کرنی ہوگی۔ اسی مہارت کو آج کل کی اصطلاح میں ٹیکنالوجی کہتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ پہاڑوں جیسے جہاز سمندر میں دھکوں سے نہیں چلتے' ایک چیز ضرور ایسی بنانی ہوگی جو ان جہازوں کو سمندر میں متحرک رکھے وہ متحرک مشینری کیا ہوگی یہ بھی ہم کو اپنی عقل استعمال کر کے بنانی ہوگی جیسا کہ غیر مسلموں نے مختلف قسم کے انجن ایجاد کئے ہیں۔

اسی طرح موتی' مونگوں اور مچھلیوں کی صنعت کو اگر ترقی دینی ہے تو اس کے لئے ایسے آلات بنانے ہوں گے جن کے ذریعے یہ چیزیں نکالی جاتی ہیں یعنی گیارہ بارہ میل گہرے سمندر سے تو یہ چیزیں جادو یا ٹوٹکوں سے نہیں نکالی جا سکتیں ان کو نکالنے کے لئے جدید ترقی یافتہ آلات بنانے ہوں گے اور ان آلات کی صنعت کو ترقی دینی ہوگی۔ اس سے بھی کافی رقم کمائی جا سکتی ہے۔

پھر سمندری آمدورفت کشتیوں اور پہاڑوں جیسے جہازوں کے حصول کے لئے ساتھ ساتھ خشکی اور ہوائی ذرائع نقل و حمل کا حصول بھی قرآن پاک کی اس آیت سے ثابت ہے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ (سورۃ یٰس -36 آیت 41 سے 42)

"اور ان کے لئے ایک نشانی یہ ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا اور ان کے لئے کشتی جیسی اور چیزیں پیدا کیں جن پر یہ لوگ سوار ہوتے ہیں"

کلمہ "من مثلہ" میں دور حاضر کے علاوہ حمل و نقل اور آمدورفت کا ہر ذریعہ شامل کرتے ہیں جن کو انسان اپنے استعمال میں لاتا ہے خشکی پر موجود حمل و نقل کے تمام ذرائع "من مثلہ" میں شامل کیے جاتے ہیں اور ان ذرائع کی اہمیت آج کے دور میں کسی سے پوشیدہ نہیں ہے اس لئے حمل و نقل کے ان وسائل کو بھی تجارتی بنیادوں پر ترقی دی جا سکتی ہے۔

کپڑے کی صنعت

کپڑے یعنی لباس کا ذکر قرآن میں کئی مقامات پر آیا ہے۔ زیادہ وضاحت سے اس کا ذکر یوں ہوا ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا (سورۃ اعراف -7 آیت 26)

"اے انسان ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا جو تمہارے پردہ دار جسم کو چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی ہے"

قرآن نے اشارہ تو دے دیا کہ لباس بدن چھپانے کے لئے ہیں اور لباس سے انسان مہذب اور خوبصورت لگتا ہے' مزید اب یہ قرآن کا کام نہیں کہ وہ ہمیں یہ بتائے کہ لباس کس چیز سے بنتا ہے اور کیسے بنتا ہے البتہ یہ ضرور بتایا ہے کہ لباس اس چیز سے بنتا ہے جس سے دھاگہ بنتا ہے جیسے

نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا (سورۃ نحل آیت 32)

"جس نے اپنا سوت کاتا اور پھر اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا"

اسی طرح باقی کام انسانی عقل کا ہے کہ وہ وہ اشیاء دریافت کرے جن سے دھاگہ بنتا ہے اور وہ طریقہ دریافت کرے جس کے ذریعے دھاگہ بنایا جاتا ہے اور پھر دھاگے سے کپڑا بنایا جاتا ہے۔

پاکستان ایک زرعی ملک ہے اس میں کپاس وافر مقدار میں اگتی ہے اس لئے یہاں کپڑے کی صنعت کو خاص ترقی دی جا سکتی ہے۔

اس طرح اون سے بھی ہم تجارتی مقاصد کے لئے اشیاء بنا سکتے ہیں اور اس صنعت کو ترقی دی جا سکتی ہے۔

اس کے علاوہ قرآن نے خلائی ٹیکنالوجی (Space Technology) کا ذکر بھی کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۭ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ (سورۃ رحمن -55 آیت 33)

"اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! اگر تم سے ہو سکے تو آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل بھاگو مگر تم ایسا نہیں کر سکتے اس کے لئے بڑی طاقت درکار ہے"

آیت میں "سلطان" کا لفظ معنی خیز ہے جس سے مراد قوت اور طاقت ہے اور اس سے یہ حقیقت مترشح ہوتی ہے کہ طاقت کے حصول کے بعد کائنات میں نفوذ کیا جا سکتا ہے' ظاہر ہے زمین کی تسخیر کے لئے جس طرح بحری جہازوں' ہوائی جہازوں' موٹروں' ریل گاڑیوں اور دیگر ساز و سامان کی ضرورت پڑتی ہے اس طرح آسمانوں کے اندر نفوذ کے لئے بھی خلائی جہازوں' راکٹوں اور دوسرے ساز و سامان کی ضرورت ہے' خلائی ٹیکنالوجی پر عبور حاصل کر کے ان سے متعلق اشیاء کی صنعت کو ترقی دی جا سکتی ہے اور اس سے کافی پیسہ کمایا جا سکتا ہے۔

تجارت

استحکام معیشت کی تیسری بنیاد تجارت ہے اور اقتصادی بہبود میں اس کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ تجارت کے بغیر کسی ملک کی معیشت آزاد اور مستحکم نہیں ہو سکتی۔ نبی کریم ﷺ نے تجارت کو فروغ بھی دیا اور تجارت کرنے کی ترغیب بھی دی۔ اور تجارت کے معاملات میں مفید اصلاحات بھی کیں۔ دھوکہ دہی' بددیانتی اور دیگر تمام بدعنوانیوں کا خاتمہ کیا اور خود تجارت فرما کر تجارت کے پیشے کو تقدس عطا فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تجارت کرو کیونکہ دس میں سے نو حصے رزق تجارت میں ہے۔ (کنزالعمال)

قرآن پاک نے بھی کئی مقامات پر تجارت کا ذکر کیا ہے اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں سے اکثریت کو تجارت پیشہ ہونا چاہئے ایک اچھے تاجر کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ (جامع ترمذی)

"سچا اور دیانت دار تاجر انبیاء صدیقین اور شہیدوں کے پاس ہوگا"

آپ ﷺ نے ہر اس ناشائستہ کام کو ناجائز قرار دیا جس میں باہمی تعاون اور ہمدردی کا جذبہ ہو بلکہ منفعت کا مدار اگر دوسرے کے نقصان پر ہو تو اس کاروبار کو یکسر ناجائز قرار دیا۔

آپ ﷺ نے تجارت میں ہر قسم کے دھوکے کو ممنوع قرار دیا اور فرمایا

مَنْ غَشَّ فَلَیْسَ مِنَّا (سنن ابو داؤد)

"جس نے دھوکہ کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

پھر تجارت خواہ ملکی ہو یا بین الاقوامی اس کے لئے ذرائع نقل و حمل کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ قرآن نے ہمیں ذرائع نقل و حمل کے بارے میں بہت کچھ بتایا ہے۔ قرآن میں گھوڑوں' خچروں اور گدھوں کا ذکر موجود ہے اور ساتھ یہ بھی ہے کہ ان کے ذریعے ہم مقامی طور پر اشیاء ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا سکتے

ہیں۔ سمندر جہازوں اور کشتیوں کے ذریعے ہم مقامی اور بین الاقوامی تجارت کر سکتے ہیں اور ان کے ذریعے ہم اپنی زرعی فاضل پیداوار اور صنعتی فاضل پیداوار دوسرے ممالک کو برآمد کر سکتے ہیں مثلاً اگر ہم ایک کنال بیج سے سات سو من غلہ پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو پھر اگر ہم ایک طرف غلہ میں خود کفیل ہو جاتے ہیں تو دوسری طرف اپنی فاضل پیداوار دوسرے ملکوں کو برآمد بھی کر سکتے ہیں۔

اس طرح اگر ہم پھلوں اور میووں کے باغات کو ترقی دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو ان کی فاضل پیداوار بھی دوسرے ملکوں کو برآمد کی جا سکتی ہے۔

اسی طرح مچھلی' موتی اور مونگوں کی صنعت کو اگر ترقی دی جائے تو ان کو بھی ان ذرائع حمل و نقل کے ذریعے باہر بھیجا جا سکتا ہے اور ان کے ذریعے کافی رقم کمائی جا سکتی ہے۔

اپنی صنعتی پیداوار خصوصاً آلات حرب کو بھی برآمد کیا جا سکتا ہے اور آج کل تو ان سے خاصی رقم اور زرمبادلہ کمایا جا سکتا ہے جو معیشت کے استحکام میں نہایت اہم و معاون ثابت ہو سکتا ہے۔

استحکام معیشت کا جو گر اسلام نے سکھایا ہے وہ ہے خرچ میں اعتدال قرآن نے خرچ میں اعتدال پر بہت زور دیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے

وَلَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (سورۃ بنی اسرائیل 17 آیت 29)

"نہ تو ہاتھ اپنے گلے کے گرد باندھے رکھو اور نہ ان کو بالکل کشادہ رکھو (بلکہ اعتدال سے کام لو) ورنہ ملامت شدہ اور تنگ دست رہ جاؤ گے۔"

ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوا ہے۔

وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَكَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (سورۃ فرقان 25 آیت 67)

"اللہ کے نزدیک نیک بندے وہ ہیں کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف سے کام لیتے ہیں اور نہ کنجوسی سے بلکہ اعتدال سے کام لیتے ہیں"

آپ ﷺ نے فرمایا

مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ (مسند احمد بن حنبل' طبرانی)

"جس نے خرچ میں اعتدال سے کام لیا وہ کبھی مفلس نہیں ہوگا"

اِنَّ مِنْ فِقْهِ الرَّجُلِ اِقْتِصَادَهٗ فِیْ مَعِیْشَتِهٖ

"ایک آدمی کے سمجھدار ہونے کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ خرچ میں اعتدال سے کام لیتا رہے"

علم اللسان

زبان کے بارہ میں توہماتی عقائد کی بناء پر علم اللسان ماضی میں سخت نامساعد حالات کا شکار رہا ہے حتیٰ کہ ہزاروں سال تک اس کی ترقی رکی رہی۔ علم لسان کے ایک ماہر ڈاکٹر گلنر (Dr Ernest Gellner) نے لکھا ہے کہ فلسفہ لسانیات میں الٹا طرز فکر پایا جاتا ہے۔ وہ حقیقی خیالات کو بیماری سمجھتا ہے اور مردہ خیالات اس کے نزدیک صحت کا نمونہ ہیں۔

Linguistic philosophy has an inverted vision, which treats genuine thouth as a disease and dead thought as a paradigm of health.

قدیم زمانہ میں عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ تحریر (خط) دیوتاؤں کا عطیہ ہے۔ مثلاً ہندوستان میں "برہم لیپی" کا عقیدہ۔ الفاظ اور ترکیبیں دیوتاؤں کی مقرر کردہ ہیں اور اس بناء پر وہ اعلیٰ ترین تعظیم (Highest Veneration) کی مستحق ہیں۔ جان اسٹونس (Jon Stevens) کی ایک کتاب ہے جس کا نام ہے مشرق کی مقدس کتابت :Secred Calligraphy of the East اس میں اس نے اپنی یہ تحقیق پیش کی ہے کہ مقدس خط کا عقیدہ صدیوں تک دنیا میں جاری رہا ہے۔ اس بارہ میں تو محققین کے درمیان اختلاف ہے کہ فن تحریر اولاً کہاں پیدا ہوا۔ مصر میں چین میں یا ہندوستان میں یا کسی اور مقام پر۔ تاہم اس امر میں علماء لغت متفق ہیں کہ تمام قدیم قوموں میں یہ عقیدہ مشترک طور پر پایا جاتا رہا ہے کہ تحریر خدائی چیز ہے۔ یہ بالذات مقدس ہے۔ تحریر دیوتاؤں کی زبان ہے۔

One Idea, however, is common to all ancient systems. Writing is divine. It is inherently holy. Writing is the speach of the gods.

تاریخ بتاتی ہے کہ انسانی زبانیں ہزاروں سال تک توہمات (Superstitions) کا شکار رہی ہیں۔ یہ فرض کر لیا گیا کہ بعض زبانیں خدائی اصل (Divine origin) رکھتی ہیں اور ان کے بولنے والوں کو دوسری زبانوں پر خصوصی درجہ حاصل ہے۔ مثلاً یونانی زبان کے متعلق عرصہ تک یہ سمجھا جاتا رہا کہ وہ تمام دوسری زبانوں سے اعلیٰ ہے۔ وہ دیوتاؤں کی زبان ہے۔ دوسری زبانیں اس کے مقابلہ میں وحشیوں کی زبانیں ہیں۔ وغیرہ

یہی معاملہ عبرانی کا ہوا۔ یہودی مسیحی دنیا میں صدیوں تک یہ سمجھا جاتا رہا کہ عبرانی زبان خدا کی اپنی

زبان ہے وہ سب سے پہلے دنیا میں بولی گئی۔ وڈرلی اور نیڈا زبانوں پر مسیحی عقائد کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جن عوامل نے لسانی ترقی کو روکا ان میں سے ایک قدیم مسیحی مؤلفین کا یہ عقیدہ تھا جو نشاۃ ثانیہ کے دور میں شدت سے چھایا رہا کہ دنیا کی تمام زبانیں عبرانی سے نکلی ہیں۔

one of the factors which retarded linguistic progress was the belief among early christian writers and persisting well into the renaissance ara, that all languages were derived form hebrew.

william l.Wonderly and eugene nida in "Linguistics and Christian Missions" anhropological Linguislice, Vol 5,pp 104-44

چنانچہ صدیوں تک یورپ کے علماء لسان لا حاصل طور پر عبرانی کی افضلیت ثابت کرنے کی کوشش میں مشغول رہے۔ وہ ہر زبان کا رشتہ عبرانی سے ثابت کرتے رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علم اللسان ترقی نہ کر سکا۔ اٹھارہویں صدی میں جب یہ فکر مغلوب ہو گیا اس وقت یورپ کی مختلف زبانوں کا علم اللسان ترقی کرنا شروع ہوا۔

خدائی زبان (Divine Language) کا تصور مکمل طور پر توہمات کی پیداوار ہے اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ جب کسی زبان کی بابت یہ فرض کر لیا جائے کہ وہ خدا کی یا دیوتاؤں کی زبان ہے تو اس کا لازمی مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ مقدس زبان کی حیثیت حاصل کر لیتی ہے۔ اب وہ لوگوں کی نظر میں قابل احترام ہوتی ہے نہ کہ قابل تحقیق۔ اس کے بعد اس زبان کا تنقیدی جائزہ لینا اس کو مزید آگے بڑھانے کے لئے کسی نئے انداز کی وکالت کرنا سب بدعت قرار پاتا ہے۔ وہ اس کے تقدس کو توڑنے کے ہم معنی بن جاتا ہے۔ ایسی ہر تحقیق لوگوں کو بے جا جسارت نظر آنے لگتی ہے نہ کہ اس کو آگے بڑھانے کے لئے کوئی سنجیدہ کوشش۔

یہ صورت حال زبانوں کے ساتھ پیش آئی یہی قدیم زمانہ میں دوسرے تمام انسانی شعبوں کا بھی حال رہا ہے۔ بے شمار قسم کے توہماتی عقائد تھے جنہوں نے انسان کی فکری ترقی کو روک رکھا تھا۔ تاریخ میں پہلی بار جس نے اس بندش کو توڑا وہ توحید کا انقلاب تھا جو پیغمبر اسلام اور آپ کے ساتھیوں کے ذریعہ برپا ہوا۔

یہ انقلاب اولاً عرب میں پیدا ہوا۔ اس کے بعد اس کے اثرات ساری دنیا میں پہنچے۔ انسانی تاریخ توہم پرستی کے دور سے نکل کر حقیقت پسندی کے دور میں داخل ہو گئی۔

قرآن میں جب اعلان کیا گیا کہ ایک اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں تو اسی وقت سائنٹفک طرز فکر کا آغاز ہو گیا۔ لوگ غیر واقعی ذہنی بندشوں سے آزاد ہو کر چیزوں کے بارے میں سوچنے لگے [illegible]

یہاں تک کہ وہ موجودہ سائنسی انقلاب تک پہنچا۔

ایک اللہ کو الٰہ ماننا اور دوسری تمام چیزوں کو الٰہ کا درجہ دینے سے انکار کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ ایک اللہ کے سوا کسی اور چیز کو تقدس کا مقام حاصل نہیں۔ ایک اللہ کے سوا جتنی چیزیں ہیں وہ سب یکساں درجہ میں مخلوق اور بے اختیار ہیں۔ دوسری چیزوں کو مقدس درجہ دینا انہیں تحقیق و تسخیر کا موضوع بنانے میں رکاوٹ بنا ہوا تھا۔ ان چیزوں کو غیر مقدس قرار دینا انہیں تحقیق و تسخیر کا موضوع بنانے کا باعث بن گیا۔ یہی اسلام کا وہ خاص کارنامہ ہے جو اس کو دورِ جدید کا خالق ٹھہرا رہا ہے۔

علم تاریخ
Philosophy of History

موجودہ زمانہ میں تاریخی مطالعہ کا طریقہ یہ ہے کہ قوم کو اکائی قرار دے کر تاریخ کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ آرنلڈ ٹوائن بی نے اس میں تبدیلی کر کے یہ کیا ہے کہ تہذیب کو تاریخی مطالعہ کے لئے اکائی قرار دینے کی کوشش کی ہے (EB-X/76)

تاہم دونوں نظریات کا مشترک خلاصہ ایک ہے۔ دونوں کا مدعا یہ ہے کہ تاریخ کو کسی فردِ واحد کے تابع نہ کیا جائے بلکہ پورے انسانی گروہ کی تمام سرگرمیوں کو تاریخ کے مطالعہ کا موضوع بنایا جائے۔ علم تاریخ میں یہ ایک زبردست تبدیلی ہے جو صرف پچھلے چند سو سال کے اندر وجود میں آئی ہے۔ موجودہ زمانہ کی تاریخ کو اگر انسان نامہ کہا جائے تو قدیم زمانے کی تاریخ صرف شاہ نامہ ہوتی تھی۔ قدیم زمانہ میں بادشاہوں کی تاریخ کا نام تاریخ ہوتا تھا۔ یہ صرف موجودہ زمانہ کی بات ہے کہ تاریخ کو کسی عہد کے علمی، اقتصادی، سماجی، سیاسی اور تمدنی احوال کے مطالعہ کے ہم معنی سمجھا جاتا ہے۔ گویا قدیم تاریخ انسانیت عامہ کی تسخیر تھی۔ اس میں عام انسان قابلِ تذکرہ ہی نہ تھا۔ تذکرہ کے قابل صرف ایک شخص تھا اور وہ وہی تھا جس کے سر پر بادشاہت کا تاج چمک رہا ہو۔

تاریخ کو شاہ نامہ بنانے کا یہ مزاج اتنا زیادہ بڑھا ہوا تھا کہ غیر بادشاہوں کے واقعات سرے سے قابلِ ذکر ہی نہیں سمجھے جاتے تھے خواہ بذاتِ خود وہ کتنی ہی زیادہ بڑے کیوں نہ ہوں۔ اس معاملہ کی ایک عجیب مثال وہ ہے جو پیغمبروں سے متعلق ہے۔ انسانی تاریخ کا شاید سب سے زیادہ عجیب واقعہ یہ ہے کہ تاریخ میں وہی بات لکھنے سے رہ گئی جو سب سے زیادہ اہمیت رکھنے والی تھی یعنی ان مقدس ہستیوں کے حالات ہیں جن کو پیغمبر کہا جاتا ہے۔ انسانیت کی مدون تاریخ میں بادشاہوں کے مفصل تذکرے ہیں ان کے محلوں سے لے کر ان کے فوجی سرداروں تک کا حال درج ہے مگر خدا کے پیغمبروں نے اپنے زمانہ میں جو کام کیا اس کا مدون انسانی تاریخ میں کوئی ذکر نہیں ملتا۔

اگر ہندوستان کی آزادی کی ایسی تاریخ لکھی جائے جس میں مہاتما گاندھی کا نام نہ ہو، اگر اشتراکی

روس کی ایسی تاریخ لکھی جائے جو لینن کے ذکر سے خالی ہو تو ایسی تاریخ لوگوں کو بہت عجیب معلوم ہوگی مگر اسی قسم کا عجیب تر واقعہ یہ ہے کہ انسانیت کی مدون تاریخ ان روحانی ہستیوں کے تذکرہ سے مکمل طور پر خالی ہیں جن کو پیغمبر کہا جاتا ہے اس میں صرف آخری رسول ﷺ کا استثناء ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے خود اس تاریخ کو بدل دیا جس کے نتیجے میں ماضی میں بار بار یہ المیہ پیش آ رہا تھا۔

ماضی میں یہ عظیم تاریخی فروگذاشت اسی لئے ہوئی کہ قدیم مورخین کے نزدیک صرف بادشاہ اور اس سے تعلق رکھنے والے معاملات قابلِ تذکرہ تھے اس کے سوا دوسری چیزیں ان کے نزدیک سرے سے اس قابل ہی نہ تھیں کہ ان کا تذکرہ کیا جائے

غیر بادشاہوں کا حال یہ تھا کہ ان کے حقیقی واقعات بھی قابلِ تذکرہ نہیں سمجھے جاتے تھے مگر بادشاہ سے تعلق رکھنے والے فرضی افسانے بھی اس طرح اہتمام کے ساتھ لکھے جاتے تھے گویا کہ وہ بہت بڑی حقیقت ہوں مثال کے طور پر ساحلی شہر اسکندریہ سکندرِ اعظم نے 332 ق م میں آباد کیا۔ اسی کے نام پر اس کا نام اسکندریہ (Alexandria) ہے۔

سکندر کے اس "شاہی کارنامہ" کے بارہ میں اس وقت کے مورخین نے جو عجیب و غریب کہانیاں لکھی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ سکندر نے جب سمندر کے ساحل پر اس شہر کو بنانا شروع کیا تو بحری شیاطین نے رکاوٹیں ڈالیں اس کے بعد سکندر نے لکڑی اور شیشہ کا ایک صندوق تیار کرایا۔ اس کے ذریعہ غوطہ لگا کر وہ سمندر کی تہ میں گیا وہاں اس نے سمندری شیاطین کو دیکھ کر ان کی تصویریں بنائیں پھر ان تصویروں کے مطابق ان کے معدنی مجسمے تیار کئے اور ان مجسموں کو اسکندریہ کی بنیاد میں گاڑ دیا۔ اس کے بعد جب سمندری شیاطین وہاں آئے اور دیکھا کہ ان کی جنس کے لوگوں کو مار کر بنیاد میں دفن کر دیا گیا ہے تو وہ ڈر کر بھاگ گئے۔

اسلام سے پہلے پورے قدیم دور میں یہی تمام دنیا کا حال تھا معلوم انسانی تاریخ میں عرب مورخ ابن خلدون (1332ء سے 1406ء) پہلا شخص ہے جس نے تاریخ نویسی کے فن کو بدلا اور تاریخ کو شاہ نامہ کے دور سے نکال کر انسان نامہ کے دور میں داخل کیا اس نے تاریخ کو علم الملوک کے بجائے علم الاجتماع بنایا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ علم جس کو موجودہ زمانہ میں علم اجتماع (Sociology) کہا جاتا ہے وہ ابن خلدون ہی کی دین ہے ابن خلدون نے اپنے بارہ میں لکھا ہے کہ وہ ایک نئے علم (علم العمران) کا بانی ہے اور یہ بات بلا اختلاف درست ہے۔

یورپ اصل ابن خلدون ہے جس نے یورپ کو جدید فن تاریخ دیا۔ اور خود ابن خلدون کو جس سے یہ چیز ملی وہ اسلام تھا اسلامی انقلاب نے ابن خلدون کو پیدا کیا اور ابن خلدون نے جدید فن تاریخ کو

ابن خلدون نے نظریہ تاریخ میں جو تبدیلی کی اس کا اعتراف بیسویں صدی کے مشہور انگریز مورخ آرنلڈ ٹائن بی نے ان الفاظ میں کیا ہے کہ ابن خلدون نے ایک فلسفہ تاریخ پیدا کیا یہ بلاشبہ اپنی نوعیت کا

سب سے بڑا علمی کام ہے جو کبھی بھی کسی ذہن نے کسی زمانہ میں یا کسی مقام پر تخلیق کیا ہو۔

A Philosophy of history which is undoubtedly the greatest work of its kind that has ever yet been created by any mind in any time of place (9/148).

اسی طرح رابرٹ فلنٹ (Robert Flint) نے ان غیر معمولی الفاظ میں اس کی عظمت کا اعتراف کیا ہے کہ تاریخ کے نظریہ ساز کی حیثیت سے وہ کسی بھی دور یا کسی بھی ملک میں اپنا ثانی نہیں رکھتا' یہاں تک کہ اس کے تین سو سال بعد وائکو پیدا ہوا۔ افلاطون' ارسطو' آگسٹین اس کے ہم رتبہ نہ تھے۔

As a Theorist on History he had on equal in any age or country until vico appeared, mor than three hundred years later,platom,aristotle and augustine were not his peers(9/148).

پروفیسر ہٹی نے لکھا ہے کہ ابن خلدون کی شہرت اس کے مقدمہ کی وجہ سے ہے۔ اپنی اس کتاب میں اس نے پہلی بار تاریخی حالات کا ایک ایسا نظریہ پیش کیا جس میں آب وہوا اور جغرافیہ کے طبیعی حقائق کو علم تاریخ میں قرار واقعی جگہ دی گئی اور اسی کے ساتھ روحانی اور اخلاقی طاقتوں کو بھی جو تاریخ پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ قومی عروج وزوال کے قوانین کو وضع کرنے والے کی حیثیت سے ابن خلدون کو اس کا دریافت کنندہ کہا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ اس نے مقدمہ میں خود بھی اپنے آپ کو یہی حیثیت دی ہے۔ اس نے تاریخ کے واقعی امکانات اور اس کی واقعی نوعیت کو دریافت کیا۔ کم از کم علم اجتماع کا وہ حقیقی بانی ہے۔ کوئی عرب مصنف' حتی کہ کوئی یورپی مصنف ایسا نہیں جس نے کبھی بھی تاریخ کو اس قدر جامع اور فلسفیانہ انداز سے دیکھا ہو۔ ناقدین کی متفقہ رائے کے مطابق' ابن خلدون سب سے بڑا تاریخی فلسفی تھا جو اسلام نے پیدا کیا۔ بلکہ وہ تمام زمانوں میں پیدا ہونے والے لوگوں میں سب سے بڑے مورخ فلسفی کی حیثیت رکھتا ہے۔

P.K. Hitti, History of the Arabs, London 1970,p. 568.

ابن خلدون نے اپنے مقدمہ کے پہلے حصہ میں عام اجتماعیات کو بیان کیا ہے دوسرے اور تیسرے حصہ میں اجتماعیات سیاسی کا بیان ہے۔ چوتھے حصہ میں شہری زندگی کی اجتماعیات کا تذکرہ ہے پانچویں حصہ میں اقتصادی اجتماعیات کو بیان کیا گیا ہے۔ چھٹے حصہ میں علم الاجتماع کا بیان ہے اس کا ہر باب علمی اعتبار سے نہایت اعلیٰ ہے اس طرح وہ ایک ایسے علم تاریخ کی بنیاد رکھتا ہے جو صرف بادشاہوں کے احوال پر مبنی نہ ہو۔ بلکہ وسیع تر معنوں میں پوری قوم کی اقتصادیات' سیاسیات' تعلیم' مذہب' اخلاق اور تمدن پر مبنی ہو۔

علم تاریخ کے محققین نے عام طور پر تسلیم کیا ہے کہ عبدالرحمٰن ابن خلدون کے ظہور تک فن تاریخ غیر ترقی یافتہ حالت میں پڑا ہوا تھا۔ ابن خلدون وہ پہلا شخص ہے جس نے جدید فن تاریخ کا آغاز کیا مگر سوال یہ ہے کہ خود ابن خلدون کے لئے یہ کیسے ممکن ہوا کہ وہ ایک ایسی چیز کو پائے جس کو اس سے پہلے کا کوئی شخص نہ پا سکا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دوسرے مورخین اسلامی انقلاب سے پہلے پیدا ہوئے اور ابن خلدون اسلامی انقلاب کے بعد پیدا ہوا۔ ابن خلدون دراصل اسلامی انقلاب کی پیداوار تھا اور یہی وہ چیز ہے جس نے ابن خلدون کو ابن خلدون بنایا۔

فن تاریخ کی ترقی میں دوبارہ وہی چیز حائل تھی جس کو مذہبی اصطلاح میں شرک کہا جاتا ہے۔ اسلام سے پہلے کا پورا زمانہ خدائی بادشاہتوں کا زمانہ ہے۔ کچھ بادشاہ سیدھے سیدھے خدا ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اور لوگوں سے اپنی پرستش کراتے تھے کچھ بادشاہ اپنے آپ کو خدا کی تجسیم یا اس کا نائب قرار دے کر عوام کے اوپر یہ عقیدہ بٹھائے ہوئے تھے کہ ان کو اپنی رعایا پر مطلق حکمرانی کا اختیار حاصل ہے کچھ بادشاہ لفظی طور پر تو خدائی کا دعویٰ نہیں کرتے تھے مگر عملاً ان کی مملکت میں وہی فضا تھی جو دوسرے ملکوں میں پائی جاتی تھی۔ (EB-V/816)

اسلام نے اس صورت حال کو بدلا۔ اسلام نے توحید کی بنیاد پر وہ انقلاب برپا کیا جس کے بعد بادشاہ اور غیر بادشاہ میں کوئی فرق نہ رہا تمام انسان یکساں طور پر ایک آدم اور حوا کی اولاد قرار پائے مساوات انسانی کے اس عظیم انقلاب کے بعد ہی یہ ممکن ہوا کہ کوئی ابن خلدون پیدا ہوا جو بادشاہ کو مرکز بنا کر سوچنے کے بجائے انسانیت عامہ کو مرکز بنا کر سوچے اور پھر نئے علم تاریخ کی بنیاد رکھے۔

پیغمبر اسلام ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم مدینہ میں پیدا ہوئے۔ ڈیڑھ سال کی عمر میں شوال 10ھ 632ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اتفاق سے اسی دن سورج گرہن پڑا۔ قدیم زمانہ میں جن توہمات کا رواج تھا ان میں سے ایک یہ تھا کہ جب بادشاہ یا کسی بڑے آدمی کی موت ہوتی ہے تو سورج گرہن یا چاند گرہن پڑتا ہے۔ اسی طرح گویا آسمان بڑے انسانوں کی موت پر غم مناتا ہے۔ پیغمبر اسلام کی حیثیت اس وقت بادشاہ عرب کی تھی۔ چنانچہ مدینہ کے کچھ مسلمانوں نے قدیم تصور کے تحت کہا کہ یہ سورج گرہن ابراہیم کی وفات کی وجہ سے ہوا ہے۔

پیغمبر اسلام ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے فوراً اس کی تردید کی۔ اس سلسلہ میں مختلف روایات حدیث کی کتابوں میں آئی ہیں ایک روایت یہ ہے:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج یوماً مستعجلاً الی المسجد وقد انکسفت الشمس' فصلی حتی انجلت ثم قال' ان اہل الجاھلیتہ کانوایقولون ان الشمس والقمر لاینخسفان الالموت عظیم من عظماء اہل الارض' وان الشمس والقمر لاینخسفان

لموت احد ولا لحیاته' ولکنهما خلیقتان من خلقه' یحدث اللّٰه فی خلقه ماشاء فایهما انخسف فصلوا حتی ینجلی' اویحدث اللّٰه امراً۔(مشکاۃ المصابیح' باب صلاۃ الخسوف)

رسول ﷺ ایک روز نکل کر تیزی سے مسجد کی طرف آئے اس وقت سورج گرہن تھا۔ آپ نے نماز پڑھی یہاں تک کہ گرہن ختم ہو گیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جاہلیت کے لوگ کہا کرتے تھے کہ سورج اور چاند میں گرہن اس وقت لگتا ہے جب کہ زمین کے بڑوں میں سے کسی بڑے کی موت واقع ہو۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ سورج اور چاند میں کسی شخص کی موت یا زندگی کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا۔ یہ دونوں اللہ کی مخلوقات میں سے دو مخلوق ہیں۔ اللہ اپنی مخلوقات میں جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ پس جب دونوں میں سے کسی میں گرہن لگے تو تم لوگ نماز پڑھو یہاں تک کہ وہ ختم ہو جائے یا اللہ کوئی بات ظاہر فرمائے۔

قدیم زمانہ کے حکمراں عوام کے ان توہماتی خیالات کی سرپرستی کرتے تھے تاکہ لوگوں کے اوپر ان کی عظمت چھائی رہے۔ معلوم تاریخ میں پیغمبر اسلام ﷺ پہلے حکمراں ہیں جنہوں نے ان توہماتی عقائد کی تردید کی اور اس کو بے بنیاد قرار دیا۔ اس طرح آپ نے انسان کو ایک نیا ذہن دیا۔ آپ نے ایک انسان اور دوسرے انسان کے فرق کو نظری اور عملی طور پر ختم کر دیا۔ آپ نے ان مفروضات و توہمات کو بے بنیاد قرار دے دیا جن کے ذریعہ اس قسم کے خیالات لوگوں کے ذہنوں میں رائج ہو گئے تھے۔

جب پورے عرب پر اسلام کا غلبہ ہو گیا تو پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی آخر عمر میں اپنے تقریباً سوا لاکھ اصحاب کے ساتھ حج ادا فرمایا۔ اس حج میں آپ نے عرفات کے میدان میں وہ تاریخی خطبہ دیا جس کو خطبہ حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔

یہ خطبہ گویا عرب کے حکمراں کی حیثیت سے دستور انسانی کا عام اعلان تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اے لوگو سن لو تمام لوگ ایک مرد اور عورت سے پیدا کئے گئے ہیں۔ ان میں جو مختلف قسم کا ظاہری فرق ہے وہ صرف پہچان اور تعارف کے لئے ہے تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ با عزت وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے۔ کسی عربی کو کسی عجمی کے اوپر فضیلت نہیں اور کسی عجمی کو کسی عربی کے اوپر فضیلت نہیں۔ کسی کالے کو کسی گورے پر فضیلت نہیں اور کسی گورے کو کسی کالے پر فضیلت نہیں۔ فضیلت کی چیز صرف تقویٰ ہے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ سن لو جاہلیت کی ہر بات اور ہر معاملہ میرے قدموں کے نیچے روند دیا گیا (الا کل شیٔ من امر الجاهلیة تحت قدمی موضوع) قدیم تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا کہ وقت کے ایک حکمراں نے انسانوں کے درمیان ہر قسم کے اونچ نیچ اور ہر قسم کے جھوٹے امتیاز کو عملاً ختم کر دیا۔

اس کے بعد انسانی دنیا میں ایک نئی تہذیب پیدا ہوئی جس میں تمام انسان برابر کی حیثیت رکھتے تھے۔ رسول ﷺ کے بعد جو لوگ اسلامی دنیا کے حکمراں بنے۔ وہ اگرچہ قدیم آباد دنیا کے بہت بڑے حصے کے

حکمراں تھے۔ مگر مہاتما گاندھی کے الفاظ میں، وہ اگرچہ ایک وسیع سلطنت کے مالک تھے مگر لوگوں کے درمیان وہ فقیروں کی طرح رہتے تھے۔

Though they (Abubakr and Umar)were masters of vast empire,yet they lived the lofe of paupers.

یہ انقلاب اتنا طاقتور تھا کہ بعد کے دور میں جب کہ حکومت کے ادارہ میں بگاڑ آ گیا اور خلیفہ کے بجائے سلطان ہونے لگے تب بھی اسلامی تہذیب کے دباؤ کے تحت یہ حال تھا کہ کوئی سلطان قدیم طرز کا بادشاہ بن کر نہیں رہ سکتا تھا اس سلسلہ میں تاریخ اسلام میں بے شمار واقعات موجود ہیں یہاں ہم صرف ایک واقعہ نقل کرتے ہیں۔

سلطان عبدالرحمٰن الثانی (176ھ بمطابق 238ء) مسلم اسپین کا ایک باجبروت حکمراں تھا۔ اس نے "الزاہراء" کے نام سے اتنا بڑا محل بنایا کہ لفظ محل اس کے لئے کم معلوم ہونے لگا۔ چنانچہ اس محل کو قصر الزہراء کے بجائے مدینۃ الزہراء کہا جانے لگا۔

سلطان عبدالرحمٰن ثانی کا واقعہ ہے۔ ایک سال اس نے رمضان کے مہینہ میں ایک روزہ قضا کر دیا۔ شرعی عذر کے بغیر اس نے ایک روزہ نہیں رکھا۔ تاہم بادشاہ ہونے کے باوجود اس کی یہ ہمت نہیں ہوئی کہ وہ اپنے آپ کو قانون سے برتر سمجھ لے چنانچہ اس نے قرطبہ کے علماء کو دربار میں جمع کیا اور ان کے سامنے اپنا واقعہ بیان کر کے عام آدمی کی طرح ان سے فتویٰ پوچھا۔

علامہ مقری نے لکھا ہے کہ اس مجلس علماء میں امام یحییٰ بھی موجود تھے۔ امام یحییٰ نے معاملہ کو سن کر فتویٰ دیا کہ بادشاہ اپنی اس غلطی پر بطور کفارہ متواتر ساٹھ دن تک روزہ رکھے جب وہ فتویٰ دے کر محل سے باہر نکلے تو ایک عالم نے کہا کہ حضرت شریعت میں ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا حکم بھی تو موجود ہے پھر آپ نے بادشاہ کو اتنا سخت فتویٰ کیوں دیا۔ آپ یہ فتویٰ بھی تو دے سکتے تھے کہ بادشاہ ایک روزہ کے بدلے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔

امام یحییٰ نے غصہ کے ساتھ اس عالم کی طرف دیکھا اور کہا کہ بادشاہوں کے لئے ساٹھ آدمی کو کھانا کھلانا کوئی سزا نہیں چنانچہ تاریخ اندلس بتاتی ہے کہ سلطان عبدالرحمٰن الثانی نے امام یحییٰ کے فتویٰ کو مانتے ہوئے پے درپے ساٹھ روزے رکھے اور کسی قسم کا کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ حتیٰ کہ امام یحییٰ کو ان کے مذہبی عہدہ سے معزول بھی نہیں کیا۔ (حکمراں مسلمان صفحہ 415 بحوالہ نفح الطیب ج اول صفحہ 362 سے 368)

یہ اس انقلاب کا اثر تھا جو اسلام نے پیدا کیا۔ اس انقلاب نے بادشاہ اور رعایا کا فرق ختم کر دیا تھا اس انقلاب نے انسانی مساوات کا ایسا ماحول بنا دیا تھا کہ کوئی شخص اپنے آپ کو دوسروں سے برتر نہیں سمجھ سکتا تھا کسی بادشاہ کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ وہ اپنے کو عام انسانوں سے ممتاز قرار دے سکے اور اپنے لئے قانون کی پابندی کی ضرورت نہ سمجھے۔

حالانکہ اسلامی انقلاب سے پہلے یہ ایک تسلیم شدہ بات سمجھی جاتی تھی کہ بادشاہ عام انسانوں سے بلند تر حیثیت رکھتا ہے۔ مثلاً پیغمبر اسلام ﷺ کا ہم عصر رومی بادشاہ ہرقل (Heraclius) اگرچہ اپنے آپ کو مسیحی کہتا تھا مگر اس نے اپنی بھانجی سے نکاح کر لیا جو مسیحی شریعت کے خلاف تھا۔

He had married his niece,Martina,thus offending the religious scruples of many of his subjects, who viewed his second marriage as incestuous (8/782).

لوگوں کو معلوم تھا کہ یہ ایک حرام ازدواجی تعلق ہے مگر اس کے باوجود تمام لوگوں نے خاموشی اختیار کر لی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہرقل "بادشاہ" تھا اور بادشاہ کو حق تھا کہ وہ جو چاہے کرے۔ عام انسانی معیار سے اس کو ناپا نہیں جا سکتا۔

پچھلے زمانہ میں مختلف قسم کے توہماتی عقائد کے تحت بادشاہ کی عظمت کا غیر معمولی تصور لوگوں کے ذہنوں پر چھا گیا۔ وہ بادشاہ کو اپنے سے بلند تر کوئی مخلوق سمجھنے لگے خود بادشاہ بھی مخصوص رسوم و آداب کے ذریعہ اس ذہن کی مکمل تصدیق کرتے تھے ان حالات میں بادشاہ کو اپنی مملکت میں وہی مقام عظمت حاصل ہو گیا جو وسیع تر کائنات میں خدا کے لئے سمجھا جاتا ہے۔ قدرتی طور پر تاریخ نویسی کا فن اس سے متاثر ہوا اور تاریخ عملاً بادشاہوں کے تذکرہ کا نام ہو کر رہ گئی۔

عرب میں اور دوسرے ملکوں میں جب اسلامی انقلاب آیا تو اس نے جس طرح سورج چاند کو خدائی منصب سے ہٹایا اسی طرح بادشاہوں کو بھی غیر معمولی عظمت کے مقام سے ہٹا دیا گیا اب بادشاہ بھی اس طرح ایک انسان تھا جس طرح عام لوگ ایک انسان تھے۔

اسلامی انقلاب کے اثرات ایشیا اور افریقہ اور یورپ کے بیشتر آباد دنیا میں پہنچے اس سے عالمی سطح پر ایک نیا ماحول پیدا ہوا لوگوں کے اندر ایک نئی سوچ ابھری۔ قدیم شاہ مرکزی (King centred) ذہن ختم ہو گیا اور اس کی جگہ انسان مرکزی (Man centred) ذہن پیدا ہوا۔ علم تاریخ کے اعتبار سے اس ذہن کا پہلا نمایاں اظہار عبدالرحمٰن ابن خلدون تھا اس نے تاریخ پر نئے انداز کی ایک کتاب لکھنا شروع کیا جس کا مختصر نام کتاب العبر ہے اور مفصل نام کتاب العبر و دیوان المبتدا والخبر فی ایام العرب والعجم والبربر ومن عاصرہم من ذوی السلطان الاکبر" اس کتاب پر اس نے فن تاریخ کے بارہ میں ایک مفصل مقدمہ لکھا یہ مقدمہ اصل کتاب سے زیادہ تحقیقی سمجھا جاتا ہے چنانچہ الگ سے وہ "مقدمہ ابن خلدون" کے نام سے بار بار مختلف زبانوں میں شائع ہو چکا ہے

مورخ المقریزی جو ابن خلدون کا شاگرد تھا ابن خلدون نے 15 ویں صدی عیسوی میں مصر کے اہل علم پر اثر ڈالا اس کے بعد دوسرے مسلم ممالک میں اس کا تاریخی طرز فکر پھیلا 1860ء اور 1870ء کے درمیان ابن خلدون کے مقدمہ کا مکمل ترجمہ فرانسیسی زبان میں شائع ہوا۔ اس طرح ابن خلدون کے تاریخی افکار

یورپ میں پہلے پہل اس کے خیالات کو زبردست مقبولیت حاصل ہوئی آخر کار سترہویں صدی میں وائکو اور دوسرے مغربی مورخین پیدا ہوئے انہوں نے اس کام کو مزید آگے بڑھایا۔ یہاں تک کہ وہ چیز وجود میں آئی جس کو جدید علم تاریخ کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں گذشتہ قوموں کا ذکر

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے انسان کو مبعوث فرمایا اور حضرت آدم علیہ السلام کو پہلا انسان اور نبی بنا کر اس دنیا میں بھیجا یہ کتنا عرصہ پرانی بات ہے اس کا اندازہ کرنا آسان نہیں ہے قرآن مجید اور دوسری آسمانی کتابوں میں حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر نبی اکرم ﷺ تک جتنے نبیوں کا ذکر ملتا ہے وہ صرف جلیل القدر پیغمبروں میں سے تھے نہ صرف یہ کہ ان کتابوں میں ان کی تعداد بہت کم لکھی ہے بلکہ ان کا تعلق زیادہ تر مشرق وسطیٰ اور مصر کے علاقوں سے رہا ہے اس سے یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صرف مشرق وسطیٰ اور مصر کے علاقوں کیلئے ہی بھیجے تھے بلکہ ہدایت کا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کیلئے مقرر فرمایا۔ ان قوموں کے لئے بھی جن کا علم انسانوں کو نہیں دیا گیا۔ قرآن مجید میں اگرچہ زیادہ تر ذکر قوم ابراہیم، نوح، عاد، ثمود، یہود اور نصاریٰ کا آتا ہے لیکن سورۃ ابراہیم 14 آیت 9 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۔ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۔ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ۔

یعنی "کیا تم کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے تھے۔ نوح، عاد اور ثمود کی قوم اور جو ان کے بعد ہیں جن کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں"

قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر جن کا احاطہ کرنا یہاں پر مشکل ہے قوموں پر عذاب کا ذکر کچھ اس طرح کیا گیا ہے کہ تم سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ان کی نافرمانیوں اور ظلم کے سبب ہلاک کر دیا گیا اللہ تعالیٰ نے مختلف قوموں پر عذاب نازل کر کے کسی قوم کے ساتھ زیادتی نہیں کی کیونکہ اس سے پہلے کہ ان پر عذاب نازل ہوتا اللہ تعالیٰ نے ان قوموں کیلئے نبی پیدا فرمائے تاکہ وہ اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے احکام صاف صاف بتا دیں اور قوموں کو سدھرنے کا پورا موقع فراہم کیا۔ سورۃ نساء 4 آیت 165 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ۔

یعنی "رسول خوشخبری دیتے اور ڈراتے کہ رسولوں کے بعد اللہ کے یہاں لوگوں کو کوئی عذر نہ رہے"

سورۃ شعرا (26) آیت 208 میں فرمایا۔

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ۔

یعنی "اور ہم نے کوئی آبادی ہلاک نہیں کی جب تک ان کو ڈرسنانے والا نہ ملا"

سورۃ بنی اسرائیل (17) آیت 15 میں فرمایا

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا

یعنی "اور ہم عذاب اس وقت تک نہیں کرتے جب تک رسول نہ بھیجیں"

اس طرح سورۃ قصص (28) آیت 59 میں فرمایا۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا۔

یعنی "تمہارا رب شہروں کو ہلاک نہیں کرتا جب تک ان کی بڑی بستیوں میں رسول نہ بھیجے"

اب اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مختلف قوموں پر بھیجے تو جو قومیں ہلاک ہو کر نیست و نابود ہو گئیں ان کی تعداد یقیناً کم از کم ہزاروں میں ہو گی جو دنیا کے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوتے تھے۔ اب اگر مختلف علاقوں اور قوموں کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی قوم کی تاریخ پانچ چھ ہزار سال سے زیادہ پرانی نہیں ہے جس میں ہندوستان' چین' مصر' یونان وغیرہ کی تہذیبیں شامل ہیں۔ کم عرصے کے باوجود ان کی بہت کم معلومات ہم تک پہنچ سکی ہیں اور جو بھی معلومات ہم تک پہنچی ہیں وہ زیادہ تر لکھی ہوئی کتابوں کی بجائے آثار قدیمہ کے ذریعے ملی ہیں یہ آثار قدیمہ کسی ایک ملک میں نہیں ملے بلکہ دنیا کے مختلف علاقوں سے ملے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانے میں انسان دنیا بھر میں پھیل چکا تھا۔

ان پانچ ہزار سال سے پہلے کا زمانہ جو زمانہ قبل از تاریخ کہلاتا ہے بہت لمبے عرصے پر محیط ہے۔ ایک اندازے کے مطابق یہ دنیا ساڑھے چار ارب سال سے زیادہ پرانی ہے۔ پہلی زندگی کے آثار جو کسی جانور کی شکل میں ہوں گے تقریباً دو ارب سال پہلے نمودار ہوئے۔ افریقہ میں تقریباً پونے دو کروڑ سال پہلے کے انسان کی موجودگی کے آثار پائے گئے ہیں۔ ان شواہد کی موجودگی میں یہ بات بتانی بہت مشکل ہے کہ دنیا میں پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام نے کب قدم رکھا۔ اور اس وقت سے لے کر آخری نبی ﷺ تک کتنا عرصہ گزر رہا۔ اس دوران دنیا میں کون کون سی قومیں آباد اور برباد ہوئیں۔ ان میں سے اکثر کی طرز زندگی اور ان کے علوم و فنون کے متعلق ہمیں کچھ معلومات نہیں ہیں سوائے ان کے کہ جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو بتا دیا۔

قرآن مجید میں یہ دعوت بھی بہت جگہ دی گئی ہے کہ زمین پر چلو پھرو اور دیکھو ہم نے پہلی قوموں کا کیا انجام کیا۔ مثلاً سورۃ انعام 6 آیت 11' سورۃ نحل 16 آیت 32 سورۃ نمل 27 آیت 69' سورۃ عنکبوت 29 آیت 20' سورۃ روم 30 آیت 9 اور آیت 42' سورۃ فاطر 35 آیت 44 سورۃ مومن 40 آیت 21 اور آیت 82 اور سورۃ محمد 47 آیت 10۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ان قوموں کی موجودگی اور ان کے انجام کے آثار اس دنیا میں رکھے ہیں اس کے ساتھ ہی جو بات بہت زیادہ غور طلب ہے وہ یہ

کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ قومیں طاقت' معیشت' عمر' قد' مال اولاد' جاہ و حشمت اور عیش و آرام میں تم سے زیادہ تھیں۔

سورۃ توبہ 9 آیت 69 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا

یعنی "جیسے وہ جو تم سے پہلے تھے تم سے طاقت میں بڑھ کر تھے اور ان کے مال اور اولاد تم سے زیادہ"

گذشتہ قوموں کا طاقت میں زیادہ ہونے کا ذکر سورۃ انعام 6 آیت 6' سورۃ فاطر 35 آیت 44' سورۃ مومن 40 آیات 21 اور 82' سورۃ محمد 47 آیت 13 اور سورۃ ق 50 آیت 36 میں بھی ہے۔

اس کے علاوہ سورۃ احقاف 46 آیت 26 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً

یعنی "بیشک ہم نے انہیں وہ مقدور دیے تھے جو تم کو نہ دیے اور ان کے لئے کان اور آنکھ اور دل بنائے"

ذرا غور فرمایئے کہ کان آنکھ اور دل تو ہر انسان کے پاس ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود یہ بتانا کہ ہم نے ان کو وہ مقدور دیے تھے جو تم کو نہیں دیے ان کی قدرتی طور پر یا معمولی طریقے سے سننے دیکھنے اور سمجھنے کی غیر معمولی صلاحیت کی طرف اشارہ ہے۔

سورۃ سبا 34 آیت 45 میں فرمایا

وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ

یعنی "اور ان سے پہلے والے لوگوں نے جھٹلایا اور یہ اس کے دسویں حصہ کو بھی نہ پہنچے جو ہم نے انہیں دیا تھا"

بعض قوموں کے بہت لمبے عرصہ تک زندہ رہنے کا ذکر کرتے ہوئے سورۃ قصص 28 آیت 45 میں فرمایا۔

وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ۔

یعنی "لیکن ہم نے بہت سی قومیں پیدا کیں جن کی عمریں بہت لمبی ہوئیں"

یعنی وہ ایک لمبے عرصہ تک زمین میں بسے رہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی لمبی عمر کا ذکر سورۃ عنکبوت 29 آیت 14 میں فرمایا

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا

یعنی "اور بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ ان میں پچاس سال کم ہزار برس زندہ رہا"

مال و دولت کی زیادتی کا ذکر سورۃ مریم 19 آیت 74 میں فرمایا۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّن قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَرِءْيًا

سورۃ قصص 28 میں اللہ تعالیٰ نے قارون جس کو اللہ تعالیٰ نے اتنے خزانے دیئے تھے کہ جن کی کنجیاں ایک زوراور جماعت پر بھاری تھیں آیت 76 کا ذکر کرتے ہوئے آیت 78 میں فرمایا۔

اولم یعلم ان اللہ قد اھلک من قبلہ من القرون من ھو اشد منہ قوۃ و اکثر جمعا

یعنی "اور کیا اسے یہ نہیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے وہ قومیں ہلاک فرمادیں جن کی قوتیں اس سے سخت تھیں اور تعداد اس سے زیادہ" غور فرمایئے کہ وہ قومیں کیسی ہوں گی جن کے اتنے قارون کے خزانوں سے بھی بڑھ کر تھے......

اور قوموں کے عیش و آرام کا ذکر کرتے ہوئے سورۃ قصص 28 آیت 58 میں فرمایا۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا

یعنی "اور کتنے شہر ہم نے ہلاک کر دیئے جو اپنے عیش پر اترا گئے تھے"

ان سب آیات کا حوالہ دینے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات صاف صاف اور بار بار بتادی ہے کہ تم اپنے آپ کو دنیا کی سب سے زیادہ طاقتور قوم شمار نہ کرو۔ تم سے پچھلی قومیں قوت اور وسائل میں تم سے زیادہ تھیں اور ان باتوں کی تکرار اس بات کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔

یہاں پر ایک نکتہ غور طلب ہے۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور اس سے ہدایت اور رہنمائی حاصل کرنے کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ تو جو باتیں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمائی ہیں ان کی حیثیت عارضی نہیں بلکہ ابدی ہے۔ اگر تقریباً چودہ سو سال پہلے اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے لوگوں کو بتایا کہ تم سے پہلے جو قومیں گذری ہیں وہ طاقت میں تم سے زیادہ تھیں تو ایسا نہیں ہے کہ یہ بات قرآن مجید کے نزول کے وقت یعنی چودہ سو سال پہلے تو صحیح تھیں اب نہیں ہے پچھلی چند صدیوں کی سائنسی ترقی اور خاص طور پر اس صدی کی ترقی کو دیکھتے ہوئے ہوسکتا ہے کہ بعض لوگوں کے دلوں میں یہ بات آئے کہ اس جیسی ترقی تو کبھی بھی نہیں رہی ہوگی آواز سے زیادہ تیز رفتار جہاز، عقل کو حیران کر دینے والے کمپیوٹر، عیش و آرام کی نت نئی چیزیں، تسخیر کائنات کے سلسلے میں انسان کا چاند تک پہنچ جانا بلکہ دوسرے سیاروں کی خبریں لانا، ہتھیاروں میں ہائیڈروجن بم، نیوٹرون بم اور لیزر جیسے ہتھیار۔ یعنی اس وقت انسان جتنا ترقی یافتہ ہے اتنا دنیا کی تاریخ میں کبھی نہیں رہا تو یہ صریح طور پر ان آیات سے انکار ہے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ پچھلی قومیں تم سے طاقت میں زیادہ تھیں جس طرح چودہ سو سال پہلے سچ تھا اسی طرح آج بھی سچ ہے اور قیامت تک سچ رہے گا۔ کیونکہ یہ آیات اللہ تعالیٰ کے ہمیشہ قائم رہنے والے کلام کا ایک حصہ ہیں۔ قدرتی طور پر یہ خیال دل میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا فرمان سچ ہے تو پھر پچھلی قومیں کتنی طاقتور ہونگی؟ اور ہم کس طرح اپنے دل کو اس بات پر اطمینان دلائیں جبکہ ہمارے پاس خبر نہیں

آتا تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے زمین پر چل پھر کر دیکھنے کی دعوت دی ہے اور قرآن مجید میں بھی اس کے ثبوت مہیا کر دیئے ہیں اب بات صرف غور کرنے کی ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ جتنا آپ غور کریں گے اور جتنی نئی نئی ایجادیں ہوتی رہیں گی قرآن مجید کی آیات کی تشریح اتنی ہی زیادہ واضح ہوتی جائے گی اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا وہ نشانیاں جو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اور قرآن مجید میں اس ضمن میں رکھی ہیں ان میں سے چند ایک میں اس مضمون میں بیان کروں گا ان نشانیوں کی بہتر سمجھ کے لئے یہ مناسب ہوگا کہ پہلے ان نشانیوں کا ذکر کیا جائے جو دیکھنے اور سمجھنے میں آسان ہیں اور پھر دوسری نشانیوں کا ذکر کیا جائے۔

قرآنی علوم میں سے ایک علم تذکیر بایام اللہ ہے جس کو تاریخ کہا جاتا ہوگا۔ قرآن میں بعض اقوام کی تاریخ بیان ہوئی ہے اور ان کے عروج و زوال کی پوری داستان اس میں درج ہے۔ قوم بنی اسرائیل ہو یا قوم ہود، قوم عاد ہو یا قوم ثمود ان تمام کے حالات بہت عبرت انگیز طریقے سے بیان ہوئے ہیں۔ البتہ قرآن کا مقصد اقوام کے حالات بیان کرنے سے محض ان کی تاریخ کا تذکرہ نہیں ہوتا بلکہ ان سے درس عبرت حاصل کرنا ہوتا ہے۔ سورۃ یوسف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ (سورۃ یوسف 12 آیت 111)

"ان انبیاء اور امم سابقین کے قصوں میں سمجھدار لوگوں کے لئے بہت بڑی عبرت ہے" عبرت کی تعریف علماء یہ کرتے ہیں کہ جن برے اعمال کی بناء پر پچھلی اقوام ہلاک ہوئی ہیں۔ ان جیسے اعمال کا ارتکاب اور جہاں بھی ہوگا۔ نتیجے میں ہلاکت اور تباہی کا آنا لازمی ہے۔

اس لئے باشعور اقوام ان تمام اعمال سے بچنے کی کوشش کرتی ہیں جس کی بنیاد پر مختلف قومیں تباہی کے گڑھے میں جا گری ہیں۔

اور ان صفات کو اپنانے کی کوشش کرتی ہیں جو قرآن کی رو سے قوموں کو ترقی کے لئے لابدی ہیں۔

اس سیاق و سباق میں ہم قرآن پاک سے وہ اصول اخذ کرنے کی کوشش کریں گے جو کسی فرد یا قوم کو قیادت اور امامت کے مسند پر بٹھانے میں مدد دیتے ہیں اس کے بعد وہ اصول بیان کریں گے جن کی موجودگی میں افراد یا اقوام زوال پذیر ہوتی ہیں اور پھر ان باتوں کی نشان دہی کریں گے جن کی وجہ سے افراد یا قومیں تباہی کے گڑھے میں جا گری ہیں۔

قرآن پاک نے مختلف مقامات پر ان باتوں کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے جن کا پایا جانا بحیثیت فرد یا جماعت خدا کے پسندیدہ بندوں میں اشد ضروری ہے۔

سورۃ فرقان میں ان کی تفصیل یوں بیان ہوئی ہے 25 آیت 61 سے 74

1- تواضع انکساری ضبط نفس اور تحمل۔

2- تہجد کی نماز پابندی سے پڑھنا

3- نہ صرف دعاؤں پر اکتفا اور نہ صرف اپنے اعمال پر بھروسہ کرنا' بلکہ عمل کے ساتھ ساتھ اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی بھی مانگنا۔

4- نہ بے جا خرچ کرنا اور نہ بخل اور کنجوسی کرنا بلکہ اعتدال اور میانہ روی سے کام لینا۔

5- اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔

6- کسی کی جان ناحق نہ لینا۔

7- حدود اللہ کا نفاذ کرنا۔

8- بدکاری نہ کرنا۔

9- جھوٹی گواہی نہ دینا۔

10- بے ہودہ مشاغل میں وقت ضائع نہ کرنا۔

11- قرآن پاک کی آیات پر غور و خوض کرنا۔

12- اللہ سے نیک بیوی اور نیک اولاد کے لئے دعا مانگنا اور

13- اللہ سے ہر وقت خیر و برکت کی دعا مانگنا۔

سورۃ بنی اسرائیل کی آیت 23 اور 40 میں ان احکام کی تفصیل یوں ہے اور یہ درحقیقت وہ منشور ہے جو ہجرت سے قبل آنحضرت ﷺ کو دیا گیا تھا اور جس کو اساس بنا کر مدینہ منورہ میں مسلمانوں کا ایک منظم معاشرہ عمل میں لایا گیا تھا۔

1- صرف ایک اللہ کی عبادت کرنا۔

2- والدین کے ساتھ احسان کرنا' ان کی ہر جائز بات کو ماننا اور ان کی خدمت کے لئے ہر وقت کمربستہ رہنا' اور وفات پا جانے کے بعد ان کے لئے مغفرت کی دعا مانگنا۔

3- رشتہ داروں،

4- مسکینوں اور

5- مسافروں کو ان کا حق پہنچانا۔

گویا کہ اسلام نے مسلمانوں کے معاشرے کی بنیاد توحید اور تعاون نہ کہ انتشار اور تنازع پر رکھنے کی تاکید کی ہے اور یہ دونوں عوامل ایک مربوط اور ترقی یافتہ معاشرے کے لئے از حد ضروری ہیں۔

6- دولت کا فضول خرچ نہ کرنا۔

7- سوال کرنے والے کو برا بھلا نہ کہنا بلکہ اس کے ساتھ نرمی سے بات کرنا۔

8- نہ حد سے زیادہ خرچ کرنا اور نہ بخل کرنا بلکہ خرچ میں اعتدال کا اصول اپنانا۔

9- یہ عقیدہ رکھنا کہ رزق کی کنجیاں اللہ کے ہاتھ میں ہیں اور وہ اپنے ہر بندے کو اس کی ضرورت اور ظرف کے مطابق دیتا ہے اور یہ اپنے بندوں کو خوب جانتا ہے۔

10- اولاد کو ناداری کے اندیشے سے قتل نہ کرنا۔ نہ زندہ درگور کرنا' نہ اسقاط حمل کرنا اور نہ مانع حمل اشیاء استعمال کرنا۔

11- بدکاری کے قریب نہ پھٹکنا۔ تمام اخلاق سوز اور شہوت انگیز رقص اور اشتہارات' رسائل' اخبارات' سائن بورڈ وغیرہ کی روک تھام کرنا اور ان سینما گھروں اور ٹی وی اور وی سی آر پروگراموں کو ختم کرنا جن کے ذریعے بے حیائی پھیلتی ہے پھیلائی جاری ہو۔

12- ناحق کسی کی جان نہ لینا۔

13- حدود اللہ کا نفاذ عمل میں لانا۔

14- یتیم کا مال ناجائز طریقوں سے نہ کھاؤ۔

15- ناپ تول پورا کرنا' ترازو اور ناپ صحیح استعمال کرنا۔

16- اپنے فرض منصبی کو احسن طریقے سے ادا کرنا۔

17- تحقیق و تفتیش کے بغیر کسی بات پر عمل درآمد نہ کرنا اور نہ کرانا۔

18- اپنی صلاحیتوں سے بھرپور اور صحیح طریقے سے کام لینا۔

19- تواضع اور انکساری سے روزمرہ زندگی میں کام لینا اور

20- اللہ کے سوا کسی اور کو حاجت روا تسلیم نہ کرنا۔

سورۃ لقمان میں ان باتوں کا تذکرہ یوں ہوا ہے۔ 31 آیت 13 سے 18

1- خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔

2- والدین کے ساتھ احسان کرنا۔

3- غیر مسلم والدین کے غیر اسلامی حکم پر عمل نہ کرنا' البتہ دنیاوی معاملات میں ان کے ساتھ پورا پورا تعاون کرنا۔

4- انسان کا عمل رائی کے دانے کے برابر کیوں نہ ہو اس کا جواب دہی سے نہیں بچا جا سکتا۔

5- نماز قائم کرنا۔

6- نیکی کا حکم دینا اور برائی سے لوگوں کو روکنا (امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا)

7- مشکلات میں ثابت قدم اور بلند حوصلہ رہنا۔

8- تکبر اور غرور نہ کرنا' منکسار رہنا۔

9- تواضع اور انکساری سے کام لینا اور

10- چال ڈھال اور بات چیت کرنے میں اعتدال کا اصول اپنانا۔

سورۃ انعام میں ان باتوں کی فہرست کچھ اس طرح دی گئی ہے 6 آیت 151 سے 152

1- اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔

2- والدین کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔

3- اولاد کو ناداری کے اندیشے سے قتل نہ کرنا۔

4- بظاہر پوشیدہ طور پر بدکاری کے قریب نہ پھٹکنا۔

5- ناحق کسی کی جان نہ لینا۔

6- حدود اللہ کا نفاذ عمل میں لانا۔

7- یتیم کے مال کے قریب نہ جانا چہ جائیکہ اس کو ناجائز طریقوں سے کھایا جائے۔

8- ناپ اور تول پورا کرنا اور اس میں انصاف سے کام لینا۔

9- سچ بات کہنا خواہ وہ اپنے کسی قریبی رشتہ دار کے مفاد کے خلاف کیوں نہ ہو اور

10- اللہ کے ساتھ اپنا وعدہ پورا کرنا۔ اللہ کو اپنا رب ماننا اور اللہ اور اس کے رسول کا خلیفہ ہونے کے ناطے اپنی خلافت مخلوق خدا کے فائدے اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے استعمال کرنا۔

سورۃ مومنون میں ان باتوں کا تذکرہ یوں ہوا ہے 23 آیت 1 سے 9

1- نماز میں خضوع اور خشوع کرنا

2- فضول باتوں سے احتراز کرنا۔

3- زکوٰۃ کا نظام قائم کرنا۔

4- بدکاری سے بچنا۔

5- امانتوں کو ان کے مستحق لوگوں تک پہنچانا۔

6- اپنے فرائض منصبی کا خیال رکھنا اور

7- نماز کا باقاعدگی سے ادا کرنا۔

سورۃ بقرہ میں ان اصولوں کی تفصیل اس طرح دی گئی ہے 2 آیت 177

1- اللہ پر ایمان لانا۔

2- آخرت کے دن پر ایمان لانا۔

3- فرشتوں پر ایمان لانا۔

4- کتابوں پر ایمان لانا۔

5- پیغمبروں پر ایمان لانا۔

6- رشتہ داروں کی مالی مدد کرنا۔

7- یتیموں کی مالی مدد کرنا۔

8- مسکینوں کی مالی مدد کرنا۔

9- مسافروں کی مالی اعانت کرنا۔

10- سوال کرنے والوں کی مالی اعانت کرنا۔

11- غلاموں کو چھڑانے میں اپنا مال صرف کرنا۔

12- نماز قائم کرنا۔

13- زکوٰۃ دینا۔

14- وعدہ پورا کرنا چھوٹے پیمانے پر ہو یا بڑے پیمانے پر

15- تنگدستی میں مستقل مزاج اور ثابت قدم رہنا۔

16- بیماری میں حوصلہ نہ ہارنا۔

17- میدان جنگ میں پہاڑ کی طرح جما رہنا۔

18- سچا ہونا اور

19- احساس ذمہ داری کا ہونا۔

مندرجہ بالا فہرستوں میں جتنے اصول بیان ہوئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے

1- ایمان اللہ اس کے رسولوں، فرشتوں، کتابوں اور یوم آخرت پر ایمان لانا۔

2- ارکان خمسہ نماز قائم کرنا، روزہ رکھنا، زکوٰۃ دینا، حج ادا کرنا اور جہاد کرنا۔

3- خوف خدا احساس ذمہ داری۔

4- والدین کے ساتھ احسان

5- رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلوں کی مالی اعانت

6- ناپ تول میں کمی نہ کرنا، پورا لینا پورا دینا۔

7- کسی کی جان ناحق نہ لینا۔

8- بدکاری نہ کرنا اور بدکاری کی طرف دعوت دینے والی اشیاء کا قلع قمع کرنا۔

9- حدود اللہ کا نفاذ

10- تواضع اور انکساری

11- تکبر اور غرور نہ کرنا۔

12- سچ بات کرنا۔

14- وعدہ پورا کرنا جس میں کسی بھی فریق کے ساتھ کسی قسم کا معاہدہ بھی شامل ہے۔

15- اپنے فرائض منصبی کا خیال رکھنا۔

16- امانتوں کو ان کے مستحق لوگوں تک پہنچانا۔

17- خرچ میں نہ اسراف کرنا نہ بخل کرنا بلکہ اعتدال سے کام لینا۔

18- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بطریق احسن ادا کرنا۔

19- تنگدستی، بیماری اور جنگ میں حوصلہ نہ ہارنا۔
20- نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا۔
21- قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرنا۔
22- اپنی صلاحیتوں سے بھرپور اور صحیح طریقے سے کام لینا۔
23- تحقیق کے بغیر کسی بات پر نہ خود عمل کرنا اور نہ دوسرے سے کرانا۔
24- یہ عقیدہ رکھنا کہ انسان اپنے ذرہ بھر یا اس سے کم یا اس سے زیادہ عمل کی جوابدہی سے نہیں بچ سکتا۔
25- مشکلات میں ثابت قدم رہنا۔
26- اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا حاجت روا تسلیم نہ کرنا۔
27- اولاد کو ناداری کے اندیشے قتل نہ کرنا۔
28- یہ عقیدہ رکھنا کہ موت و حیات اللہ کے ہاتھ میں ہے۔
29- یہ عقیدہ رکھنا کہ رزق کی کنجیاں اللہ کے ہاتھ میں ہیں اور
30- اللہ سے ہر وقت خیر و برکت کی دعا مانگنا۔

دوسرا مسئلہ ان اسباب و علل کا ہے جن کی موجودگی میں قومیں زوال پذیر ہوتی ہیں قرآن نے ان اسباب و علل کا تذکرہ بھی تفصیل سے کیا ہے۔

یہاں ہم چند آیات بطور نمونہ پیش کرتے ہیں جن میں ان اسباب و علل کا ذکر موجود ہے۔

کسی قوم کا آپس میں مختلف گروہوں اور جماعتوں میں بٹ جانا۔

ارشاد خداوندی ہے۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ (سورۃ انعام 6 آیت 65)

"کہو" وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب اوپر سے نازل کر دے یا تمہارے قدموں کے نیچے سے برپا کر دے یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کر کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کی طاقت کا مزہ چکھوا دے"

اس اصول کی زندہ مثالیں اسپین میں مسلمان جب داخل ہوئے تو وہاں کے عیسائی مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے تھے اور ان کے مقابلے میں مسلمان متفق اور متحد تھے ان کا

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (سورۃ آل عمران 3 آیت 103)

"سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑو اور تفرقہ میں نہ پڑو"

پر عمل ایمان تھا مگر جب عیسائی متحد ہو گئے اور مسلمان گروہوں میں بٹ گئے تو وہاں سے ان کا نام و نشان مٹ گیا اور

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ (سورۃ انفال 8 آیت 46)

"اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی" کا مظاہرہ ہوا۔

آج کل بھی مسلمان جہاں بھی ہیں آپس میں برسرپیکار ہیں ان کی طاقت اقتصادی ہو یا فوجی آپس میں ایک دوسرے کے خلاف استعمال ہو رہی ہے۔ اس لئے تعداد کی کثرت کے باوجود زوال پذیر ہیں۔ ان کا خون جس قدر آج سستا ہے اس قدر اس سے پہلے کبھی نہیں رہا ہے۔

2- معاملات میں دیانتداری انصاف اور سچائی سے کام لینا۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ (سورۃ ہود-11 آیت 117)

"تیرا رب ایسا نہیں ہے کہ بستیوں کو ناحق تباہ کر دے حالانکہ ان کے باشندے اصلاح کرنے والے ہوں"

کیونکہ حکومت یا سلطنت کفر کی موجودگی میں تو قائم رہ سکتی ہے مگر ظلم اور بے انصافی کی موجودگی میں قائم نہیں رہ سکتی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کسی قوم یا جماعت کا زوال یا عروج ان کے عقیدے کے ساتھ منسلک نہیں ہے بلکہ اس کا دارومدار ان کے اعمال پر ہے۔ اعمال اچھے ہیں تو ایک قوم یا جماعت کی حیثیت میں وہ زندہ رہ سکتی ہیں۔ اعمال برے ہیں تو ان کی تباہی زود یا بدیر یقینی بن جاتی ہے۔

ظلم و تعدی استحصال اور عدل کا نہ ہونا۔

ارشاد خداوندی۔

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ فَمَا كَانَ دَعْوٰهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ (سورۃ اعتراف 7 آیت 4 سے 5)

"کتنی ہی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا۔ ان پر ہمارا عذاب اچانک رات کے وقت ٹوٹ پڑا یا دن دہاڑے ایسے وقت آیا جبکہ وہ آرام کر رہے تھے اور جب ہمارا عذاب ان پر آ گیا تو ان کی زبان پر اس کے سوا کوئی صدا نہ تھی کہ واقعی ہم ظالم تھے"

یہ مفہوم ایک دوسری آیت میں یوں بیان ہوا۔

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ

أُتْرِفْتُمْ فِيهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْئَلُونَ ○ قَالُوا يٰوَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظٰلِمِينَ (سورۃ انبیاء 21 آیت 11 سے 14)

"کتنی ہی ظالم بستیاں ہیں جنہیں ہم نے پیس کر رکھ دیا اور ان کے بعد دوسری کسی قوم کو اٹھایا جب ان کو ہمارا عذاب محسوس ہوا تو لگے وہاں سے بھاگنے (کہا گیا) بھاگو نہیں جاؤ اپنے انہی گھروں اور عیش کے سامانوں میں جن کے اندر تم چین کر رہے تھے شاید تم سے پوچھا جائے کہنے لگے ہماری کم بختی بیشک ہم خطاوار تھے۔"

یہاں ظلم اور تعدی سے بڑے پیمانے پر ظلم و تعدی مراد ہے۔ جب استحصالی قوتیں غلبہ پاتی ہیں یا ایک قوم دوسری قوم کا استحصال شروع کر دیتی ہے یا ایک قوم کے افراد آپس میں ایک دوسرے کا استحصال شروع کر دیتے ہیں تو پھر ان کا زوال یقینی ہو جاتا ہے۔

4- تعیش کی زندگی

جب کسی قوم کے افراد تعیش کے عادی ہو جاتے ہیں تو پھر ان میں ایک اجتماعی مقصد کے لئے قربانیاں دینے کا جذبہ سرد پڑ جاتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيرًا ○ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ○ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُّرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُومًا مَّدْحُورًا (سورۃ بنی اسرائیل 17 آیت 16 سے 18)

"جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں اور وہ اس میں نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں۔ جب عذاب کا فیصلہ اس بستی پر چسپاں ہو جاتا ہے اور ہم اسے برباد کر کے رکھ دیتے ہیں دیکھ لو کتنی ہی نسلیں جو نوح کے بعد ہمارے حکم سے ہلاک ہوئیں تیرا رب اپنے بندوں کے گناہوں سے پوری طرح باخبر ہے اور سب کچھ دیکھ رہا ہے جو کوئی اس دنیا میں جلدی حاصل ہونے والے فائدوں کا خواہشمند ہوتا ہے اسکیں ہم دے دیتے ہیں جو کچھ بھی جسے دینا چاہیں پھر اس کے مقسوم میں جہنم لکھ دیتے ہیں جسے وہ تاپے گا ملامت زدہ اور رحمت سے محروم ہو کر۔"

مفسرین نے امرنا کا مفہوم زیادہ کرنے کا بھی لیا ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ عیش پسند لوگ کسی معاشرے میں زیادہ ہو جاتے ہیں تو وہ اللہ کی نعمتوں کا ذکر ادا کرنے کی بجائے فساد پھیلانا شروع کر دیتے ہیں اور اس طرح معاشرے کے ان افراد کے ہاتھوں تعمیری کام انجام پذیر نہیں ہوتے بلکہ تخریبی کاروائیاں ان کا روزمرہ کا معمول بن جاتا ہے یہ عمل اس معاشرے کو آہستہ آہستہ گھن کی طرح کھاتا چلا جاتا ہے اور انجام کار معاشرہ زوال پذیر ہوتا ہے۔

اسی طرح جب کسی معاشرے میں تجارت بڑے لوگوں کے ہاتھ میں آ جاتی ہے تو وہ معاشرہ بھی زوال پذیر ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

5- دولت خرچ کرنے میں اللہ تعالیٰ کے احکام کا خیال نہ رکھنا۔

قرآن پاک جگہ جگہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ دولت کی کثرت اس بات کی متقاضی ہوتی جا رہی ہے کہ جب تک اس کے ساتھ خوف خدا شامل نہ ہو یہ کسی بھی گروہ یا جماعت کی اخلاقی حالت پست کرنے کا باعث بنتی ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا (سورۃ قصص 28 آیت 58)

"اور کتنی ہی ایسی بستیاں ہم تباہ کر چکے ہیں جن کے لوگ اپنی معیشت پر اترا گئے تھے سو دیکھ لو وہ ان کے مسکن پڑے ہوئے ہیں جن میں ان کے بعد کم ہی کوئی بسا ہے۔ آخر کار ہم ہی وارث ہو کر رہے"

آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے ان لوگوں کو اپنی نعمتوں سے نوازا تھا مگر انہوں نے ان نعمتوں کے استعمال میں اللہ تعالیٰ کے احکام کا خیال نہ رکھا اور ان میں سے اللہ کی حقوق کا حق ادا نہ کیا۔ اس لئے اس ناشکراپن اور سرکشی نے ان کے زوال کا راستہ ہموار کر دیا۔ (ابن کثیر)

6- برے اعمال یعنی ایمان و تقویٰ کا نہ ہونا۔

اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ کسی قوم کی گرفت اچانک نہیں کرتا وہ ان کو مناسب مہلت دیتا ہے اس مہلت میں اگر وہ اپنے طور پر طریقوں کو نہیں بدلتی اور اپنے کرتوتوں سے باز نہیں آتی تو پھر انکا زوال یقینی ہو جاتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلٰى أُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَأَخَذْنٰهُمْ بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ ○ فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُّبْلِسُونَ ○ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ (سورۃ انعام 6 آیت 42 سے 45)

"تم سے پہلے بہت سی قوموں کی طرف ہم نے رسول بھیجے اور ان قوموں کو مصائب و آلام میں مبتلا کیا تاکہ وہ عاجزی کے ساتھ ہمارے سامنے جھک جائیں۔ پس جب ہماری طرف سے ان پر سختی آئی تو کیوں نہ انہوں نے عاجزی اختیار کی۔ مگر ان کے دل تو اور سخت ہو گئے اور شیطان نے انہیں اطمینان دلایا کہ جو

کچھ تم کر رہے ہو خوب کر رہے ہو پھر جب انہوں نے اس نصیحت کو جو انہیں کی گئی تھی بھلا دیا تو ہم نے ہر طرح کی خوشحالیوں کے دروازے ان کے لئے کھول دیے یہاں تک کہ جب وہ ان بخششوں میں جو انہیں عطا کی گئی تھیں خوب مگن ہو گئے تو اچانک ہم نے انہیں پکڑ لیا اور اب حال یہ تھا کہ وہ ہر خیر سے مایوس تھے۔ اس طرح ان لوگوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دی گئی جنہوں نے ظلم کیا تھا اور تعریف اللہ رب العالمین کے لئے ہے"

اس مفہوم کی وضاحت ایک دوسری آیت میں یوں ہوئی ہے۔

وَمَآ أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّبِيٍّ إِلَّآ أَخَذْنَآ أَهْلَهَا بِالْبَأْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُونَ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتَّىٰ عَفَوا وَّقَالُوا قَدْ مَسَّ آبَآءَنَا الضَّرَّآءُ فَأَخَذْنَاهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (سورۃ اعراف 7 آیت 94 سے 96)

"کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی بستی میں نبی بھیجا ہو اور اس بستی کے لوگوں کو پہلے تنگی اور سختی میں مبتلا نہ کیا ہو اس خیال سے کہ وہ عاجزی پر اتر آئیں۔ پھر ہم نے ان کی بدحالی کو خوشحالی سے بدل دیا یہاں تک کہ وہ خوب پھلے پھولے اور کہنے لگے کہ ہمارے اسلاف پر بھی اچھے اور برے دن آتے ہی رہے ہیں۔ آخر کار ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا اور انہیں خبر تک نہ ہوئی اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے مگر انہوں نے تو جھٹلایا۔ لہٰذا ہم نے اس بری کمائی کے حساب میں انہیں پکڑ لیا جو وہ سمیٹ رہے تھے"

آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب [illegible] مشکلات اور مصائب سے نکل کر آرام و راحت کی زندگی گزارنا شروع کر دیتی ہے اور اس کو وہ [illegible] سمجھنے کے بجائے اپنی محنت اور اپنی صلاحیتوں کا کمال سمجھنے لگتی ہے یا جب ان کو مصائب [illegible] امن و امان نصیب ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے ان میں شکر کی بجائے کفران نعمت کا مادہ برقرار رہتا ہے اور اللہ کے احکام کی پیروی [illegible] یہ اس کے زوال کی ایک واضح نشانی متصور ہوتی ہے۔

دوسرے الفاظ میں مالداری اور آسودہ حالی بذات خود بری چیزیں نہیں ہیں یہ بری اس وقت ہو جاتی ہیں جب ان کی موجودگی میں لوگوں کی اخلاقی حالت بگڑ جاتی ہے اور وہ اللہ کے احکام ماننے کی بجائے سرکشی پر آمادہ ہو جاتے ہیں اس وقت ان کا زوال یقینی ہو جاتا ہے ورنہ مضبوط ایمان تقویٰ اور احساس ذمہ داری کی برکتوں سے اللہ کی نعمتوں کے دروازے وا ہو جاتے ہیں۔

7- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر [illegible] دینا۔

کسی قوم کے زوال کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ ان کے افراد اپنی ذاتی اصلاح تو کرتے رہتے ہیں مگر دوسرے لوگوں کی اصلاح کی ذمہ داری قبول نہیں کرتے اور نہ اس کی اہمیت کا ان کو احساس ہوتا ہے گویا کہ امر المعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری پوری نہیں کرتے اور اس سے پہلو تہی کرتے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے۔

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِن قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّنْ أَنجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَآ أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ (سورۃ ہود 11 آیت 16)

"پھر کیوں نہ ان قوموں میں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں ایسے اہل خیر موجود رہے جو لوگوں کو زمین میں فساد برپا کرنے سے روکتے۔ ایسے لوگ نکلے بھی تو بہت کم جن کو ہم نے ان قوموں میں سے بچا لیا ورنہ ظالم لوگ تو انہی مزوں کے پیچھے پڑے رہے جن کے سامان انہیں فراوانی کے ساتھ دیئے گئے تھے اور وہ مجرم بن کر رہے"

آیت سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ کسی معاشرے میں ایک معتد بہ تعداد ایسے افراد کی ہونی چاہیے جو خود بھی برائیوں سے مجتنب رہے اور دوسرے لوگوں کو بھی برائیوں سے نہ صرف روکیں بلکہ ان کو نیکی کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش بھی کرے جس قوم کے افراد میں برائیاں پھیلتی ہیں اور لوگ ان کے خلاف جہاد کرنے پر آمادہ نہیں ہوں وہ معاشرہ بہت جلد اللہ کے عذاب کا شکار ہو جاتا ہے دوسرے الفاظ میں جو قوم بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا وظیفہ چھوڑ دیتی ہے اور اس کی بجائے شہوات نفسانی کے پیچھے پڑ جاتی ہے اس کا زوال یقینی ہو جاتا ہے۔

ایک دوسری آیت میں اس بات کی وضاحت یوں ہوئی ہے۔

وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوٓءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ (سورۃ اعراف 7 آیت 164 سے 165)

"اور انہیں یہ بھی یاد دلاؤ کہ جب ان میں سے ایک گروہ نے دوسرے گروہ سے کہا تھا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا یا سخت سزا دینے والا ہے تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ ہم یہ سب کچھ تمہارے رب کے حضور اپنی معذرت پیش کرنے کے لئے کرتے ہیں اور اس امید پر کرتے ہیں کہ شاید یہ لوگ اس کی نافرمانی سے پرہیز کرنے لگیں آخر کار جب وہ ان ہدایات کو بالکل ہی فراموش کر گئے جو انہیں یاد کرائی گئی تھیں تو ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا جو برائی سے روکتے تھے اور باقی سب لوگوں کو جو ظالم تھے ان کی نافرمانیوں پر سخت عذاب میں پکڑ لیا"

آیت میں مذکورہ لوگ تین قسم کے تھے بعض وہ تھے جو خود بھی اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے تھے اور دوسرے کو بھی خلاف ورزی کرنے سے روکتے تھے بعض وہ تھے جو خود تو اللہ کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کرتے تھے مگر دوسرے لوگوں کو اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے سے روکتے نہیں تھے۔

تیسری قسم ان لوگوں کی تھی جو خود بھی اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے تھے اور دوسروں کو بھی خلاف ورزی کرنے پر آمادہ کرتے تھے جب اللہ کا عذاب آیا تو اول الذکر کے سوا باقی دونوں گروہ اس کی زد میں آ گئے دوسرے گروہ پر عذاب اس لئے نازل ہوا کہ انہوں نے نیکی صرف اپنی ذات تک محدود رکھی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت اور ضرورت ان کی نظروں سے اوجھل رہی یا غیر جانبدار بن کر بیٹھے رہے۔

8- اللہ کی نعمتوں کی بے قدری اور ان کا غلط استعمال

ارشاد ربانی ہے۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (سورۃ نحل 16 آیت 112)

"اللہ ایک بستی کی مثال دیتا ہے وہ امن و اطمینان کی زندگی بسر کر رہی تھی اور ہر طرف سے اس کو بفراغت رزق پہنچ رہا تھا کہ اس نے اللہ کی نعمتوں کا کفران شروع کر دیا تب اللہ نے اس کے باشندوں کو ان کے کرتوتوں کا یہ مزہ چکھایا کہ بھوک اور خوف کی مصیبتیں ان پر چھا گئیں"

اللہ کی نعمتوں کی بے قدری سے مراد یہ ہے کہ ان نعمتوں کے لئے صحیح مصرف ڈھونڈنے کی بجائے ان کو نفسانی خواہشات کی تکمیل میں صرف کی جائیں اللہ کی مخلوق ان سے محروم رکھی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کے اس ناشکرے پن پر ان سے وہ نعمتیں واپس لے لیتا ہے اور ان کو افلاس اور خوف میں مبتلا کر دیتا ہے۔ یہیں سے اس کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔

یہ تھے وہ اسباب و علل جن کی بنیاد پر قوموں میں زوال پذیر ہوئی ہیں اور قرآن نے بڑے واضح الفاظ میں ان کا ذکر کیا ہے۔

اس سلسلے میں سر فہرست تو قوم نوح ہونی چاہئے تھی مگر اس کو فی الحال موخر کرتے ہیں اور اس کی جگہ قوم ابراہیم علیہ السلام سے ابتداء کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم خود تو نہ یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ سیدھے سادے مسلمان تھے باطل کے مقابلے میں صف آراء ہو گئے تھے اور حق باطل کی جنگ میں سنت اللہ یہ ہے کہ اس میں رنگ و نسل اور خاندان کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا بلکہ نیک اعمال اور قربانی اس جنگ کو جیتنے کی واضح شرائط ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ (سورۃ بقرہ 2 آیت 124)

"یاد کرو کہ جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان سب میں پورا اتر گیا تو اس نے کہا میں تمہیں سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ ابراہیم نے عرض کیا اور کیا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ؟ اس نے جواب دیا۔ میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے"

یہی اصول ایک دوسری آیت میں حضرت نوح کے بیٹے کے بارے میں بھی بیان ہوا ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِىْ مِنْ اَهْلِىْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ (سورۃ ہود 11 آیت 45 سے 46)

"نوح نے اپنے رب کو پکار کر کہا۔ اے رب! میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب حاکموں سے بڑا اور بہتر حاکم ہے" جواب میں ارشاد ہوا "اے نوح! وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے وہ تو ایک بگڑا ہوا کام ہے"

پہلی آیت میں یہودیوں عیسائیوں اور مشرکین کو یہ حقیقت بتا دی گئی کہ دنیا اور آخرت کی کامیابی اور خوشحالی صرف اللہ کی اطاعت اس کے احکام کی پیروی اور اپنی ذمہ داری کی انجام دہی ہی سے حاصل ہو سکتی ہے رنگ نسل، خاندان اس بارے میں کوئی کام نہیں آتے

اس آیت سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ قیادت بدکار اور بداخلاق لوگوں کے سپرد کرنا جائز نہیں ہے۔

یہی اصول اقوام اور جماعتوں پر بھی درست منطبق ہوتا ہے یعنی جو قوم ظالم ہو، استحصالی ہو اس کے قائدین بدکردار اور بداخلاق اور ظالم ہوں وہ ضرور بالضرور سیاسی، علمی اور اقتصادی میدان میں تنزلی کا شکار ہو جاتی ہے اور انسجام و اتفاق کی موجودگی اشد ضروری ہے تاکہ قیادت کی جنگ میں وہ اپنے مدمقابل کا مقابلہ پوری ڈھٹائی سے کر سکیں مگر اندرونی استحکام کسی معاشرے میں اس وقت آتا ہے جب اس معاشرے کے تمام طبقوں کے ساتھ اقتصادی اور عدالتی انصاف ہو رہا ہو۔

دوسرے یہ کہ سیاسی میدان میں طاقت ایک جگہ مرتکز نہ ہو بلکہ تقسیم ہو تاکہ ہر فرد یہ محسوس کرے کہ ملکی اور قومی امور میں اس کی رائے کو پورا وزن دیا جاتا ہے گویا معاشرے کی تشکیل جمہوری بنیادوں پر ہو۔ حکام پر مناسب پابندیاں ہوں۔ عوام کو سیاسی اور علمی امور میں مکمل آزادی رائے کا حق حاصل ہو البتہ ملک و قوم کے مفاد میں اور مذہب کے خلاف کسی کو کچھ کہنے کا حق حاصل نہ ہو اور یہ سب کچھ تب ہو سکتا ہے

جب اس معاشرے کی ہر سطح کے افراد چند بنیادی عقائد پر ایمان رکھتے ہوں اور ان کو کسی حالت میں بھی چھوڑنے کو تیار نہ ہوں۔

حضرت ابراہیمؑ کی قیادت اور امامت کے بارے میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ان کو قیادت اس وقت ملی جب وہ بلا چون و چرا اللہ کے احکام ماننے کے لئے تیار ہو گئے اور ان احکام کو ماننے اور منوانے کے لئے ان سے جو جو قربانی پیش کرنے کا مطالبہ کیا گیا انہوں نے بڑی خوشی سے وہ قربانی پیش کی تب جا کے وہ اللہ کی نیابت اور امامت کے مستحق ٹھہرائے گئے گویا کہ دنیا کی امامت اور قیادت اس قوم کے ہاتھ آتی ہے جو اپنے اصول اور عقائد کی حفاظت کے لئے کسی بھی قربانی سے دریغ نہ کرے اور ہر قسم کے مصائب جھیلنے کے لئے خندہ پیشانی سے تیار ہو۔ حضرت ابراہیمؑ نے اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے اپنے ملک سے ہجرت کی۔ اللہ کے حکم پر اپنی بیوی اور بیٹے کو مکہ کے غیر آباد علاقے میں چھوڑنے پر تیار ہو گئے اللہ کے حکم پر اپنے مقصد الٰہی کے حصول کے لئے آگ میں کود پڑے اور انجام کار اپنے بیٹے کے گلے پر چھری چلانے کا کٹھن مرحلہ بھی طے کیا اس قسم کے مخلص مضبوط صاحب عزم و ہمت اور صاحب مقصد آدمی کو دنیا کی امامت اور قیادت اگر نہ ملتی تو یہ سنت اللہ کے خلاف بات ہوتی ایسے شخص کے مقابلے میں ایک نمرود کے پاؤں ڈگمگانے لگتے ہیں اور تاریخ نے یہ ثابت کر کے دکھایا ہے۔

اس کے علاوہ قرآن نے قوم عاد کی تباہی اور زوال کا خاکہ بھی بڑی وضاحت سے کھینچا ہے قوم عاد بڑی طاقتور قوم تھی اور اعمال کی جزا و سزا اور ان کے لئے قیامت کے دن جوابدہی کے تصور سے انکاری تھی ان کے ہاں دنیا کا عیش و آرام زندگی کا واحد مقصد تھا ان کو دنیاوی جاہ و جلال پر بڑا گھمنڈ تھا۔ وہ اپنی طاقت کے گھمنڈ میں آخرت کی جزا و سزا سے کلیتہً بے فکر ہو گئی تھی ان کے گھمنڈ کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ (سورۃ حٰم سجدہ 41 آیت 15)

"عاد کا حال یہ تھا کہ وہ زمین میں کسی حق کے بغیر بڑے بن بیٹھے اور کہنے لگے "کون ہے جو ہم سے زیادہ زور آور ہے وہ ہماری آیات کا انکار ہی کرتے رہے"

حضرت ہودؑ نے ان کو بہت سمجھایا مگر طاقت کے غرور نے ان کو حقائق ناشناس بنا دیا تھا اللہ نے ان کو بہت سی نعمتوں سے نوازا تھا چاہیے تھا کہ وہ ان کا شکر ادا کرتے اور اپنے اس غرور کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتے مگر انہوں نے شکر ادا کرنے کی بجائے اللہ کے احکام کا مذاق اڑایا قرآن نے اس کا تذکرہ یوں کیا ہے۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ وَاتَّقُوا الَّذِيْ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ (سورۃ شعرا 26 آیت 124 سے 134)۔

"یاد کرو جب ان کے بھائی ہودؑ نے ان سے کہا تھا" کیا تم ڈرتے نہیں؟ میں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں۔ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔ یہ تمہارا کیا حال ہے ہر اونچے مقام پر لا حاصل ایک یادگار عمارت بنا ڈالتے ہو اور بڑے بڑے قصر تعمیر کرتے ہو گویا تمہیں ہمیشہ رہنا ہے اور جب کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو جبار بن کر ڈالتے ہو۔ پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ڈرو اس سے جس نے وہ کچھ تمہیں دیا ہے جو تم جانتے ہو۔ تمہیں جانور دیئے اولادیں دیں باغ دیئے چشمے دیئے مجھے تمہارے حق میں ایک بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے"

اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ مالداری آسودہ حالی سائنس اور تکنیکی مہارت اور ان کے نتیجے میں جو فوجی اور اقتصادی قوت ہاتھ آتی ہے وہ اس معاشرے کا اخلاقی ڈھانچہ کافی حد تک متاثر کرتی ہے اگر اس کے ساتھ یہ احساس نہ رہے کہ ان تمام اشیاء کا مہیا کرنے والا فقط اللہ کی ذات ہے جس کے نہ صرف قانون کے سامنے انسان کو اپنا سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے بلکہ اس کو مقتدر اعلیٰ بھی تسلیم کرنا ہوتا ہے اس عقیدے کے نتیجے میں انسان میں تواضع اور انکساری کا ملکہ پیدا ہوتا ہے اور وہ معاشرے کے افراد کے لئے وبال جان بننے کی بجائے رحمت ثابت ہوتا ہے اللہ کو یہی مطلوب ہے۔

قرآن نے عاد کے بعد ثمود کا ذکر کیا ہے ارشاد باری ہے

وَاِلٰي ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ (سورۃ اعراف

7 آیت 73 سے 75)

"اور ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالحؑ کو بھیجا اس نے کہا "اے برادران قوم اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے تمہارے پاس تمہارے رب کی کھلی دلیل آ گئی ہے یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے ایک نشانی کے طور پر ہے لہٰذا اسے چھوڑ دو کہ خدا کی زمین پر چرتی پھرے۔ اس کو کسی برے ارادے سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ ایک دردناک عذاب تمہیں آ لے گا۔ یاد کرو وہ وقت جب اللہ نے قوم عاد کے بعد تمہیں اس کا جانشین بنایا اور تم کو زمین میں یہ منزلت بخشی کہ آج تم اس کے ہموار میدانوں میں عالی شان محل بناتے اور اس کے پہاڑوں کو مکانات کی شکل میں تراشتے ہو اس کی قدرت کے کرشموں سے غافل نہ ہو جاؤ اور زمین میں فساد برپا نہ کرو"

اس کی قوم کے سرداروں نے جو بڑے بنے ہوئے تھے کمزور طبقے کے ان لوگوں سے جو ایمان لے آئے تھے کہا "کیا تم واقعی یہ جانتے ہو کہ صالحؑ اپنے رب کا پیغمبر ہے؟"

اس آیت سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ قوم ثمود طعام و شراب اور بنگلوں کی فکر میں مگن رہی۔ مقصد زندگی ان کی نظروں سے اوجھل رہا۔ اور پیغمبر کے بار بار سمجھانے کے باوجود وہ راہ راست پر نہ آئے ان کی غلط قیادت نے ان کی گمراہی میں بڑا کردار ادا کیا۔ چنانچہ اللہ نے اس کو قیادت سے معزول کر دیا اور اس کا نام و نشان باقی نہ رکھا۔

تیسری قوم مدین والوں کی تھی جن کی طرف حضرت شعیبؑ پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ان کا تذکرہ قرآن نے یوں کیا ہے۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ (سورة اعراف 7 آیت 85 سے 86)

"اور مدین والوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا اس نے کہا "اے برادران قوم اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی الٰہ نہیں ہے تمہارے پاس تمہارے رب کی صاف رہنمائی آ گئی ہے لہٰذا وزن اور پیمانے پورے کرو۔ لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دو۔ اور زمین میں فساد برپا نہ کرو جبکہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ اگر تم واقعی مومن ہو اور (زندگی کے) ہر راستے پر رہزن بن کر نہ بیٹھ جاؤ کہ لوگوں کو خوفزدہ کرنے اور ایمان لانے

والوں کو اللہ کے راستے سے روکنے لگو اور سیدھی راہ کو ٹیڑھا کرنے کے درپے ہو جاؤ۔ یاد کرو وہ زمانہ جب کہ تم تھوڑے تھے پھر اللہ نے تمہیں بہت کر دیا اور آنکھیں کھول کر دیکھو کہ دنیا میں مفسدوں کا کیا انجام ہوا۔"

مذکورہ بالا آیت سے یہ نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں کہ قوم شعیبؑ ایک اخلاقی مرض میں مبتلا تھی اور وہ مرض ناپ تول میں کمی اور قیمتوں کو اپنی مرضی کے مطابق گھٹانے بڑھانے کا تھا۔ حضرت شعیبؑ نے ان کو اس شنیع عمل سے روکنے کی حتی الوسع کوشش کی۔ ساتھ یہ بھی بتایا کہ جائز طریقے سے جو بھی منافع تم کماؤ گے وہ تمہارے لئے ناجائز کمائی سے ہزار درجہ بہتر ہے پھر تجارت میں Honesty is the best Policy کا اصول بھی تو کارفرما ہے جو تاجر ایمانداری سے کام کرتا ہے منافع مناسب کماتا ہے اور کسی کی مجبوری سے فائدہ بھی نہیں اٹھاتا۔ قیمتیں مناسب رکھتا ہے۔ اشیاء کی کمیت اور کیفیت دونوں پر اس کی نظر ہوتی ہے تو اس کی تجارت دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہی ہوتی ہے گویا کہ لین دین میں دیانتداری برتنے سے دین اور دنیا دونوں کے فائدے حاصل ہوتے ہیں اور ایسی تجارت ہم خرما و ہم ثواب کا مصداق بن جاتی ہے مگر مدین والے اپنے اس غلط کاروبار کو چھوڑنے والے نہ تھے۔ پھر ان کی یہ بے ایمانی اور بددیانتی صرف کاروبار کی حد تک محدود نہیں رہ سکتی تھی اس لئے کہ جب ایک آدمی زندگی کے کسی شعبے میں بددیانتی سے کام لیتا ہے تو اس کی یہ بیماری ناسور کی طرح زندگی کے دوسرے شعبوں تک پھیل جاتی ہے اور انجام کار زندگی کے تمام معاملات میں سرایت کر جاتی ہے۔

مدین والوں کی ایک دوسری غلطی یہ تھی کہ ان میں بعض بے کار اور تن آسان قسم کے لوگ پیدا ہو گئے تھے جو معروف طریقہ کار کے مطابق روزگار نہیں کرتے تھے بلکہ ان کا پیشہ یہ بن گیا تھا کہ راستوں میں بیٹھ کر لوگوں کو لوٹ لیا کرتے تھے اور بغیر کسی زیادہ محنت کے دولت کو ہتھیا لیتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ مسلمانوں کو بھی ڈراتے دھمکاتے تا کہ وہ حضرت شعیبؑ کے دین کی پیروی کرنا چھوڑ دیں۔

پھر یہ کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی اندھا دھند تقلید کرتے تھے اپنی صلاحیتوں کو بہت کم صحیح استعمال کرتے تھے اور اپنی عقل سے بہت کم کام لیتے تھے چنانچہ ان کی تخلیقی صلاحیتیں بیکار ہو گئی تھیں اور جس قوم کے افراد کی تخلیقی صلاحیتیں ماند پڑ جاتی ہیں وہ قیادت فراہم کرنے کی اہلیت کھو بیٹھتے ہیں بلکہ وہ ہمیشہ کے لئے دوسروں کے مقلد بن کر رہ جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ دولت کے نشے نے اس کے ذہن سے اللہ کے سامنے اپنے اعمال کی جوابدہی کا تصور کلیۃً نکال دیا تھا اس لئے ان کی احتسابی صلاحیت درندگی کی حد تک پہنچ چکی تھی ان تمام بیماریوں کی موجودگی میں قوم شعیبؑ کا بحیثیت قوم مزید زندہ رہنا اللہ کے قانون کی روشنی میں ناممکن تھا۔ چنانچہ اللہ نے اس کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔

اب آتے ہیں قوم نوحؑ کی طرف اس کے بارے میں ارشاد باری ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖۤ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ (سورۃ ھود 11 آیت 25 سے 27)

"(اور ایسے ہی حالات تھے) جب ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تھا (اس نے کہا) "میں تم لوگوں کو صاف صاف خبردار کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ ورنہ مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر ایک روز دردناک عذاب آئے گا" جواب میں اس کی قوم کے سردار جنہوں نے اس کی بات ماننے سے انکار کیا تھا بولے "ہماری نظر میں تو تم اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک انسان ہو ہم جیسے اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہماری قوم میں سے بس ان لوگوں نے جو ہمارے ہاں اراذل (رذیل) تھے بے سوچے سمجھے تمہاری پیروی اختیار کر لی ہے اور ہم کوئی ایسی چیز نہیں پاتے جس میں تم لوگ ہم سے کچھ بڑھے ہوئے ہو بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں"

آیت کے سیاق و سباق سے یہ نتیجہ بآسانی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ قوم نوحؑ نے تین بنیادوں پر نوحؑ کے مشن کو اپنانے سے انکار کر دیا تھا۔

1- وہ ان کی طرح انسان ہیں جیسے وہ فانی ہیں نوحؑ بھی فانی ہیں اس لئے وہ ان کی اطاعت کے مستحق نہیں ہیں۔

2- ان کی پیروکاروں کی اکثریت لوہاروں اور ترکھانوں یعنی پیشہ ور لوگوں کی تھی اور معاشرے میں ان جیسے لوگوں کا مقام اور کردار قابل ذکر نہیں تھا یعنی ان کے مقابلے میں وہ غریب تھے۔ اگر نوحؑ اللہ کے سچے پیغمبر ہوتے تو شریف اور دانشور قسم کے لوگ آپ کے پیروکار ہوتے۔

3- حضرت نوحؑ کے پیروکاروں کو ان پر کسی قسم کی برتری حاصل نہیں تھی ان کے خیال میں وہ ان کی طرح عالم و فاضل نہیں تھے اور نہ حالات کے ساتھ چلنے کی ان میں صلاحیت موجود تھی۔

مگر ان کے یہ اعتراضات مبنی بر حقیقت نہ تھے۔

حضرت نوحؑ اگرچہ انسان تھے مگر پیغمبر تھے ان کو اللہ نے علم یقین یعنی وحی سے نوازا تھا اور وہ ہر کام وحی کی روشنی میں کرتے تھے اور معصوم تھے ان کے مقابلے میں ان کے مخالفین گمراہ تھے وہ سارے فیصلے اپنی ناقص عقل کی روشنی میں کرتے تھے۔

ان کا دوسرا اعتراض بھی ان کی جاہلیت تھا اس لئے کہ مذہب کے معاملات میں کسی شخص کا مقام معاشرے میں اس کے مقام عہدے نسل یا خاندان کی بنیاد پر متعین نہیں ہوتا اور نہ اس کی دولت اس سلسلے میں اس کی کوئی مدد کر سکتی ہے اس کے برعکس مذہب کو سہارا دینے والوں میں اکثریت غریبوں کی رہی ہے

مالدار لوگوں کو اپنی مالداری کا چسکا لگا رہتا ہے وہ اصول کی خاطر قربانی بہت کم دے سکتے ہیں۔

ان کا تیسرا اعتراض بھی ان کی جہالت کا نتیجہ تھا اس لئے کہ برتری کا معیار اللہ کی نظر میں علم اور تقویٰ ہے۔ اور حضرت نوحؑ اور ان کے پیروکاروں میں یہ صفات بدرجہ اتم موجود تھیں اس لئے اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ کے معیار پر حضرت نوحؑ اور ان کے پیروکار پورے اترتے تھے۔

انجینئرنگ
CIVIL ENGIEEERING

قرآن مجید میں سول انجینئرنگ کے موضوع پر بہت سا مواد موجود ہے مثلاً چٹانوں کو تراش کر مکانات بنانے کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے۔

1- وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا (سورۃ اعراف 7 آیت 74)

"اور وہ حالت یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو عاد کے بعد آباد کیا اور تم کو زمین میں رہنے کو ٹھکانا دیا کہ ہموار زمین پر محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر ان میں گھر بناتے ہیں"

2- وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ (سورۃ فجر 89 آیت 9)

"اور ثمود کے ساتھ معاملہ کیا جو وادی القریٰ میں پہاڑ کے پتھروں کو تراشا کرتے تھے اور مکانات بنایا کرتے تھے"

مکینیکل
MECHANICAL

ارشاد ربانی ہے۔

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَـٰٔتُ فِی الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ (سورۃ رحمن 55 آیت 24)

"اس کے لئے جہاز ہیں جو سمندر میں پہاڑ کی طرح اٹھے ہوئے ہیں"

آیت میں پہاڑ جیسے بڑے بڑے سمندری جہازوں کا ذکر ہوا ہے اب پہاڑ جیسے جہاز سمندر میں دھکوں سے نہیں چلیں گے۔ ضرور کوئی مشینری ایسی ہو گی جو ان کو متحرک رکھے گی۔

اس طرح مِنْ مِّثْلِهٖ مَا یَرْكَبُوْنَ (سورۃ یٰس 36 آیت 42) میں ہر قسم کے خشکی اور ہوا کے ذرائع مواصلات شامل کئے گئے ہیں ان میں ریل، موٹر، ٹرام، بسیں اور ہوائی جہاز وغیرہ شامل ہیں۔

اسی طرح لوہے، ویلڈنگ اور اس سے زرہیں بنانے کا ذکر قرآن میں ہوا ہے۔

AGRICULTURE

ارشادِ ربانی ہے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ عَن يَمِينٍ وَشِمَالٍ كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُم بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِّن سِدْرٍ قَلِيلٍ (سورۃ سبا 34 آیت 15 سے 16)

"قوم سبا کے لئے ان کے مسکن ہی میں ایک نشانی موجود تھی دو باغ دائیں بائیں کھاؤ اپنے رب کا دیا ہوا رزق اور شکر بجا لاؤ اس کا ملک ہے عمدہ اور رب ہے بخشنے والا مگر وہ منہ موڑ گئے آخر کار ہم نے ان پر بند توڑ سیلاب بھیج دیا اور ان کے پچھلے دو باغوں کی جگہ انہیں دو اور باغ دیئے جن میں کڑوے پھل اور جھاؤ کے درخت تھے اور کچھ تھوڑی سی بیریاں"

ہوا یوں تھا کہ سبا کے لوگوں نے دو پہاڑوں کے درمیان بند باندھ دیا تھا جس کی لمبائی 150 فٹ اور چوڑائی 50 فٹ تھی یہ بند شہر مارب کے جنوب میں جن پہاڑوں کے درمیان بنایا گیا تھا ان کو بلق کہتے ہیں اس بند میں کئی دہانے بنائے گئے تھے جن سے کئی نہریں نکالی گئی تھیں جن کی وجہ سے پوری زمین باغات میں تبدیل ہوئی تھی لیکن جب لوگوں نے سرکشی کی اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہوا اور ایک سیلاب آیا جس نے یہ بند توڑ دیا زمین بنجر بن گئی اور ایک وقت ایسا آیا کہ اس میں بیر اور جھاؤ کے درختوں کے سوا اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اس بند کے آثار آج کل بھی پائے جاتے ہیں اس بند کا نام سد مارب تھا۔

قوموں کے عروج و ترقی کی نشانیاں

اہرام مصر

اہرام مصر ویسے تو چھوٹے بڑے کئی اہرام ہیں لیکن ان میں سے ایک جو سب سے بڑا ہے وہ دنیا کا پہلا عجوبہ کہلاتا ہے ان اہرام پر دنیا بھر میں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں اور ان کے متعلق طرح طرح کی باتیں منسوب ہیں جن میں اس کی صحت بخش خصوصیات اور دوسری مختلف قسم کی مافوق الفطرت خصوصیات کا ذکر ملتا ہے ان کے ذکر کی اس مضمون میں گنجائش نہیں ہے البتہ ان اہرام کی تکنیکی تفصیل اس بات پر دلالت کرے گی کہ ان کے بنانے والے کس مہارت کے حامل تھے۔

غازہ کا اہرام جو مصر کے اہراموں میں سب سے بڑا ہے دریائے نیل کے قریب ایک بہت بڑے رقبہ پر پھیلا ہوا ہے یہ ایک مربع مخروطی عمارت ہے جس کا زمین پر مربع کا ایک ضلع Side فٹ بال کے تقریباً

ڈھائی میدانوں کی لمبائی کے برابر ہے اور اونچائی 450 فٹ یعنی تقریباً 40 منزلہ عمارت کے برابر ہے آج کل کی ٹیکنالوجی کے مطابق اتنی بڑی عمارت بنانا اگرچہ ناممکن نہیں ہے لیکن جو باتیں ابھی تک حیران کن ہیں وہ یہ کہ یہ عمارت آج کل کی عمارتوں کی طرح کنکریٹ کی بنی ہوئی نہیں ہے جن کا بنانا آسان ہے یعنی اس میں سیمنٹ اور لوہا استعمال نہیں ہوا ہے پوری عمارت مختلف ناپ کے پتھروں سے بنائی گئی ہے جن میں چھوٹے سے چھوٹا پتھر بھی تقریباً تین ٹن وزن کا ہے اور بڑے سے بڑا پتھر تقریباً 85 ٹن وزن تک کے ہیں ایک اندازے کے مطابق چھوٹے بڑے سب ملا کر تقریباً 26 لاکھ پتھر اس میں استعمال ہوئے ہیں یہ سب پتھر گرینائٹ Granite اور چونے کے پتھر ہیں جو اس جگہ کے قریب کہیں دستیاب نہیں ہیں۔ اندازہ ہے کہ یہ پتھر تقریباً 500 میل دور سے دریائے نیل کے ذریعہ لائے گئے ہیں اور پھر نہ صرف بھاری پتھر عمارت تک لے جائے گئے ہیں بلکہ بننے کے دوران سینکڑوں فٹ کی اونچائی تک بھی پہنچائے گئے ہیں بات یہاں پر ہی ختم نہیں ہوتی کیونکہ یہ پتھر کسی سیمنٹ وغیرہ سے نہیں جوڑے گئے آج کل کی اچھی سے اچھی سیمنٹ سے بھی جوڑ کافی موٹا ہو جاتا ہے لیکن ان بھاری اور بڑے پتھروں کو اس مہارت سے ہموار کر کے جوڑا گیا ہے کہ جوڑ کی موٹائی ایک انچ کے سوویں حصہ تک ہے اب آپ اندازہ لگائیے کہ اتنے بھاری ایک پتھر کو اس طرح ہموار کیا جائے کہ جوڑ کی موٹائی ایک انچ کے سوویں حصے کے برابر ہو تو اس کو بنانے میں کتنا وقت درکار ہوگا۔ اگر بہت زیادہ افرادی اور مشینی قوت استعمال کر کے ایسے ایک سو پتھر بھی روزانہ بنائے جائیں ہفتہ میں ساتوں دن کام کیا جائے اور کوئی چھٹی نہ کی جائے تو ان 26 لاکھ پتھروں کو بنانے کے لئے ستر سال درکار ہوں گے اور پھر کیونکہ سب پتھر برابر کے نہیں ہیں اس لئے یہ حساب رکھنا کہ کونسا پتھر کس جگہ کیلئے بنایا گیا ہے ایک کمپیوٹر کے بغیر ممکن نہیں ہے اب آپ ذرا اوپر دی ہوئی معلومات کی روشنی میں اس وقت کی ٹیکنالوجی پر غور کیجئے اتنے بڑے بڑے پتھروں کو پہاڑ سے کاٹنے کے لئے ان لوگوں کے پاس کونسی مشینیں تھیں؟ پھر ان بھاری پتھروں کو اس طرح ہموار کرنے کے لئے کہ جوڑ ایک انچ کے سوویں حصے کے برابر ہو کونسی مشینیں استعمال کی گئیں؟ کیونکہ ہاتھ سے اس طرح گھس کر ہموار کرنا ناممکن ہے خاص طور پر اس لئے کہ یہ بات چند پتھروں کی نہیں بلکہ لاکھوں پتھروں کی ہے پھر ان پتھروں کو کن کرینوں کے ذریعہ دریا تک لیجایا گیا؟ اور کن دریائی کشتیوں یا جہازوں کے ذریعہ سینکڑوں میل دور لے جایا گیا؟ پھر کن کرینوں کے ذریعہ یہ بھاری پتھر سینکڑوں فٹ اونچائی تک پہنچائے گئے؟ اور وہ کونسی چیز تھی جن کے ذریعہ ان پتھروں کو جوڑا گیا؟ ان پتھروں کا سارا حساب کن کمپیوٹرز کے ذریعے کیا گیا؟ پھر جب اتنی بھاری عمارت تیار کی جاتی ہے تو پہلے اس بات کی سائنسی ذرائع سے تحقیق کی جاتی ہے کہ اتنے وزن سے وہاں زمین دھنس تو نہیں جائے گی یہ ٹیکنالوجی بھی ان کے پاس اس مہارت کے ساتھ تھی کہ چار ہزار سال کا عرصہ گزر جانے کے باوجود وہ اپنی جگہ پر قائم ہیں اور دیکھنے والوں کو غور و فکر کی دعوت دے رہے ہیں۔

اور بیان کی ہوئی ٹیکنالوجی کے علاوہ بھی چند باتیں غور طلب ہیں اہرام کا رخ اس طرح بنایا گیا ہے کہ ان کے مربع سطح کے دو متوازی اضلاع بالکل صحیح شمالاً جنوباً سمت میں ہیں یعنی ان کے بنانے والوں کے پاس اس قسم کے Sophisticated آلات تھے جن کے ذریعہ وہ بالکل صحیح سمت معلوم کر سکتے تھے۔ اتنی بڑی عمارت کی بناوٹ میں لمبائی اور زاویوں کی اتنی درستگی Accuracy ہے جو صرف بہترین اور حساس آلات کے ذریعہ ہی ممکن ہے اس کے علاوہ اس کی لمبائی چوڑائی اونچائی اور اندر کے کمروں اور راہداریوں کی پیمائش اس طرح کی ہیں جو سورج چاند اور ستاروں کی حرکات سے حیران کن حد تک مماثلت رکھتی ہیں یہاں ان کی تفصیل نہیں بیان کی جا سکتی لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اہرام مصر ابھی تک معمہ بنے ہوئے ہیں اور ان کے متعلق بہت سی تفصیلات ابھی تک معلوم نہیں ہو سکیں۔

عام طور پر اہرام مصر بہت زیادہ مشہور ہیں لیکن دنیا کے دوسرے حصوں مثلاً چین مشرق بعید اور وسطی اور جنوبی امریکا میں بھی اہرام پائے گئے ہیں اگرچہ وہ پیمائش میں چھوٹے ہیں لیکن ان کی موجودگی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان سب کا تعلق ایک خاص علم سے تھا جو اس زمانے میں دنیا میں رائج تھا اب اگر یہ خیال کیا جائے کہ ان اہرام کے بنانے والے سائنسی علم کم رکھتے تھے تو یقیناً گمراہ کن بات ہوگی ورنہ اس کا کیا جواب ہے کہ دنیا کا پہلا عجوبہ کس طرح بنایا گیا اور اس کا استعمال کس علم سے تعلق رکھتا تھا جبکہ اس کے متعلق کچھ باتیں ابھی بھی ناممکن نظر آتی ہیں۔

رہائش گاہوں کی آرائش و زیبائش

حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں رہائش گاہوں کی طرز تعمیر اور ان کی آرائش و زیبائش سورۃ نمل 27 آیت 44 سے ظاہر ہوتی ہے جس سے ان کے بنانے والوں کی تکنیکی مہارت اور ہنر مندی کا پتہ چلتا ہے جب ملکہ سبا حضرت سلیمانؑ سے ملنے ان کے پاس پہنچی تو اس سے کہا گیا

قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَن سَاقَيْهَا قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّن قَوَارِيرَ

یعنی "محل (کے صحن) میں داخل ہو، پھر جب اس نے اسے دیکھا اسے گہرا پانی سمجھی اور اپنی پنڈلیاں کھول لیں (یعنی اپنے پائنچے سمیٹ لیے) (سلیمانؑ نے) فرمایا یہ شیشوں سے بنا ہوا ایک چکنا صحن ہے۔

"محل کی بناوٹ و سجاوٹ اور فرش میں شیشوں کے استعمال پر غور فرمائیے کہ ایک ملکہ جسے اللہ تعالیٰ کے الفاظ کے مطابق

وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ

یعنی "اسے ہر چیز میں سے ملا" (سورۃ نمل 27 آیت 23) یعنی جسے اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی نعمت سے نوازا تھا اس کی آنکھیں بھی صحن کی بناوٹ پر دھوکہ کھا گئیں۔

آثار قدیمہ

ARCHAEOLOGY

آثار قدیمہ کے متعلق قرآن مجید میں بہت ساری آیات کی نشاندہی کی جا سکتی ہے پرانی اقوام کی تاریخ ان کی تہذیب و تمدن اور ان کے آثار کی طرف جگہ جگہ مفید اشارے ہوئے ہیں۔

مثال کے طور پر

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (سورۃ روم 30 آیت 41)

"خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے تاکہ مزا چکھائے ان کو ان کے بعض اعمال کا شاید کہ وہ باز آ جائیں"

دنیا میں جب اور جہاں بھی اقوام کے درمیان لڑائیاں ہوئی ہیں وہ بہت کم ایک اچھے مقصد کے لئے لڑی گئی ہیں عام طور پر ان لڑائیوں میں انسانی خواہش کی تسکین ہوتی ہے اس لئے جنگ عظیم اول اور دوم کے باقیات و تجربات کا اگر مشاہدہ کرنا ہے تو مغرب میں ان مقتولین کی یادگاریں دیکھی جائیں جو ان لڑائیوں میں کام آئے ہیں اور ہیروشیما اور ناگاساکی میں چٹانوں میں ان انسانوں کی کھوپڑیاں اور اعضاء دیکھے جائیں جو ایٹم بم کے نتیجے میں پتھر بن گئے ہیں اور جن کا نظارہ آج بھی کیا جا سکتا ہے۔

وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ (سورۃ شوریٰ 42 آیت 30)

"اور تم کو جو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کیے ہوئے کاموں سے پہنچتی ہے"

اس آیت میں بھی مذکورہ بالا مفہوم بیان ہوا ہے اور انسانی کرتوتوں کے نتائج آج دنیا میں مختلف یادگاروں کی شکل میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ (سورۃ نمل 27 آیت 69)

"آپ کہہ دیجئے کہ تم زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ مجرموں کا انجام کیا ہوا ہے"

چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ دنیا کے مختلف حصوں میں مختلف قوموں کے آثار ملتے ہیں مگر ان کا نام و نشان اب باقی نہیں رہا۔

فرعون کی لاش کی حفاظت کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً (سورۃ یونس 10 آیت 92)

"آج ہم تیری لاش کو پانی میں خراب ہونے سے بچائیں گے تاکہ تو اپنے مابعد والوں کے لئے نشان عبرت ہو"

گویا لاش محفوظ رکھی جاسکتی ہے جیسا کہ مختلف عجائب گھروں میں دیکھنے میں آیا ہے اور فرعون کی لاش آج بھی مصر کے عجائب گھر میں محفوظ ہے اور دیکھنے والوں کے لئے درس عبرت بنی ہوئی ہے۔

قرآن نے یمن میں سد مارب کا ذکر بھی کیا ہے وادی اذونیہ میں کوہ ابلق کے دو پہاڑوں کے درمیان بنائی گئی تھی اور پھر سیل عرم نے اس کو بہا دیا تھا آج کل بھی اس کے آثار پائے جاتے ہیں۔

قرآن مجید میں ایٹم بم اور نیوٹرون بم کا ذکر

مختلف قوموں پر مختلف عذابوں کے ذکر کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۃ عنکبوت 29 آیت 40 میں فرمایا:

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا

یعنی "ان سب کو ہم نے ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا۔ ان میں سے کچھ ہیں جن پر آندھی آئی اور ان میں سے کچھ ہیں جن کو زبردست آواز (دھماکہ) نے پکڑ لیا۔ اور ان میں کچھ ہیں جن کو زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے کچھ کو غرق کر دیا"

اگرچہ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے گناہگار قوموں پر عذاب بھیجنے کی ذمہ داری اپنے اوپر لی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ واضح کر دیا کہ اس کا اصل سبب ان کے اپنے گناہ یا کرتوت تھے اللہ تعالیٰ نے کسی قوم پر خواہ مخواہ ظلم نہیں کیا کیونکہ اسی آیت میں آگے فرمایا۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ

یعنی "اللہ ایسا نہیں ہے کہ ان پر ظلم کرتا بلکہ وہ لوگ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے" اس آیت کے علاوہ بھی قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر عذابوں کا ذکر فرمایا اور خاص طور پر عاد اور ثمود کی قوموں پر عذاب کی تکرار ہے جن پر بالترتیب تیز آندھی اور زبردست آواز سے عذاب نازل ہوا۔

اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ خالق کائنات ہے اور اس کے لئے کسی بھی بڑے سے بڑے کام کا کرنا نہایت آسان ہے جب اس کو کوئی کام کرنا ہوتا ہے تو وہ صرف "کن" فرماتا ہے اور وہ ہو جاتی ہے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ اس نے ہر کام اور ہر بات کا ایک قانون بنایا ہے اور جب کوئی بات ہوتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق ہی ہوتی ہے اور انسان کے بس میں یہ نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قوانین سے ہٹ کر کوئی کام کر سکے خواہ اس میں انسان کی پیدائش ہو یا کائنات

کی تسخیر۔ سائنس کے تمام اصول تو قوانین ربانی کا حصہ ہیں یا جو اپنی جگہ ایک مستقل حیثیت رکھتے ہیں ان اصولوں سے ہٹ کر اگر کبھی کوئی بات ہوتی ہے تو اسے معجزہ کہتے ہیں اس نے حضرت آدمؑ کو بے ماں باپ کے پیدا کیا اور حضرت عیسیٰؑ کو صرف ماں سے پیدا کیا۔ یہ اور اسی قسم کی دوسری باتیں اللہ تعالیٰ نے معجزہ کے طور پر دکھائی ہیں ان معجزات سے اللہ تعالیٰ کو یہ بتانا مقصود ہے کہ ان قوانین کی موجودگی کے باوجود اللہ تعالیٰ خود مختار ہے اور وہ کبھی بھی اپنے ہی بنائے ہوئے قانون سے ہٹ کر کوئی بھی کام کر سکتا ہے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنے بنائے ہوئے قوانین سے ہٹ کر ایک ہی طرح کا معجزہ بار بار نہیں دکھاتا۔ ورنہ قانون قانون نہ رہے اور انسانوں کا اللہ تعالیٰ کے قوانین سے اعتبار ختم ہو جائے۔

آندھی آنے کا بھی ایک قانون ہے وہ یہ کہ گرمی سے ہوا ہلکی ہو کر اوپر اٹھتی ہے اور جہاں پر گرمی ہو وہاں پر ہوا کے ہلکے ہونے کی وجہ سے ہوا کا دباؤ کم ہو جاتا ہے۔ جب ایک جگہ ہوا کا دباؤ دوسری جگہ کے دباؤ سے کم ہو جاتا ہے تو زیادہ دباؤ والے علاقہ سے کم دباؤ والے علاقہ کی طرف ہوا چلتی ہے اگر دباؤ کا یہ فرق بہت زیادہ ہو تو ہوا بھی بہت تیزی سے چلتی ہے جسے آندھی کہتے ہیں گویا بہت تیز آندھی کے لئے ہوا کے دباؤ کا بہت زیادہ اور اچانک فرق ہونا یا دوسرے الفاظ میں گرمی میں بہت زیادہ اور اچانک فرق پیدا ہونا ضروری ہے کیونکہ زمین پر ہر جگہ حرارت سورج سے ہی حاصل ہوتی ہے اس لئے قدرتی طور پر یہ فرق اس حد میں ہوتا ہے کہ تھوڑی بہت تباہی ہوتی لیکن پورے کے پورے شہر اور آبادیاں تباہ نہیں ہوتیں اور اگر یہ فرق اتنا زیادہ ہو کہ پوری کی پوری آبادیاں تباہ ہو جائیں تو اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ حرارت کا یہ فرق قدرتی نہیں بلکہ مصنوعی ہو جو ایٹم بموں یا اسی قسم کے دوسرے تیز حرارت پیدا کرنے والے بموں کے ذریعہ کیا جا سکتا ہے اسی طرح سخت آواز (دھماکہ) کا بھی ایک قانون ہے اگر ہوا میں ارتعاش آواز کی صورت میں ہمیں سنائی دیتا ہے اور جتنا ارتعاش کا دباؤ زیادہ ہو گا آواز اتنی ہی سخت ہو گی۔ یہ اتنی زیادہ بھی ہو سکتی ہے کہ کان کے پردے پھٹ جائیں یا سختی کی ہیبت سے انسان ہلاک ہو جائے اسی اصول پر دھماکہ کرنے والے بم بنائے جاتے ہیں جو حرارت تو کم پیدا کریں لیکن دھماکہ زیادہ کریں اور ہلاکت کا سامان پیدا کر دیں۔

اسی ضمن میں چند باتیں ذہن میں رکھیئے پہلی بات یہ کہ دنیا میں پہلے انسان سے لیکر اب تک لاکھوں یا شاید کروڑوں سال کا عرصہ گزر چکا ہے جس کا اس مضمون کے شروع میں ذکر کیا گیا۔ دوسری یہ کہ اوپر بیان کردہ سورۃ عنکبوت 29 آیت 40 جس میں مختلف قسم کے عذابوں کا ذکر ملتا ہے اس سے یہی مفہوم نکلتا ہے کہ ایک طرح کا عذاب صرف ایک دفعہ کسی ایک قوم پر نہیں بلکہ بہت سی قوموں پر بار بار آیا ہے تیسری بات یہ کہ یہ طریقہ عذاب یا تباہی بہت زیادہ قسم کے نہیں بیان کئے گئے چوتھی بات اللہ تعالیٰ کا فرمانا کہ جو قومیں تباہ ہوئیں وہ زور اور طاقت میں تم سے زیادہ تھیں اور پانچویں بات یہ کہ انسانہ تاریخ صرف تقریباً پانچ ہزار سال کا ہے اس سے پہلے کا زمانہ جو زمانہ قبل از تاریخ کہلاتا ہے اور جو لاکھوں سال پر محیط ہے اس

کے متعلق ہم کو کچھ معلومات حاصل نہیں۔ سوائے اس کے کہ قرآن مجید نے ان ساری گذشتہ قوموں کی تباہی کا ذکر کیا ہے چند قوموں کا نام لے کر اور بے شمار قوموں کا جن کا ہم کو علم نہیں دیا گیا (سورۃ ابراہیم 14 آیت 9) بغیر نام لئے۔ البتہ مختلف قسم کے طریقہ عذاب یا تباہی کا ذکر بار بار ملتا ہے۔

ان سب باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے گمان غالب اس بات کا ہے کہ زمانہ قبل از تاریخ میں بہت ساری قومیں گذری ہیں جو اتنی طاقتور ہو گئی تھیں کہ ان کی ترقی ہی ان کی تباہی کا باعث بن گئی ترقی بھی ایسی جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام 6 آیت 44 میں فرمایا

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً

یعنی "پھر جب انہوں نے اس نصیحت کو جو ان کو دی گئی تھی فراموش کر دیا تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ وہ ان چیزوں سے جو ان کو دی گئی تھیں خوب خوش ہو گئے تو ہم نے اچانک انہیں پکڑ لیا" اس آیت میں لفظ "کل شیٔ" یعنی "ہر چیز" قابل غور ہے جو ان قوموں کی ترقی اور عیش و آرام پر دلالت کرتی ہے کہ وہ خوب خوش ہو گئے تھے اب ان کا اللہ تعالیٰ کی نصیحت کو فراموش کر دینا اور عذاب کا اچانک آ جانا صاف ظاہر کرتا ہے کہ ان کی ترقی ہی ان کی تباہی کا باعث بن گئی کیونکہ ترقی کا استعمال اللہ تعالیٰ کی نصیحت کے مطابق نہیں بلکہ اس کے خلاف ہوا اس کی تائید اور بہت سی آیات کے علاوہ آیت 40 سورۃ عنکبوت 29 میں ہے جہاں مختلف عذابوں کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اللہ ایسا نہیں کہ ان پر ظلم کرتا بلکہ انسان ہی اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے" یعنی گذشتہ قومیں اپنی سائنسی ایجادات سے مکمل طور پر تباہ ہو گئیں اور تیز آندھی اور سخت آواز (دھماکہ) اس بات کی طرف نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ تباہیاں ایٹم بم یا ہائیڈروجن بم یا اسی قسم کی کسی دوسری چیز سے ہوئی ہیں۔

پہلی قسم کے عذاب یعنی تیز آندھی کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کے ساتھ فرمایا۔ وہ قوم عاد جس کے متعلق سورۃ فجر 89 آیات 7 سے 8 میں فرمایا۔

ذَاتِ الْعِمَادِ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ

یعنی "وہ حد سے زیادہ دراز قد والے کہ ان جیسا شہروں میں پیدا نہ ہوا" سورۃ احقاف 42 آیت 26 میں فرمایا "بیشک ہم نے ان کو وہ طاقت دی جو تم کو نہیں دی" اور سورۃ حم السجدہ 41 آیت 15 میں فرمایا۔

فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً

یعنی "انہوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور بولے کہ ہم سے بڑھ کر قوت میں کون ہے" ان آیات کا آج کل کی سائنسی ترقی کے حوالے سے غور فرمایئے اور ان کی حشمت، جاہ و جلال اور طاقت کا اندازہ لگایئے اور پھر ان کو اچانک سخت آندھی نے تباہ کر دیا تو آپ اس آندھی کی نوعیت پر غور فرمایئے کیونکہ تباہی کا

باعث اللہ تعالیٰ کی نصیحت کے خلاف عمل تھا۔

دوسری قسم کا عذاب تیز آواز یا دوسرے الفاظ میں سخت قسم کا دھماکہ ہے اور اس قسم کے عذاب کے لئے اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کی مثال دی۔ قوم ثمود کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورۃ فجر 89 آیت 9 کے ذریعہ بتایا۔ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ یعنی "وہ وادی میں پہاڑ کے پتھروں کو تراشتے تھے" کیونکہ لفظ کاٹنے یا تراشنے کا استعمال ہوا ہے اسلئے اس سے یہ مطلب ہرگز نہیں لیا جا سکتا کہ وہ غیر ترقی یافتہ قوم تھی جو غاروں میں رہتی تھی کیونکہ پہاڑ کے پتھروں کا تراشنا آسان کام نہیں ہے اس کے لئے اچھی خاصی ٹیکنالوجی کی ضرورت ہے جس کا کچھ اندازہ اہرام مصر کے ضمن میں کیا جا سکتا ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ ان پتھروں سے کرتے کیا تھے ہو سکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ بات آئے کہ وہ ان پتھروں سے بت یا اپنے معبود بناتے ہوں گے تو سورۃ حجر 15 آیت 82 میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بھی واضح کر دیا ہے کہ

وَكَانُوا يَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا آمِنِينَ

یعنی "وہ پہاڑوں سے امن والے (محفوظ) گھر تراشتے تھے" کیونکہ پہاڑ کے پتھروں سے چھوٹے مکان نہیں بنائے جاتے اس لئے امن والے یا محفوظ گھر سے مراد بڑے محل یا قلعہ نما مکانات ہی ہوں گے جو ہر طرح کی آفات سے محفوظ ہوں گے اور مضبوطی کے لحاظ سے منفرد ہوں گے۔ تبھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر قرآن مجید میں کیا ہے۔ ذرا غور کیجئے کہ آخر وہ اتنے محفوظ گھر کیوں بناتے تھے؟ کیا ان کو کسی چیز کا خوف تھا جس سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا چاہتے تھے؟ اور اگر تھا تو وہ کیا چیز ہو سکتی ہے؟ اور پھر اس کا مقابلہ آج کل کے زمانے سے کیجئے کہ جب بھی کسی جنگ کا خطرہ ہوتا ہے تو لوگ اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لئے خندقیں کھودتے ہیں اور دھماکہ سے محفوظ عمارات تعمیر کرتے ہیں اور پھر اگر قوم ثمود پہاڑوں میں مکانات بناتے تھے تو ان کو کتنا بڑا خطرہ لاحق ہوگا۔ اور جب مکانات اتنے مضبوط ہوں کہ تیز آندھی یا بم کے ذریعہ بھی نہ گرائے جا سکتے ہوں تو تباہی کا ذریعہ آندھی نہیں بلکہ سخت آواز یا دھماکہ قرار پایا جس کی آواز نے ان قلعہ نما مکانوں کو نقصان پہنچائے بغیر لوگوں کو ہلاک کر دیا۔ ظاہر ہے کہ جنگ میں دشمن کی ہلاکت کے لئے وہی ہتھیار استعمال کیا جاتا ہے جو زیادہ موثر اور کارآمد ہو مختلف قسم کی جنگ کے لئے ایک ہی طرح کا ہتھیار استعمال نہیں ہوتا یہ سب اس وقت ہے جب اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قوانین کو استعمال کر کے انسان کچھ کرے۔ اللہ تعالیٰ اگر اپنے ہی بنائے ہوئے قوانین کائنات سے ہٹ کر کسی قوم پر عذاب نازل کرنا چاہے تو وہ مجبور نہیں ہے کہ کسی خاص قسم کے طریقہ عذاب کا بہانہ کرے اس کے لئے تو کن کہہ دینا ہی کافی ہے۔

اوپر دیئے گئے حوالہ جات اور دلائل اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ جہاں کہیں اللہ تعالیٰ نے عذاب کے حوالے سے تیز آندھی یا سخت آواز کا ذکر کیا ہے اس سے مراد ایٹم بم یا اسی قسم کا اور کوئی بم ہے ظاہر ہے کہ چودہ سو سال پہلے جب یہ قرآن مجید انسان کو دیا گیا تھا اس وقت کوئی انسان اس قسم کی کسی

بھی چیز کو نہیں جانتا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے پیرائے میں ذکر فرمایا کہ ایجادات کے ساتھ ساتھ ان کا مفہوم زیادہ واضح ہوتا جائے یہ اسلوب صرف اسی جگہ نہیں بلکہ جہاں کہیں سائنسی ایجادات کا حوالہ قرآن مجید میں آیا ہے بیان کا یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے اس طرز بیان کے مطابق صرف اوپر لکھی ہوئی آیات ہی نہیں بلکہ اور آیات بھی ہیں جن سے قوموں کی تباہی تابکاری بموں کے ذریعہ یا اسی قسم کی دوسری چیزوں کے ذریعہ ہونا ثابت ہے ان میں سے چند آیات مزید تشریح کے لئے نیچے بیان کی جا رہی ہیں۔

سورۃ ذاریات 51 آیات 41 سے 42 میں اللہ تعالیٰ نے قوم عاد میں اپنی نشانی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

وَفِیْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْھِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ کَالرَّمِیْمِ

یعنی "اور عاد میں جب ہم نے ان پر خشک آندھی بھیجی۔ جس چیز پر گزرتی اسے گلی ہوئی (یا بوسیدہ) ہڈی کی طرح کر چھوڑتی "یعنی اس خشک آندھی سے صرف انسان ہی نہیں ہلاک ہوئے بلکہ نباتات و حیوانات بھی تباہ ہوئے اور تباہی بھی کیسی کہ جیسے ہر چیز گل سڑ گئی ہو ہوا کتنی بھی خشک کیوں نہ ہو اور گرم ہو اس میں نمی بالکل نہ بھی ہو تب بھی اس میں یہ خصوصیت نہیں ہوتی کہ چیزوں کو گلا سڑا دے یہ خصوصیت دو طرح سے حاصل ہو سکتی ہے پہلی یہ کہ ہوا کا درجہ حرارت بہت زیادہ حد سے بڑھ جائے جس کی وجہ سے کھال اور گوشت جل بھن جائے اور پھر گلنے سڑنے لگے حرارت کی اس حد تک زیادتی معجزہ کے علاوہ قدرتی طور پر ممکن نہیں۔ اور جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ قوم عاد کی طرح آندھی کا عذاب بہت سی قوموں پر آیا اور اللہ تعالیٰ کی سنت یہ نہیں ہے کہ ایک ہی طرح کا معجزہ بار بار دکھائے تو امکان صرف اس بات کا ہے کہ اگر یہ بہت زیادہ حرارت کی وجہ سے ہے تو وہ حرارت مصنوعی طریقے سے پیدا ہوئی ہوگی عام طور پر آندھی کے ساتھ یا آندھی کے بعد تھوڑی بہت بارش بھی ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی اس آیت میں اس بات کی تاکید کہ یہ خشک آندھی تھی مصنوعی طور پر حرارت یا آندھی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ چیزوں کو گلانے سڑانے کی دوسری صورت یہ ہے کہ ہوا میں تابکاری Radio Activity پھیل جائے کیونکہ تابکار ہوا جہاں جہاں گزرتی ہے تابکاری پھیلاتی جاتی ہے اور اس سے کھال اور گوشت گلنے سڑنے لگتا ہے اور آیت کا یہ بیان کہ "جس چیز پر گزرتی" تابکاری کے پھیلنے کی طرف واضح اشارہ ہے کیونکہ آیات میں گلنے سڑنے کے علاوہ مکانات کے گرنے اور اسی قسم کے دوسرے نقصانات کا ذکر نہیں ہے دوسری جنگ عظیم کے دوران جاپان کے دو شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم سے بمباری کے بعد جو حشر ہوا اور وہ لوگ جو ہلاک ہوئے اور وہ لوگ جو اس حملے میں ہلاک نہیں ہوئے ان کی حالت ابھی تک بہت سے لوگوں کو یاد ہے کہ ہلاک ہونے والوں کے علاوہ زندہ بچ جانے والوں کے اعضاء کس طرح گل سڑ گئے تھے اپریل 1986ء میں روس کے شہر چرنوبل کے ایٹمی توانائی کے بجلی گھر میں جو حادثہ ہوا اس سے بھی تابکاری کے نقصانات کا

اندازہ ہوتا ہے تابکاری سے خطرناک حد سے کم ہونے میں کئی دن لگ جاتے ہیں سورۃ حاقہ 69 آیت 7 میں قوم عاد پر عذاب کے بیان کے ساتھ اس بات کا بھی ذکر ہے کہ

سَخَّرَهَا عَلَیْهِمْ سَبْعَ لَیَالٍ وَّ ثَمٰنِیَةَ اَیَّامٍ

یعنی وہ ہوا ان پر لگاتار سات رات اور آٹھ دن چلتی رہی اور یہ وقفہ تابکاری کے خطرناک حد سے کم ہونے میں جو وقت درکار ہوتا ہے اس سے کافی مماثلت رکھتا ہے تو اس بات کا بہت زیادہ امکان ہے کہ قوم عاد پر عذاب تیز حرارت کی بجائے تابکاری کی وجہ سے ہوا اور یہ آیت ایک خاص قسم کے بم جس میں بہت زیادہ تابکاری ہو اس کی طرف نشاندہی کر رہی ہے۔

نیوٹرون بم آج کل کے جدید ہتھیاروں میں سے ایک ہے اس کے بنانے کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی بڑی طاقتوں نے محسوس کیا کہ تیسری عالمی جنگ کی صورت میں اگر ایٹم بم یا ہائیڈروجن بم استعمال کئے گئے تو انسانوں کے ساتھ ساتھ مکانات اور عمارات بھی تباہ ہو جائیں گی اور جنگ کے بعد ان کو دوبارہ بنانا آسان نہ ہوگا۔ تو نیوٹرون بم ایجاد کیا۔ جس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے استعمال سے انسان اور دوسرے جاندار تو ہلاک ہو جاتے ہیں لیکن اس چھوٹی سی جگہ کے علاوہ جہاں یہ بم گرایا جائے باقی جگہوں پر عمارت کو نقصان نہیں پہنچتا۔ اب قوم عاد پر عذاب کی ایک اور آیت ملاحظہ فرمائیے۔

سورۃ احقاف 46 آیت 24 سے 25 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِیَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ رِیْحٌ فِیْهَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ تُدَمِّرُ كُلَّ شَیْءٍ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا یُرٰۤى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ

یعنی "پھر جب انہوں نے بادل دیکھا جو ان کے میدانوں کا رخ کئے ہوئے تھا تو کہنے لگے کہ یہ ابر ہم پر برسنے والا ہے (حضرت ہودؑ نے فرمایا کہ نہیں) بلکہ یہ بادل وہ چیز ہے جس کی تم جلدی کر رہے تھے ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے جو اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر رہی تھی پس وہ ایسے ہو گئے کہ بجز ان کے مکانات کے اور کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا "یعنی جاندار ہلاک ہو گئے اور ان کے مکانات باقی رہ گئے آندھی سے پہلے مکانات تباہ ہوتے ہیں پھر انسان ہلاک ہوتے ہیں اور یہاں مکانات کی تباہی سے صاف انکار ہے۔ اللہ اکبر۔ اس سے زیادہ واضح نیوٹرون بم کا اور کیا ہوگا۔ اب صرف بم کا نام لینے کی کسر رہ گئی ہے جو یقیناً کتاب اللہ کے طرز بیان کے خلاف ہے اب سورۃ ذاریات 51 آیات 41 سے 42 جن کا پہلے ذکر کیا گیا ہے دوبارہ غور فرمائیے اور عاد میں جب ہم نے خشک آندھی بھیجی جس چیز پر گزرتی اسے گلی ہوئی ہڈی کی طرح کر چھوڑتی" بالکل واضح طریقے سے سورۃ احقاف 26 آیت 25 کی وضاحت کر رہی ہے۔

اوپر لکھی ہوئی سورۃ احقاف 46 کی آیت 25 میں لفظ "رب" ایک خاص اہمیت کا حامل ہے قرآن مجید میں عام طور پر جہاں کہیں لفظ رب استعمال ہوا ہے اسکا مطلب رب العٰلمین یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات مراد ہے لیکن سورۃ یوسف 12 آیات 23، 41، 42 اور 50 میں پانچ جگہ پر لفظ رب مصر کے بادشاہ یا حاکم کے لئے واضح طور پر استعمال ہوا ہے جن میں سے چار جگہ حضرت یوسف کی زبان سے کہلوایا ہے اور ایک جگہ خود اللہ تعالیٰ نے کہا ہے۔ اسی طرح سورۃ بنی اسرائیل 17 آیت 24 میں بھی لفظ "ربیانی" میں "رب" مربی بندہ کے لئے استعمال ہوا ہے یہاں پر کئی باتیں قابل غور ہیں پہلی بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ نے اپنے معجزات کا ذکر کرتے ہوئے لوگوں سے سورۃ آل عمران 3 آیت 49 میں فرمایا کہ

أَنِّي أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ

یعنی "میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی صورت بناتا ہوں اور پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرندہ ہو جاتی ہے اللہ کے حکم سے۔ اور میں شفا دیتا ہوں پیدائشی اندھے اور کوڑھی کو اور میں مردے زندہ کرتا ہوں اللہ کے حکم سے" اور سورۃ مائدہ 5 آیت 110 میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو مخاطب کرکے فرمایا

وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِي

یعنی "اور جب کہ تو مٹی سے پرندے کی صورت میرے حکم سے بناتا ہے اور پھر اس میں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے اڑنے لگتی اور تو پیدائشی اندھے اور کوڑھی کو شفا دیتا اور جب تو مردوں کو میرے حکم سے زندہ کرتا" یعنی ان آیات میں صاف صاف عیسیٰ کی زبان سے باذن اللہ یعنی "اللہ کے حکم سے" اور اللہ تعالیٰ کے اپنے الفاظ میں باذنی یعنی "میرے حکم سے" استعمال ہوا ہے جس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں رکھی لیکن سورۃ احقاف 46 آیت 25 میں "رب" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے دوسرے معنی قرآن مجید کی رو سے حاکم مالک یا آقا کے بھی ہوتے ہیں اور اسی طرح اس آیت میں ربھا بم کے مالک انسان یعنی وہ سائنسدان جس نے بم بنایا ہے اور یا پھر وہ حاکم جس کے قبضہ میں بم ہے اور جس کے حکم سے بم چلایا جاتا ہے کے معنی بھی نکلتے ہیں۔ دوسری بات یہ بھی قابل غور ہے کہ بامر ربھا کے معنی اگر "اپنے مالک کے حکم سے" لیا جائے تو اس کا مطلب یہ بھی نکلتا ہے کہ اس کے مالک نے جہاں چاہا وہیں پر وہ بادل یا ہوا پھٹی۔ تو اس طرح اس بم کے بنانے والے یا بم پھینکنے کا حکم دینے والے کی ٹیکنالوجی میں میزائل یا Guided Missiles کی طرف اشارہ ملتا ہے تیسری بات قابل غور یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کے معجزات کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے دونوں جگہ مرضی یا حکم کے معنوں میں لفظ "اذن" استعمال کیا ہے جبکہ سورۃ احقاف 46 آیت 25 میں لفظ "امر" استعمال کیا ہے اور یہ امر وہی لفظ ہے جو سورۃ نساء 4 آیت

59 میں "اولی الامر" یعنی انسان حاکم کے معنوں میں استعمال کیا ہے جو بامر ربھا "کی مزید تشریح اس طرح کرتا ہے کہ وہ چیز اپنے بنانے والے سائنسدان یا حاکم کے حکم سے یا اس کی مرضی کے مطابق عمل کر رہی تھی۔

یہاں اوپر کی ہوئی تشریح پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے سورۃ عنکبوت 29 آیت 40 میں فرمایا

فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنبِهِ

یعنی "ان سب کو ہم نے ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا" تو یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا اور اس میں کسی انسان کا دخل نہیں ہے تو میں یہاں یہ وضاحت کرنا چاہوں گا کہ اس طرح کا بیان طرز کلام کا ایک طریقہ ہے اگر کوئی بادشاہ یا حاکم یہ کہے کہ میں نے اپنی مملکت سے ڈاکوؤں کا قلع قمع کر دیا تو یقیناً یہ کام حاکم نے خود نہیں کیا بلکہ یہ کام حاکم کے حکم کے مطابق اس کے اہلکاروں نے کیا جس کو حاکم اپنی طرف منسوب کر رہا ہے اسی طرح سورۃ بنی اسرائیل 17 آیت 31 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ

یعنی "ہم ہی انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی" تو اللہ تعالیٰ خود اپنے ہاتھ سے رزق نہیں دیتا بلکہ اس کا ایک وسیلہ بنا دیتا ہے اور بظاہر انسان اس کام کو کرتا ہوا نظر آتا ہے تو اصول اس کا یہ ہے کہ جب کسی حاکم کے بنائے ہوئے قانون یا حکم کے مطابق کوئی دوسرا کوئی کام کرتا ہے تو حاکم اس کام کو اپنی طرف منسوب کر دیتا ہے۔

اوپر بیان کی ہوئی آیات کی تشریح کی روشنی میں اب آپ ذرا آج کل کی سائنسی ترقی مختلف قسم کے خطرناک بموں اور دوسرے ہتھیاروں کے بجائے عیش و آرام کی بہترین سہولتوں اور پھر اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں جو آپس کے جھگڑوں سے صاف ظاہر ہیں پر غور فرمائیے کیا ہم ایک مرتبہ پھر اسی راہ پر نہیں چل رہے جہاں پر گذشتہ قومیں چل کر برباد ہوئیں وہ بھی اسی طرح کہ ان کا نام و نشان بھی مٹ گیا اگر اس وقت دانستہ طور پر عالمی جنگ کی صورت میں یا نادانستہ طور پر غلطی کی وجہ سے وہ تمام ہتھیار نکل جائیں جن کو دنیا کی بڑی طاقتوں نے اکٹھا کیا ہوا ہے تو کیا انجام وہی نہیں ہوگا جس کا اوپر آیات میں ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ اچانک گناہ گاروں کو پکڑ لے گا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے نبی قوموں کو تنبیہ کر دیا کرتے تھے اور اب کیونکہ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اس لئے اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اب وہی تنبیہ کر رہی ہے۔

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ (سورۃ الحشر 59 آیت 2)

جغرافیہ
GEOGRAPHY

کائنات سے متعلق بے شمار آیات قرآن پاک میں موجود ہیں جو زمین و آسمان ہواؤں اور سمندروں وغیرہ سے بحث کرتی ہیں اور جن میں بعض کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں پہلے بتایا جا چکا ہے کہ قرآن حکیم کے اندر بنیادی طور پر طبعی علوم کا تذکرہ ایک خاص پس منظر میں آیات الٰہی کے طور پر آیا ہے جن کا مقصد خدائے واحد کی شان ربوبیت کو بیان کر کے انسان کو کائنات کی طرف توجہ دلانا تھا اور اس کو یہ سمجھانا ہے کہ اس عظیم کائنات کا خدا بھی عظیم ہے ان آیات سے کائنات کے بارے میں عظیم الشان نتائج کا استنباط کرنا بھی ممکن ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (سورۃ بقرہ 2 آیت 164)

"بیشک زمین و آسمان کے پیدا کرنے رات اور دن کے بدلتے رہنے ان کشتیوں میں جو انسانوں کے نفع کی چیزیں لئے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں بارش کے اس پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے پھر اس کے ذریعے زمین کو زندگی بخشتا ہے اور اپنے اس انتظام کی بدولت زمین پر ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلایا ہے ہواؤں کی گردش میں اور ان بادلوں میں جو زمین و آسمان کے درمیان تابع فرمان رکھے گئے ہیں، بے شمار نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں"

پہاڑوں کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا (سورۃ حم سجدہ 41 آیت 10)

"زمین کے وجود میں لانے کے بعد ہم نے اس پر پہاڑ نصب کئے"

پہاڑوں کے کئی فائدے بیان کئے گئے ہیں۔

ایک یہ کہ زمین نہیں ڈھلکتی۔

دوسرا یہ کہ ان پر جنگلات ہوتے ہیں جن کی لکڑی جلانے اور عمارت بنانے میں کام آتی ہے۔

تیسرا یہ کہ پہاڑوں پر برف باری ہوتی ہے جس کی برکت سے دریا سارا سال پانی سے بھرے

رہتے ہیں۔

چوتھا یہ کہ پہاڑ بارش کے پانی جذب کرتے ہیں اور پھر وہ چشموں کا ریزوں کی شکل میں لوگوں کے کام آتا ہے۔

پانچواں یہ کہ زمین کی خوبصورتی میں اضافہ کرتے ہیں اور چھٹا یہ کہ ان میں معدنیات ہوتے ہیں جن سے انسان استفادہ کرتے ہیں

چاند کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ (سورۃ یٰس 36 آیت 39)

"اور چاند کے لئے ہم نے منزلیں مقرر کی ہیں۔ یہاں تک کہ ان سے گزرتا ہوا وہ پھر کھجور کی سوکھی ٹہنی کی طرح ہلال بن کر نمودار ہوتا ہے"

سورج اور چاند دونوں کی گردش اور اپنے اپنے مدار میں چکر لگانے کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔

لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ (سورۃ یٰس 36 آیت 48)

"نہ سورج کے بس میں ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جا سکتی ہے یہ سب اپنے اپنے فلک (مدار) میں تیر رہے ہیں"

چاند کی وجہ سے سمندر میں مدوجزر پیدا ہونے اور اس طرح بادل بننے اور بارش برسنے کے بارے میں فرمایا گیا۔

وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ (سورۃ انشقاق 84 آیت 18)

"اور چاند کی قسم جب وہ پورا ہو جائے"

یہاں اتساق کا مطلب پانی پلانا اور کشتیں بھر بھر کر چڑھ جانا اور اتارا ہوتا ہے۔ یہاں پر سمندر کے اندر مدوجزر پیدا ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

بادل بننے اور ان سے بارش برسنے کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا (سورۃ نبا 78 آیت 14 سے 16)

"ہم نے بادلوں سے پانی اتارا تاکہ اس کے ذریعے سے غلہ سبزی اور گھنے باغ اگائیں"

وَیُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ (سورۃ رعد 13 آیت 12)

"وہی ہے جو پانی سے لدے ہوئے بادل اٹھاتا ہے"

بادلوں کے منجمد ہوتے بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف باری اور اس کی وجہ سے اولے برسنے کا ذکر بھی قرآن نے کیا ہے۔

وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَآءُ وَيَصْرِفُهُ عَنْ مَنْ يَشَآءُ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ (سورۃ نور 24 آیت 43)

"اور وہ آسمان سے ان پہاڑوں کی بدولت جو اس میں بلند ہیں اولے برساتا ہے پھر جسے چاہتا ہے ان کا نقصان پہنچاتا ہے اور جسے چاہتا ہے ان سے بچا لیتا ہے ان کی بجلی کی چمک نگاہوں کو خیرہ کئے دیتی ہے"

آیت میں سردی سے جمے ہوئے بادلوں کی طرف بھی اشارہ ہے اور برف سے ڈھکے ہوئے بلند پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف بھی جن کے سبب ہوا اتنی سرد ہو جاتی ہے کہ بادل منجمد ہو کر اولوں کی شکل میں بارش برسانے لگتے ہیں۔

آیت میں سردی سے جمے ہوئے بادلوں کی طرف بھی اشارہ ہے اور زمین کے بلند پہاڑوں کی طرف بھی جن کی چوٹیوں پر جمی ہوئی برف کے اثر سے کبھی کبھار ہوا اتنی سرد ہو جاتی ہے کہ بادل منجمد ہو کر اولوں کی شکل میں بارش برسانے لگتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ حَتَّى إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنَهُ لِبَلَدٍ مَيِّتٍ (سورۃ اعراف 7 آیت 57)

"اور اللہ وہ ذات ہے جو اپنے باران رحمت سے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ خوش کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ ہوا میں بادلوں کو اٹھا لیتی ہیں تو اس بادل کو کسی خشک سرزمین کی طرف لے جاتے ہیں"

سمندروں کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح کیا گیا ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ (سورۃ رحمن 55 آیت 20)

"دو سمندروں کو اس نے چھوڑ دیا کہ باہم مل جائیں پھر بھی ان کے درمیان ایک پردہ حائل ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے"

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَّحْجُورًا (سورۃ فرقان 25 آیت 53)

"اللہ وہ ذات ہے جس نے دو سمندروں کو ملا رکھا ہے ایک لذیذ و شیریں اور دوسرا تلخ و شور اور دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے جو انہیں گڈمڈ ہونے سے روکے ہوئے ہیں"

یہ کیفیت ہر اس جگہ رونما ہوتی ہے جہاں کوئی بڑا دریا سمندر میں آ گرتا ہے اس کے علاوہ خود سمندر

میں بھی مختلف مقامات پر میٹھے پانی کے چشمے پائے جاتے ہیں جن کا پانی سمندر کے نہایت تلخ پانی کے درمیان بھی اپنی مٹھاس پر قائم رہتا ہے ترکی امیر البحر سیدی علی رئیس اپنی کتاب "مرآۃ الممالک" میں جو سولہویں صدی عیسوی کی تصنیف ہے۔ خلیج فارس کے اندر ایسے ہی ایک مقام کی نشاندہی کرتا ہے اس نے لکھا ہے کہ وہاں آب شور کے نیچے آب شیریں کے چشمے ہیں جن سے میں خود اپنے بیڑے کے لئے پینے کا پانی حاصل کرتا رہا ہوں۔ موجودہ زمانے میں جب امریکن کمپنی نے سعودی عرب میں تیل نکالنے کا کام شروع کیا تو ابتداء وہ خلیج فارس کے انہی چشموں سے پانی حاصل کرتی تھی۔ بعد میں ظہران کے پاس کنویں کھودے گئے اور ان سے پانی لیا جانے لگا۔ بحرین کے قریب بھی سمندر کی تہہ میں آب شیریں کے چشمے ہیں جن سے لوگ کچھ مدت پہلے تک پینے کا پانی حاصل کرتے تھے۔

میٹھے پانی کے ذخیرے جو اسی زمین میں موجود ہیں مگر باہم خلط ملط نہیں ہوتے زیر زمین پانی کی سوتیں بسا اوقات ایک ہی علاقے میں کھاری پانی الگ لے کر چلتی ہیں کھارے پانی کے سمندر تک بعض مقامات پر میٹھے پانی کے چشمے رواں ہوتے ہیں اور ان کی دھار سمندر کے پانی سے اس طرح الگ ہوتی ہے کہ بحری مسافر ان میں سے پینے کے لئے پانی حاصل کر سکتے ہیں۔

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئَاتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ (سورۃ رحمن 55 آیت 24)

"اور اللہ کی نشانیوں میں سے سمندر میں پہاڑوں کی طرح بڑے بڑے جہاز ہیں"

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ (سورۃ رحمن 55 آیت 22)

آیت میں "یخرج منھما" کے الفاظ ہیں جن کا معنی "ان دونوں سمندروں سے نکلتے ہیں" بعض لوگ کہتے ہیں کہ موتی اور مونگے تو صرف کھارے پانی سے نکلتے ہیں پھر یہ کیسے کہا گیا کہ میٹھے اور کھارے دونوں پانیوں سے یہ چیزیں نکلتی ہیں درحقیقت سمندروں میں میٹھا اور کھاری دونوں طرح کا پانی جمع ہو جاتا ہے اس لئے خواہ یہ کہا جائے کہ یہ دونوں کے مجموعے سے یہ چیزیں نکلتی ہیں بات ایک ہی رہتی ہے اور کچھ عجب نہیں کہ مزید تحقیقات سے یہ ثابت ہو کہ ان چیزوں کی پیدائش سمندر میں اس جگہ ہوتی ہے جہاں اس کی تہہ سے میٹھے پانی کے چشمے پھوٹتے ہیں اور ان کی پیدائش اور پرورش میں دونوں طرح کے پانیوں کے اجتماع کا کچھ دخل ہے۔ بحرین میں جہاں قدیم ترین زمانے سے موتی نکالے جا رہے ہیں وہاں تو یہ ثابت ہے کہ خلیج کی تہہ میں میٹھے پانی کے چشمے موجود ہیں"

سمندر سے استفادہ کے سلسلے میں قرآن مجید کی یہ آیت بھی قابل غور ہے۔

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ (سورۃ نحل 16 آیت 14)

"اللہ وہ ذات ہے جس نے دریاؤں اور سمندروں کو تمہارے لئے مسخر کیا ہے تاکہ ان سے تم تازہ

گوشت (مچھلی) کھاؤ اور ان میں تمہارے پہننے کے لئے جو زیور ہیں ان کو نکالو، اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے جو پانی پھاڑتی ہوئی ان پر چلتی ہیں تاکہ اس کے ذریعے تم رزق تلاش کرو"

آیت کی اگر تھوڑی سی وضاحت کی جائے تو ہمیں بہت سی مفید باتیں معلوم ہو جائیں گی مثلاً یہ تو ہم سب جانتے ہیں کہ زمین کا تین چوتھائی حصہ پانی سے بھرا ہوا ہے اور صرف ایک چوتھائی خشکی پر مشتمل ہے خشک حصوں کے بھی بہت سے چھوٹے اور بڑے رقبے ایسے ہیں جن کے درمیان پانی حائل ہے کوئی زمین کی خشک علاقوں پر انسانی آبادیوں کا پھیلنا اور پھر ان کے درمیان سفر و تجارت کے تعلقات قائم ہونا اس کے بغیر ممکن نہیں تھا کہ پانی اور سمندروں اور ہواؤں کو ایسے قانون کا پابند بنایا جاتا جن کی بدولت جہاز رانی کی جا سکتی اور زمین پر وہ سرو سامان پیدا کیا جاتا جسے استعمال کر کے انسان جہاز سازی پر قادر ہوتا۔ کیا یہ اس بات کی صریح علامت نہیں ہے کہ ایک ہی قادر مطلق رب رحیم و حکیم ہے جس نے انسان اور زمین اور پانی اور ہواؤں اور ان تمام چیزوں کو جو زمین پر ہیں اپنے خاص منصوبے کے مطابق بنایا ہے بلکہ اگر انسان صرف جہاز رانی ہی کے نقطہ نظر سے دیکھے تو اس میں تاروں کے مواقع اور سیاروں کی باقاعدہ گردش سے جو مدد ملتی ہے وہ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ زمین ہی نہیں آسمانوں کا خالق بھی وہی ایک رب کریم ہے"

پھر ہمیں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ دریاؤں اور سمندروں سے تازہ مچھلی اور موتی حاصل کرنے کے لئے سمندری جہازوں کی ضرورت ہے اور پہاڑوں جیسے جہاز چونکہ بنے ہوئے آسمان سے نہیں گرتے بلکہ بنانے پڑتے ہیں اس لئے ان کے بنانے کا ہنر بھی سیکھنا ہوگا گویا اس آیت کی رو سے سمندری جہاز بنانے کی ٹیکنالوجی کا حصول مسلمانوں پر من حیث القوم فرض ہے ورنہ اس کے بغیر سمندروں سے استفادہ کرنا ممکن نہ ہوگا۔

اس طرح آمد و رفت کے سمندری ذرائع کے حصول کے ساتھ ساتھ خشکی اور ہوائی ذرائع کا حصول بھی قرآن مجید کی اس آیت سے ثابت ہے۔

وَآيَةٌ لَّهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ وَخَلَقْنَا لَهُم مِّن مِّثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ (سورۃ یٰس 36 آیت 41 سے 42)

"اور ایک نشانی ان کے لئے یہ ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا اور ہم نے ان کے لئے اس جیسی اور چیزیں پیدا کیں جن پر یہ لوگ سوار ہوں گے"

آیت کے کلمہ "من مثلہ" میں دور حاضر کے علاوہ آمد و رفت کا ہر وہ ذریعہ شامل سمجھتے ہیں جس کو انسان اپنے استعمال میں لاتا ہے یا لائے گا۔

خشکی پر موجود آمد و رفت کے تمام ذرائع اور ہوا میں اڑنے والے آمد و رفت کے جملہ ذرائع "من مثلہ" میں شامل سمجھے جاتے ہیں۔

ارضیات
GEOLOGY

تعارف:۔

ہماری زمین نظام شمسی کا واحد سیارہ ہے جس پر بنی نوع انسان کے علاوہ زندگی کئی اور شکلوں میں بھی پھل پھول رہی ہے اور اس لحاظ سے اجسام فلکی میں اس کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔

زمین ہی کی ابتداء اور پیدائش کا ایک سادہ خاکہ کھینچ کر قدرت نے کائنات کے وجود کو آراستہ کرنے کا راز سربستہ کیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ (سورۃ حم سجدہ 41 آیت 11)

"پھر آسمان کے بنانے پر توجہ فرمائی اور وہ اس وقت دھواں سا تھا تو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی آؤ یا زبردستی سے دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں"

زمین کی پیدائش اور ابتداء کے متعلق جدید سائنس کے نظریات میں سب سے مستند نظریہ یہ ہے جس میں نظام شمسی (بشمولیت زمین) کے مادہ کو بہت ابتدائی دور میں ایک نہایت گرم اور سیاہ دھوئیں سے تشبیہ دی گئی ہے جو کہ بغیر کسی خاص شکل و ہیئت کے وسیع و عریض افق پر پھیلا ہوا تھا اور ایک مرکز کے گرد بہت آہستگی کے ساتھ گردش میں تھا۔

ارشاد ربانی ہے۔

وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا (سورۃ حجر 15 آیت 19)

"زمین ہی کی تخلیق کی مثال دے کر پروردگار نے انسان کی سوچ کو اپنی قدرت اور کبریائی کی طرف دعوت دی ہے۔

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ (سورۃ ذاریات 51 آیت 20)

"اور یقین لانے والوں کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں" زمین کے اندر قدرت کی نشانیوں کے بغور مطالعہ کو علم ارضیات یا جیالوجی کہتے ہیں۔ علم ارضیات کی توجہ کا مرکز وہ ارتقائی عمل ہے جو کہ زمین کی ابتداء سے لے کر موجودہ وقت تک اس کی بدلتی ہوئی ہیئت اس کی چٹانوں کی ساخت اس کے پہاڑوں اور وادیوں کی آراستگی اور اس کی افادیت عناصر کی فراوانی میں بھرپور طریقے سے رواں دواں ہے۔

عام طور پر علم ارضیات کی وسعتوں کو مختصراً مندرجہ ذیل عنوانات سے متعارف کرایا جاتا ہے۔

ا۔ مطالعہ معدنیات Minerology ب۔ مطالعہ چٹان Petrology

ج۔ اقتصادیات اور صنعتی لحاظ سے فائدہ مند معدنیات اور چٹانوں کا مطالعہ Economic Geology

د۔ پیٹرولیم جیالوجی Petroleum Geology

چٹانیں

مختلف قسم کے معدنیات کے ذرات یا ٹکڑے جب آپس میں مختلف تناسب سے جمع ہو کر ایک ٹھوس شکل اختیار کر لیتے ہیں تو اس مجموعہ کو چٹان کہتے ہیں۔ چٹانوں کی تین بڑی قسمیں ہیں۔

ا۔ آتشی چٹانیں:

وہ چٹانیں جو کہ لاوا کے سخت ہونے سے بنتے ہیں۔

ب۔ تہہ دار چٹانیں:

وہ چٹانیں جو کہ پانی کے ایک بڑے ذخیرے یا سمندر میں ذرات (Sediments) کے تہہ در تہہ جمع ہونے سے بنتے ہیں۔

ج۔ متغیرہ چٹانیں:

جب آتشی یا تہہ دار چٹانوں کے اوپر دباؤ یا حرارت بڑھ جاتی ہے تو اس کی ہیئت اصلی تبدیل ہو کر نئی اقسام کی چٹانیں بن جاتی ہیں جن کو متغیرہ چٹانیں کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں چٹانوں کا تذکرہ

ارشاد ربانی

وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (سورۃ بقرہ 2 آیت 24)

"جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں"

1- ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ

2- فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً (سورۃ بقرہ 2 آیت 74)

"ان واقعات کے بعد تمہارے دل پتھر کی طرح یا پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے"

3- وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ (سورۃ بقرہ 2 آیت 74)

"اور بعض پتھروں سے تو نہریں پھوٹ نکلتی ہیں"

سنگ مرمر

پہاڑوں کے متعلق پروردگار عالم نے ارشاد فرمایا

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ o اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ (سورۃ فاطر 35 آیت 27 سے 28)

"کیا تم نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعے مختلف رنگوں کے پھل نکالے اور اسی طرح پہاڑوں کے بھی مختلف حصے ہیں بعض سفید بعض سرخ کہ ان کی بھی مختلف رنگتیں ہیں۔ اور بعض نہ سفید نہ سرخ بلکہ بہت گہرے سیاہ اور اسی طرح آدمیوں جانوروں چوپایوں میں بھی بعض ایسے ہیں کہ ان کی رنگتیں مختلف ہیں۔"

آیت میں یہ بتانا مقصود ہے کہ خالق کائنات کی تخلیق میں کہیں بھی ایک رنگی نہیں ہے ہر کہیں تنوع ہی تنوع ہے ایک ہی زمین اور ایک ہی پانی سے مختلف قسم کے درخت پیدا ہوتے ہیں اور ایک ہی درخت کے پھل جسامت رنگ اور ذائقہ میں یکساں نہیں ہوتے۔ ایک ہی پہاڑ کو دیکھئے تو اس میں کئی کئی رنگ نظر آتے ہیں اور ان کے مختلف حصوں کی مادی ترکیب میں بھی نمایاں فرق معلوم ہوتا ہے سنگ مرمر کے پتھر کو دیکھا جائے تو مختلف لکیروں کو دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے زمین کی مٹی کو دیکھا جائے تو اس کا رنگ بھی کہیں سرخ ہے کہیں کالی، انسانوں اور جانوروں میں ایک ماں باپ کے بچے یکساں نہیں ملتے یہی اختلاف اور یہی تنوع صاف طور پر یہ بتا رہا ہے کہ اس کائنات کو کسی زبردست حکیم نے بے شمار حکمتوں کے ساتھ تخلیق کیا ہے اور اس کا بنانے والا ایک بے مثال خلاق ہے جو ہر چیز کا ایک ہی نمونہ لئے نہیں بیٹھا ہے بلکہ وہ ہر آن اور ہر لمحہ ہر شے کے لئے نئے ڈیزائن وضع کرتا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ یہ سب کچھ ایک مصور بے ساز کے ایما پر ہو رہا ہے۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ (سورۃ نازعات 79 آیت 30 سے 33)

اور اس کے بعد زمین کو بچھایا اور بچھا کر اس سے پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو اس پر قائم کر دیا تمہیں اور تمہارے مویشیوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے"

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا (سورۃ 20 آیت 105)

"اور لوگ آپ سے پہاڑوں کی نسبت پوچھتے ہیں کہ قیامت میں ان کا کیا حال ہوگا سو آپ فرما دیجئے کہ میرا رب ان کو بالکل اڑا دے گا۔"

وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا فَارِهِينَ (سورۃ شعراء 26 آیت 149)

"اور تم بڑی مہارت سے پہاڑوں کو تراش تراش کر مکان بناتے ہو"

انسانوں کے لئے پہاڑوں کے بہت سے فوائد ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے مگر یہاں تو صرف اس بات کا ذکر موجود ہے کہ پہاڑوں اور زمین میں انسانوں کے لئے بہت سی نفع بخش اشیاء ہیں ان اشیاء کی تلاش ارضیات کے ماہرین کا کام ہے۔

معدنیات
Minerals

ہر وہ قدرتی چیز جو کہ ٹھوس ہیئت رکھتی ہو غیر نامیاتی عمل سے بنی ہو جس کی ایک معلوم کیمیائی ساخت ہو اور اس کے اجزائے عناصری اندرونی طور پر باقاعدہ طریقے سے آپس میں جڑے ہوئے ہوں کہ جس کی وجہ سے ایک خاص قلمی شکل وجود میں آ جاتی ہے ایسی سب چیزوں کو معدنیات کہتے ہیں۔

قرآن پاک نے بعض معدنیات کا ذکر واضح الفاظ میں کیا ہے اجمالی تذکرہ کچھ اس طرح ہے۔

سمندری نمک

قرآن میں اس کے لئے ملح اجاج (تلخ و شور) یعنی اس قدر نمکین کہ زیادہ تیزی کی وجہ سے تلخ بنا ہوا ہے۔

ارشاد باری ہے۔

هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ (سورۃ فرقان 25 آیت 53)

"ایک لذیذ اور شیریں اور دوسرا تلخ و شور"

آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سمندر کے پانی میں نمک موجود ہے آیت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ سمندر کا پانی تو بارش ہی کا پانی ہے جو ندی نالوں اور دریاؤں کی شکل میں زمین کے 1/4 خشک حصہ میں واقع پہاڑوں اور میدانوں سے ہو کر سمندر میں گرتا ہے اس پانی میں موجود نمک ان پہاڑوں اور میدانوں ہی سے اس میں شامل ہوتا رہتا ہے اس لئے آیت خشکی میں نمک کے معادن کی موجودگی کی طرف واضح اشارہ کرتی ہے۔

کوئلہ

ارشاد باری ہے

وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (سورۃ بقرہ 2 آیت 24)

"جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں"

یہاں پتھر سے مراد پتھر کا کوئلہ بھی لیا جا سکتا ہے۔

گندھک اور تارکول

ارشاد باری ہے۔

سَرَابِيلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ (سورۃ ابراہیم 14 آیت 50)

"ان کا لباس گندھک اور تارکول کا ہوگا"

لوہا
Iron,Steel

وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (سورۃ حدید 57 آیت 25)

"اور ہم نے لوہا نازل کیا جس میں زبردست طاقت ہے اور لوگوں کے لئے بڑے منافع ہیں"

اس سے زرہیں اور زنجیریں بنانے کا ذکر حضرت داؤدؑ کے ضمن میں قرآن مجید میں موجود ہے صنعت لبوس کا حکم اس مفہوم کو اچھی طرح واضح کرتا ہے۔

آتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ حَتّٰى إِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوا حَتّٰى إِذَا جَعَلَهُ نَارًا قَالَ آتُونِي أُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا (سورۃ کہف 18 آیت 69)

"مجھے لوہے کے تختے لا دو تاکہ میں دونوں پہاڑوں کے درمیان خلا کو پاٹ دوں جب یہ کام ہو گیا تو اس ذوالقرنین نے کہا کہ اب آگ دہکاؤ حتی کہ جب یہ آہنی دیوار سرخ ہو گئی تو اس نے کہا لاؤ اب میں پگھلا ہوا تانبہ انڈیل دوں۔"

اس آیت میں ویلڈنگ کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے دوسرے یہ کہ لوہے کو کسی طریقے سے پگھلا کر اس سے اپنی مرضی کی چیزیں بنائی جا سکتی ہیں۔

لانے کا ذریعہ بنتی ہے اور اپنے وہ اندر گیسیں بھی رکھتی ہے جو نباتات کی زندگی اور اس کی نشوونما کے لئے درکار ہیں۔

چہارم سورج اور زمین کا تعلق اس طرح قائم کیا گیا کہ نباتات کو مناسب درجہ حرارت اور معتدل موسم مل سکے۔

یہ چار بڑے بڑے اسباب ہیں جو بجائے خود بے شمار ضمنی اسباب کا مجموعہ ہیں جب یہ پیدا کر دیئے گئے تب نباتات کا وجود میں آنا ممکن ہوا پھر یہ سازگار حالات فراہم کرنے کے بعد نباتات پیدا کئے گئے اور ان میں ہر ایک کا تخم ایسا بنایا گیا کہ جب اسے مناسب زمین' پانی' ہوا اور موسم میسر آئے تو اس کے اندر نباتاتی زندگی کی حرکت شروع ہو جائے مزید برآں اسی تخم میں یہ انتظام بھی کر دیا گیا کہ ہر نوع کے تخم سے لازماً اسی نوع کا بوٹا تمام نوعی اور موروثی خصوصیات کے ساتھ پیدا ہو اور اس سے بھی آگے بڑھ کر مزید کاریگری یہ کی گئی کہ نباتات کی دس بیس یا پچاس قسمیں نہیں بلکہ بے حد وحساب قسمیں پیدا کی گئیں اور ان کو اس طرح بنایا گیا کہ وہ ان بے شمار قسم کے حیوانات اور بنی آدم کی غذا اور لباس اور ان گنت بے شمار دوسری ضرورتوں کو پورا کر سکیں جنہیں نباتات کے بعد زمین پر وجود میں لایا جانے والا تھا۔

اس حیرت انگیز نظام پر جو شخص بھی غور کرے گا اگر وہ ہٹ دھرم اور متعصب نہیں ہے تو اس کا دل گواہی دے گا کہ یہ سب کچھ آپ سے آپ نہیں ہو سکتا اس میں صریح طور پر ایک حکیمانہ منصوبہ کام کر رہا ہے جس کے تحت زمین' پانی' ہوا اور موسم کی مناسبتیں نباتات کے ساتھ اور نباتات کی مناسبتیں حیوانات اور انسانوں کی ضرورت کے ساتھ انتہائی نزاکتوں اور باریکیوں کو مد نظر رکھتے ہوئے قائم کی گئی ہیں کوئی ہوشمند انسان یہ تصور نہیں کر سکتا کہ ایسی ہمہ گیر مناسبتیں محض اتفاقی حادثے کے طور پر قائم ہو سکتی ہیں پھر یہی انتظام اس بات پر دلالت بھی کرتا ہے کہ یہ بہت سے خداؤں کا کارنامہ نہیں ہو سکتا یہ تو ایک ہی اللہ کا انتظام ہو سکتا ہے جو زمین' ہوا' پانی' سورج' نباتات' حیوانات اور نوع انسانی کا رب ہے"

زمین

"اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیداوار کے حصول کا ذریعہ بنایا جو بے شمار مخلوقات کے لئے رزق کا ذریعہ ہے پیداوار کا انحصار زمین کی صلاحیت اور بار آوری پر ہے لیکن اس صلاحیت کو بروئے کار لانے کے لئے کتنا بڑا انتظام کام کر رہا ہے زمین جب مردہ ہو جاتی ہے یعنی اس میں امونیا' نائیٹروجن' سلفائیڈ اور کاربن ڈائی آکسائیڈ ختم ہو جاتی ہے تو دوبارہ ان چیزوں کو زمین میں لانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون کے مطابق ہوا میں مذکورہ معدنی اور حیاتی گیس پیدا کر رکھی ہیں جو مردہ اور ذبح کردہ جانوروں، انسانی وحیوانی بول و براز اور گلے سڑے بچوں سے کرکٹ وغیرہ سے پیدا ہوتی ہیں اور ہوا میں مل کر اوپر چلی جاتی ہیں

بجلی کی چمک اور بارش کے قطرے ان گیسوں کو اپنے اندر جذب کرنے کے قانون جاذبیہ کے ذریعہ ہر آن مصروف عمل رہتے ہیں۔ جب بادلوں میں بجلی چمکتی ہے تو اردگرد کی آکسیجن نائیٹروجن میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ نائٹروجن حیات نباتات کا جزو اعظم ہے۔ اس طرح بارش کا پانی جس نے مذکورہ بالا معدنی اور حیاتی گیسوں کو جذب کر رکھا ہوتا ہے۔ اس ذخیرے کو لے کر زمین پر برستا ہے اور جونہی آسمانی بجلی کی لہریں ہوا سے گزر کر زمین کو چھوتی ہیں تو اس کی کو پورا کر کے زمین کی نس نس میں عناصر حیات بھا دیے جاتے ہیں اور نئی دلہن کی طرح یہ تخم وتولید کے لئے پھر تیار ہو جاتی ہے۔ جس طرح جانور گھاس کھاتے ہیں اسی طرح پودے زمین کو کھاتے ہیں اور پودوں کی غذا نائٹروجن، پوٹاش، چونا اور ہائیڈروجن وغیرہ ہیں یہ عناصر درختوں کے پتوں ہڈیوں، مذبح خانوں اور بالوں سے حاصل ہوتے ہیں ادھر پودوں کی جڑ میں خوردبینی حیوانات (بکٹیریا) کو دنیا آباد ہوتی ہے جن کا عمل کیمیاوی ہوتا ہے اگر بکٹیریا نہ ہوتے تو کوئی پودا نہ اگ سکتا۔'

زمین کو چونے کے علاوہ سلفیورک ایسڈ، فاسفورک ایسڈ، نائٹرک ایسڈ اور پوٹاش کی بھی ضرورت ہوتی ہے اس کا قدرت نے یہ طریقہ رکھا ہے کہ پہاڑوں پر برف جمع کر دی جو حرارت آفتاب سے پگھل کر پہاڑی شگافوں میں چلی گئی جب بارش ہوئی تو پانی چشمہ بن کر کہیں سے نکلا تو پوٹاش اور سلفر وغیرہ ہمراہ لیکر رواں ہوا۔ چشمے دریاؤں کے ذریعے ہمارے کھیتوں کو سیراب کرتے چلے گئے اس طرح زمین کی جملہ ضروریات پوری ہو گئیں۔

پانی پر حیات کا انحصار ہے ساری زمین 74 فیصد پانی ہے خشکی کا حصہ 26 فیصد ہے اسی طرح انسانی جسم میں بھی پانی کی مقدار 74-80 فیصد ہے اب دیکھئے اللہ نے پانی کا کتنا وافر انتظام کیا ہے۔ بارش، جھیلوں سے، دریاؤں سے، کنوؤں سے ہر جگہ پانی دستیاب ہے۔

ارض وسماء اور کائنات کی یہ ساری حقیقتیں ہمیں اس اعتراف پر مجبور کر دیتی ہیں کہ اللہ کا ہر کام ایک قانون قاعدے اور ضابطے کے تحت ظہور پذیر ہوتا ہے اور جاری رہتا ہے اور ہر کام کا ایک منشا اور مقصد ہوتا ہے گویا کائنات کا یہ پورا انتظام حق پر تخلیق ہوا ہے اور حق کے لئے سرگرم عمل ہے"

قرآن مجید ہی نے سب سے پہلے پودوں میں نر اور مادہ کی نشاندہی کی ہے جدید بیالوجی کا علم کتنے ہی بلند وبانگ دعوے کرے لیکن قرآن میں حقائق تک پہنچنے کے لئے گہرے اور بسیط اشارے موجود ہیں ارشاد ربانی ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِىْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ (سورۃ یٰس-36 آیت-36)

"پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کئے خواہ وہ زمین کے نباتات سے ہوں یا خود ان کی اپنی جنس سے یا ان اشیاء میں سے جن کو یہ جانتے نہیں ہیں۔"

اس آیت میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ شب و روز جن اشیاء کا تم مشاہدہ کرتے ہو اور یونہی غور و خوض کے بغیر گزر جاتے ہو انہی کے اندر حقیقت کا سراغ دینے والے نشانات موجود ہیں۔ عورت اور مرد کا جوڑا تو خود انسان کا اپنا سبب پیدائش ہے حیوانات کی نسلیں بھی نر و مادہ کے ازدواج سے چل رہی ہیں۔ نباتات کے متعلق بھی انسان جانتا ہے کہ ان میں تزویج کا اصول کام کر رہا ہے حتیٰ کہ بے جان مادوں تک میں مختلف اشیاء جب ایک دوسرے سے جوڑ کھاتی ہیں تب کہیں ان سے طرح طرح کے مرکبات وجود میں آتے ہیں خود مادے کی بنیادی ترکیب مثبت اور منفی برقی توانائی کے ارتباط سے ہوئی ہے۔ یہ تزویج جس کی بدولت یہ ساری کائنات وجود میں آئی ہے حکمت و صناعی کی ایسی باریکیاں اور پیچیدگیاں رکھتی ہیں اور اس کے اندر ہر دو زوجین کے درمیان ایسی مناسبتیں پائی جاتی ہیں کہ ایک عقل رکھنے والا کوئی شخص نہ تو اس چیز کو ایک اتفاقی حادثہ کہہ سکتا ہے اور نہ یہ مان سکتا ہے کہ مختلف خداؤں نے ان بے شمار ازواج کو پیدا کر کے ان کے درمیان اس حکمت کے ساتھ جوڑ لگائے ہوں گے۔"

"ازواج کا ایک دوسرے کے لئے جوڑ ہونا اور ان کے ازدواج سے نئی چیزوں کا پیدا ہونا خود وحدت خالق کی دلیل ہے پھر ساری کائنات کی تزویج کے اصول پر بنایا جانا اور دنیا کی تمام اشیاء کا زوج زوج ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جو آخرت کے وجود پر صریح شہادت دے رہی ہے۔ اگر غور کیا جائے تو انسان سے خود عقل یہ نتیجہ اخذ کر سکتی ہے کہ جب دنیا کی ہر چیز کا ایک جوڑا ہے اور کوئی چیز اپنے جوڑے سے ملے بغیر نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی تو دنیا کی یہ زندگی کیسے بے جوڑ ہو سکتی ہے۔ اس کا جوڑ (زوج) لازماً آخرت ہے ورنہ یہ قطعاً بے نتیجہ ہو کر رہ جائے گی۔"

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل آیات میں پودوں اور نر و مادہ کا ہونا بیان ہوا ہے۔

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۔ سورۃ ذاریات۔ 51 آیت۔ 49

"اللہ وہ ذات ہے جس نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا کیا تاکہ تم دھیان کرو۔"

وَالَّذِىْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا۔ سورۃ زخرف۔ 43۔ آیت 12۔

اللہ نے افزائش نسل کے لئے زوجین یعنی نر اور مادہ کو پیدا کر کے ان کے اتصال کو ایک بنیادی قانون بنایا حیوانوں کی نسلیں بھی اسی قانون کے تحت قائم ہیں اور اسی قانون کا اجراء دنیا میں انسانی بچے کی پیدائش کا سبب بنتا ہے۔

حیوانات ہی نہیں بلکہ ہم سب جانتے ہیں کہ نباتات میں بھی زوجین یعنی نر اور مادہ عناصر موجود ہیں اور ان کی افزائش میں بھی وہی اتصال کا اصول کارفرما ہے بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ انسان کا تجرباتی علم بتاتا ہے کہ جمادات یعنی بے جان مادوں تک میں اختلاط اور اتصال کا طبعی قانون موجود ہے مختلف اشیاء جب ایک دوسرے سے ملتی ہیں تو طرح طرح کے نئے مرکبات وجود میں آتے ہیں خود مادے کی بنیادی ترکیب منفی اور مثبت برقی توانائی کے ارتباط سے ہوئی ہے ایٹم کے ذرّے

ذرے کو جب پھاڑا گیا تو اس میں منفی اور مثبت طاقت موجود نظر آئی اس سے ثابت یہ ہوتا ہے کہ ہر شے میں زوجین کا ہونا اللہ کا اٹل قانون ہے اللہ کے قانون اور اس کی ہی مشیت سے اختلاط، ربط اور اتصال باہم کے ذریعے یہ ساری کائنات وجود میں آئی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور اس میں حکمت و صناعی کی عجیب باریکیاں اور پیچیدگیاں مشاہدے میں آتی ہیں اور اس کے اندر زوجین یعنی جوڑے کے دو اجزاء کے درمیان ایسی حیرت انگیز مناسبتیں پائی جاتی ہیں کہ کوئی صاحب عقل جو اپنے ہوش و حواس ان حقائق کے تسلسل کو اتفاقی حادثات کہہ سکتا ہے نہ یہ مان سکتا ہے کہ یہ سارا کارخانہ کائنات کسی حکیم اور قادر مطلق کے ارادے اور مقررہ قانون کے بغیر چل رہا ہے دن اور رات، بلندی و پستی، آسمان و زمین، روشنی اندھیرا، تری اور خشکی، زندگی اور موت، دنیا و عقبیٰ سب ایک دوسرے کے زوج ہیں اور اندازہ ہوتا ہے کہ زوجیت کے قانون پر حیات و کائنات کا یہ پورا انتظام سرگرم عمل ہے۔

آج کل مختلف قسم کی کیمیائی مرکبات میں بھی جوڑوں کا پتہ چلا لیا گیا ہے مثلاً ایٹم اور سوڈیم کلورائیڈ، ایٹم میں الیکٹرون (ELECTRON) منفی اور (PROTON) مثبت سے نیوٹران، نیوٹرل کا کردار ادا کرتے ہیں، اسی طرح سوڈیم کلورائیڈ میں سوڈیم مثبت اور کلورائیڈ منفی کردار ادا کرتے ہیں اسی طرح بجلی میں منفی، مثبت اور نیوٹرل موجود ہیں۔

وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى۔ سورۃ طٰہٰ 20۔ آیت 53

"اور آسمان سے پانی نازل کیا اور اس کے ذریعے سے زمین سے مختلف اقسام کے نباتات کے جوڑے نکالے۔"

مذکورہ بالا تمام آیات میں نباتاتی وراثت (PLANT GENETICS) اور پیداوار (PLANT BREEDING) کی طرف واضح اشارات کئے گئے ہیں۔

قرآن پاک میں پودوں کے اگنے اور بڑھنے اور ان کے ثمر آور ہونے کا تذکرہ یوں ہوا ہے۔

كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ۔ سورۃ فتح۔ 48 آیت۔ 29

"گویا کہ وہ ایک کھیتی ہے جس نے اپنی سوئی نکالی (سبزہ جب زمین سے نکلتا ہے تو سوئی کی طرح تیز ہوتا ہے) پھر اس نے اس کو قوی کیا پھر وہ اور موٹی ہوئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی، کسانوں کو خوش کرتی ہے۔"

آیت میں PLANT GROWTH AND GERMINATION کی طرف اشارہ ہے۔

زراعت میں تحقیق کرنے اور پیداوار بڑھانے کے بارے میں قرآن حکیم نے ماہرین زراعت کو جو

چیلنج دیا ہے اس میں ان کے لئے تحقیق کا ایک نہایت ہی کھلا میدان اٹھ آیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ.(سورۃ بقرہ۔2۔ آیت۔261)

"اس دانے کی طرح جس میں سات بالیں نکلتی ہیں اور ہر بال میں سو دانے ہیں۔"

گویا ایک دانے سے سات سو دانے، ایک سیر سے سات سو سیر اور ایک من سے سات سو من غلہ یا بہت سارا غلہ پیدا کیا جا سکتا ہے۔

آیت میں HETEROSIS کی طرف واضح اشارات موجود ہیں زمین سے متعلق علم (SOIL SCIENCE) زراعت، باغبانی اور پھلوں کی اقسام میں ایک دوسری پر فضیلت کے علوم کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔

وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَّنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ .سورۃ رعد۔13۔آیت۔4

زمین میں طرح طرح کے قطعات ہیں ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور انگور کے باغ ہیں اور فصلات ہیں اور کھجور کے درخت ہیں، کچھ اکہرے ہیں، کچھ دہرے ہیں، سب کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے مگر پیداوار اور مزے میں ہم کسی کو بہتر بنا دیتے ہیں اور کسی کو کم ان سب چیزوں میں عقل رکھنے والوں کے لئے نشانیاں موجود ہیں۔

(ایک زندہ مثال صوبہ سرحد کے ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں پائی جاتی ہے۔ ڈیرہ اسماعیل خان میں کھجور خاصی مقدار میں پیدا ہوتی ہے۔ لیکن ایک چھوٹا سا علاقہ ایسا ہے جس کو ڈھکی کہتے ہیں جہاں کی کھجور دوسرے علاقوں کی کھجور کے مقابلے میں ہر لحاظ سے نمایاں ہے۔ پیداوار کے لحاظ سے بھی۔ حجم کے لحاظ سے بھی اور ذائقے کے لحاظ سے بھی)

آیات مذکورہ میں ان علوم کی طرف اشارات ہوئے ہیں۔

PLANT BREEDING IRRIGATION, HARTICULTURE

SOIL SCIENCE اور PLANT PATHOLOGY.

مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ . سورۃ ابراہیم۔14۔آیت۔24 اور 26

کلمہ طیبہ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اچھی ذات کا درخت جس کی جڑ زمین میں گہری جمی ہوئی ہے اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں ہر آن وہ اپنے رب کے حکم سے اپنے پھل دے رہا ہے اور کلمہ خبیثہ

کی مثال ایک بد ذات درخت کی سی ہے جو زمین کی سطح سے اکھاڑ پھینکا جاتا ہے اس کے لئے کوئی استحکام نہیں ہے۔"

آیت میں اچھی ذات والے درخت کا ذکر اگرچہ کلمہ طیبہ کے ضمن میں آیا ہے اور اس کے مقابلے میں اس کو ثانوی حیثیت حاصل ہے مگر پھر بھی اس میں بیجوں پودوں اور درختوں میں اچھے بیج اور درخت میں نشوونما کی صلاحیت اور خراب قسموں کی موجودگی کی طرف اشارہ ہے۔ اچھے بیج اور درخت میں نشوونما کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے اس لئے وہ پیداوار بھی زیادہ دیتے ہیں اور خراب بیج اور درخت میں نشوونما کی صلاحیت نہیں ہوتی اور اگر ہوتی بھی ہے تو بہت کم ان کی پیداواری صلاحیت بھی نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔

اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ زمین میں پودوں اور درختوں کو نشوونما دینے والے مختلف مرکبات موجود ہیں۔

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا.سورۃ اعراف۔7۔آیت۔58

اچھی زمین اپنے رب کے حکم سے خوب پھول دیتی ہے اور خراب زمین سے ناقص پیداوار کے سوا اور کچھ نہیں نکلتا۔

آیت میں زمین کی کیمیاوی ساخت، اس میں پائے جانے والے بیشمار کیمیاوی مرکبات، پانی اور نامیاتی مادوں کی طرف اشارہ ہے سائنس کی اصطلاح میں اس کو ارضی کیمیا (SOIL CHEMISTRY) کہتے ہیں۔

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ . سورۃ رحمٰن۔55۔ آیت۔10 سے 12

"زمین کو اس نے سب مخلوقات کے لئے بنایا اس پر ہر طرح کے لذیذ پھل بکثرت موجود ہیں کھجور کے درخت ہیں جن کے پھل غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں۔ طرح طرح کے غلے ہیں جن میں بھوسا بھی ہوتا ہے۔"

آیت میں نباتات کی ظاہری شکل و صورت ان کی اقسام اور ان کی ترمیمات کا ذکر ہوا ہے۔ سائنس کی اصطلاح میں اس کو MORPHOLOGY کہتے ہیں۔

خوراک کو محفوظ کرنے اور اسے مختلف طریقوں سے ذخیرہ کرنے FOOD TECHNOLOGY اور FOOD PRESERVATION اور FOOD PROCESSING کے بارے میں قرآن حکیم نے ایک اہم ترکیب کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا مطالعہ اور تجزیہ ماہرین زراعت کا کام ہے۔ حضرت یوسف نے عزیز مصر کو قحط کے اثرات سے بچنے کے لئے غلہ ذخیرہ کرنے کی ایک ترکیب

تائی تھی جس کا تذکرہ قرآن حکیم میں موجود ہے ارشاد ربانی ہے۔

فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ۔ سورۃ یوسف۔12 آیت 47۔

"اس دوران میں جو فصلیں کاٹو ان میں سے بہت تھوڑا حصہ جو تمہاری خوراک کے کام آئے، نکالو اور باقی کو اس کے بالوں ہی میں رہنے دو اور بقدر ضرورت اس کو استعمال کرو۔"

یہ طریقہ کس حد تک کارگر ہے۔ اس پر مزید کام کرنے کی ضرورت ہے۔ البتہ اس سے اس بات کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ غلہ مختلف طریقوں سے ذخیرہ کیا جا سکتا ہے مگر چونکہ یہ عقل کے دائرہ کار میں داخل ہے اس لئے قرآن نے اس کو مزید نہیں چھیڑا۔

دانے اور گٹھلی سے پودا نکالنے کا ذکر قرآن میں یوں آیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰى یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ مُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ۔ سورۃ انعام۔6۔ آیت 95۔

"بیشک اللہ تعالیٰ دانے اور گٹھلیوں کو پھاڑنے والا ہے وہ جاندار چیز کو بے جان اور بے جان کو جاندار چیز سے نکال لاتا ہے پس تم کہاں الٹے چلے جا رہے ہو۔"

آیت میں SEED GERMINATION کی طرف اشارہ ہے اس کے علاوہ حب سے مراد غلہ اور نویٰ سے مراد پھل ہے جب کا ذکر پہلے آیا ہے اور یہ اس لئے کہ غلہ پھل کے مقابلے میں زیادہ اہم ہے اور انسانوں کی زندگی کا دارومدار عموماً غلے پر ہے۔

ذرائع آب رسانی

MEANS OF WATER SUPPLY

ذرائع آب رسانی کے سلسلے میں پانی کی اہمیت کا اندازہ قرآن مجید کی ان آیات سے لگانا مشکل نہیں ہے ارشاد ربانی ہے۔

وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ۔ سورۃ انبیاء۔21۔ آیت 30۔

"ہم نے پانی سے ہر چیز کی زندگی قائم کر رکھی ہے۔"

وَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا۔ سورۃ بقرہ۔2۔ آیت 164۔

"اور اللہ نے آسمان سے جو پانی اتارا اس کے ذریعے مری ہوئی زمین زندہ کر دی۔"

یہ منظر ہر سال انسان کی نظروں کے سامنے سے گزرتا ہے کہ زمین بالکل چٹیل میدان پڑی ہوئی ہے زندگی کے کوئی آثار موجود نہیں، گھاس نہ پھوس ہیں نہ پھل بوٹے نہ پھول پتی اور نہ کسی قسم کے حشرات

الارض۔ دفعتہً بارش کا موسم آ گیا اور ایک دو چھینٹے پڑتے ہیں۔ اس زمین سے زندگی کے چشمے ابلنے شروع ہو گئے۔ زمین کی تہوں میں دبی ہوئی بے شمار جڑیں یکا یک جی اٹھیں اور ہر ایک کے اندر سے وہی نباتات پھر برآمد ہو گئیں جو پچھلی برسات میں پیدا ہونے کے بعد مر چکی تھیں۔ بے شمار حشرات الارض جن کا نام و نشان تک گرمی کے زمانے میں باقی نہ رہا تھا، یکا یک پھر اسی شان سے نمودار ہو گئے جیسے پچھلی برسات میں دیکھے گئے تھے۔

پانی کی ترکیب اور اس کی اہمیت کے بارے میں یہ آیت بھی بڑی حکمت کی حامل ہے۔

وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ ﳓ وَ اِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ۔ سورۃ مومنون۔23۔ آیت 18۔

"اور آسمان سے ہم نے ٹھیک حساب کے مطابق ایک خاص مقدار میں پانی اتارا اور اس کو زمین پر ٹھہرا دیا اور ہم اس پانی کے معدوم کرنے پر بھی قادر ہیں۔"

"اس سے مراد اگرچہ موسمی بارش بھی ہو سکتی ہے لیکن آیت کے الفاظ پر غور کرنے سے ایک دوسرا مطلب بھی سمجھ میں آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ آغاز آفرینش میں اللہ تعالیٰ نے بیک وقت اتنی مقدار میں زمین پر پانی نازل فرمایا تھا جو قیامت تک اس کرے کی ضرورت کے لئے اس کے علم میں کافی تھا۔ وہ پانی زمین ہی کے نشیبی حصوں میں ٹھہر گیا جس سے سمندر اور بحیرے وجود میں آئے اور آب زیر زمین (Sub Soil Water) پیدا ہوا اب یہ اسی پانی کی الٹ پھیر ہے جو گرمی سردی اور ہواؤں کے ذریعے ہوتا رہتا ہے اسی کو بارشیں برف پوش پہاڑ، دریا چشمے اور کنویں زمین کے مختلف حصوں میں پھیلاتے رہتے ہیں اور بے شمار چیزوں کی پیدائش اور ترکیب میں شامل ہوتا اور پھر ہوا میں تحلیل ہو کر اصل ذخیرے کی طرف واپس جاتا رہتا ہے۔"

"شروع سے آج تک پانی کے اس ذخیرے میں نہ ایک قطرے کی کمی ہوئی اور نہ ایک قطرے کا اضافہ ہی کرنے کی کوئی ضرورت پیش آئی اس سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ پانی جس کی حقیقت آج ہر مدرسے کے طالب علم کو معلوم ہے کہ وہ ہائیڈروجن اور آکسیجن دو گیسوں کی امتزاج سے بنا ہے ایک دفعہ تو اتنا بن گیا کہ اس سے سمندر بن گئے اور اب اس ذخیرے میں ایک قطرے کا بھی اضافہ نہیں ہوتا کون تھا جس نے ایک وقت میں اتنی ہائیڈروجن گیس اور آکسیجن ملا کر اس قدر پانی بنا دیا اور کون ہے جو اب انہی دو گیسوں کو اس خاص تناسب کے ساتھ نہیں ملنے دیتا جس سے پانی بنتا ہے حالانکہ دونوں گیسیں اب بھی دنیا میں موجود ہیں اور جب پانی بھاپ بن کر ہوا میں اڑ جاتا ہے تو اس وقت کون ہے جو ہائیڈروجن اور آکسیجن کو الگ الگ ہو جانے سے روکے رکھتا ہے۔ خدا کے وجود سے انکار کرنے والوں کے پاس اس کا کوئی جواب ہے؟ اور کیا پانی اور ہوا اور گرمی اور سردی کے الگ الگ خدا ماننے والے اس کا کوئی جواب رکھتے ہیں۔"

پانی کی حقیقت کے بارے میں یہ آیت قابل غور ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

أَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ۝ ءَأَنتُمْ أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنزِلُونَ ۝ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنَٰهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ۔سورة واقعه۔56 ,آیت 68 سے 70

"کبھی تم نے آنکھ کھول کر دیکھا یہ پانی جو تم پیتے ہو اسے تم نے بادل سے برسایا ہے یا اس کے برسانے والے ہم ہیں۔ ہم چاہیں تو اسے سخت کھاری بنا کر رکھ دیں پھر تم شکر گزار کیوں نہیں ہوتے۔"

اس آیت میں اللہ کی قدرت و حکمت کے ایک اہم کرشمے کی نشاندہی کی گئی ہے۔ پانی کے اندر اللہ نے جو حیرت انگیز خواص رکھے ہیں، ان میں سے ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ اس کے اندر خواہ کتنی ہی چیزیں تحلیل ہو جائیں جب وہ حرارت کے اثر سے بھاپ میں تبدیل ہوتا ہے تو ساری آمیزشیں نیچے چھوڑ دیتا ہے اور صرف اپنے آبی اجزا کو لے کر ہوا میں اڑتا ہے۔ یہ خاصیت اگر اس میں نہ ہوتی تو بھاپ میں تبدیل ہوتے وقت بھی وہ سب چیزیں اس میں شامل رہتیں جو پانی ہونے کی حالت میں اس کے اندر تحلیل شدہ تھیں۔ اس صورت میں سمندر سے جو بھاپیں اٹھتیں ان میں سمندر کا نمک بھی شامل ہوتا اور ان کی بارش تمام روئے زمین کو شورہ زار بنا دیتی۔ نہ انسان اس پانی کو پی کر جی سکتا ہے نہ کسی قسم کی نباتات اس سے اگ سکتی تھی۔ اب کوئی شخص دماغ میں ذرا سی عقل رکھتے ہوئے یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اندھی بہری فطرت سے خود بخود پانی میں یہ حکیمانہ خاصیت پیدا ہو گئی ہے۔ یہ خاصیت جس کی بدولت کھاری سمندروں سے صاف ستھرا میٹھا پانی کشید ہو کر پانی کی شکل میں برستا ہے اور پھر دریاؤں، نہروں، چشموں اور کنوؤں کی شکل میں آب رسانی و آبپاشی کی خدمت انجام دیتا ہے اس بات کی صریح شہادت فراہم کرتی ہے کہ ودیعت کرنے والے نے پانی میں اس کو خوب سوچ سمجھ کر بالا ارادہ اس مقصد کے لئے ودیعت کیا ہے کہ وہ اس کی پیدا کردہ مخلوقات کی پرورش کا ذریعہ بن سکے جو مخلوق کھارے پانے سے پرورش پا سکتی تھی وہ اس نے سمندر میں پیدا کی اور وہاں خوب جی رہی ہے مگر جس مخلوق کو اس نے خشکی اور ہوا میں پیدا کیا تھا اس کی پرورش کے لئے میٹھا پانی درکار تھا اور اس کی فراہمی کے لئے بارش کا انتظام کرنے سے پہلے اس نے پانی کے اندر یہ خاصیت رکھ دی کہ گرمی سے بھاپ بنتے وقت وہ کوئی ایسی چیز لے کر نہ اڑے جو اس کے اندر تحلیل ہو گئی ہو۔"

ایک اور آیت میں پانی کی اہمیت اور زیر زمین اس کی موجودگی بیان ہوئی ارشاد ربانی ہے۔

قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَن يَأْتِيكُم بِمَآءٍ مَّعِينٍ ۔سورة ملک 67۔ آیت 30

"کہہ دیجئے بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر تمہارا پانی جو کنوؤں میں ہے نیچے اتر کر غائب ہو جائے تو وہ کون ہے جو تمہارے لئے پانی کے ابلتے ہوئے چشمے جاری کرے۔"

ایک اور آیت میں بھی پانی کی اہمیت زیر زمین اس کی موجودگی، چشموں نہروں، کنوؤں اور دریاؤں کی شکل میں اس کا دوبارہ حاصل کرنا اس سے کھیتوں کو سیراب کرنا اور ان کھیتوں سے مختلف رنگوں میں مختلف قسم کے غلے حاصل کرنے کی طرف واضح اشارات ہوئے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهُۥ يَنَٰبِيعَ فِي الْأَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهِۦ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا أَلْوَٰنُهُۥ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَىٰهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهُۥ حُطَٰمًا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَٰبِ ۔سورة زمر۔39 ,آیت۔21

"کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کو سوتوں، چشموں اور دریاؤں کی شکل میں زمین کے اندر جاری کیا پھر پانی کے ذریعے وہ طرح طرح کی کھیتیاں پیدا کرتا ہے جن کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں۔ پھر وہ کھیتیاں پک کر سوکھ جاتی ہیں پھر تم ان کو زرد ہوتی ہوئی دیکھتے ہو پھر اللہ ان کو بھس بنا دیتا ہے اس میں اہل عقل کے لئے بڑی عبرت ہے۔"

"آیت مذکورہ میں اللہ کی زمین کو اللہ کے پانی سے سیراب کر کے اس سے مختلف رنگوں میں مختلف قسم کے غلے حاصل کرنے کا ذکر بے شک موجود ہے اور انہی غلوں پر انسان کی زندگی موقوف ہے بھی مگر اللہ کی نظر میں یہ مقصود بالذات نہیں ہے اس کے ذریعے درحقیقت اللہ انسان کو یہ سمجھانا چاہتا ہے کہ اے انسان! تمہاری زندگی اس دنیا میں ابدی نہیں ہے بلکہ عارضی اور چند روزہ ہے تم یہاں کے لئے پیدا نہیں کئے گئے تمہارا مقصود بالذات اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی ہے جو ابدی ہے اس لئے تمہیں یہ حقیقت تسلیم کرنی ہوگی کہ تمہاری زندگی کی بہار اتنی ہی چند روزہ ہے جتنی مختلف فصلوں کی زندگی چند روزہ ہے۔ اس لئے تمہاری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ جس طرح تم دنیا میں مختلف فصلیں بو کر ان کو اللہ کے پانی سے سیراب کر کے ان سے پیداوار حاصل کرتے ہو اس طرح اس دنیا کو اپنے نیک اعمال کی فصلوں کے ذریعے امن و راحت کا گہوارہ بنا کر اپنی آخرت کا سامان بھی کر سکتے ہو۔ یہاں تم جن جن اعمال کی فصلیں بوؤ گے انہیں کو آخرت میں کاٹو گے۔"

پانی کی اس اہمیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں انسان کی زندگی قائم و دائم رکھنے کے لئے آب رسانی کا ایک مکمل نظام تخلیق کیا جس کے بارے میں پہلے بھی کافی کہا جا چکا ہے۔ لیکن یہاں بھی اس کی تھوڑی بہت تفصیل دینا موقع کے عین مطابق ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِۦ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَٰرَ ۔سورة ابراہیم۔14 ,آیت۔32

"اور تمہارے فائدے کے لئے کشتی اور جہاز کو مسخر بنایا تاکہ وہ اس کے حکم سے دریا میں چلے اور تمہارے نفع کے لئے نہروں کو مسخر کیا۔"

یہاں آب رسانی کے دو ذرائع کا ذکر ہوا ہے ایک سمندر اور دوسرا نہریں ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَنَادٰی فِرْعَوْنُ فِیْ قَوْمِهٖ قَالَ یٰقَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔ سورۃ زخرف۔ 43۔ آیت 52

"فرعون نے اپنے قوم میں منادی کرا دی اور کہا اے میری قوم کیا مصر کی سلطنت اور یہ نہریں جو میرے محل کے نیچے بہہ رہی ہیں۔ میری نہیں ہیں۔ پھر تم دیکھتے نہیں ہو"

اس آیت میں فرعون کے زمانے میں نہروں کی موجودگی کا ذکر ہوا ہے جو آب رسانی اور آب پاشی کا مکمل ذریعہ تھیں۔

اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِیْرًا۔ سورۃ بنی اسرائیل 17۔ آیت 90 سے 91۔

"اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ ہمارے لئے کسی زمین سے کوئی چشمہ جاری نہ کر دیں یا خاص آپ کے لئے کھجور اور انگور کا کوئی باغ نہ ہو پھر اس باغ کے بیچ میں جگہ جگہ نہریں آپ جاری کریں۔"

اس آیت میں بھی آب رسانی اور آبپاشی کے دو ذرائع بیان ہوئے ہیں ایک چشمہ اور دوسرا نہریں۔

ایک اور آیت میں ارشاد ربانی ہے۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِیْكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَیْسَ مِنِّیْ۔ سورۃ بقرہ۔ 2۔ آیت 249۔

"پس جب طالوت فوجوں کو لے کر گئے تو انہوں نے کہا کہ حق تعالیٰ تمہارا امتحان ایک نہر سے کریں گے پس جس نے اس سے پانی پیٹ بھر کر پیا تو وہ میرے ساتھیوں میں سے نہیں ہے۔"

ان تمام آیات میں جنت ساوی کے علاوہ اس دنیا میں بھی نہروں کا ذکر کیا گیا ہے اور وہ اس طرح کہ ان کے ساتھ باغات اور پانی کا نام بھی لیا گیا ہے گویا اس دنیا میں نہروں کے اس ذکر سے مقصد نظر یہی ہے کہ ان سے پانی پیا جائے اور ان سے کھیتوں اور باغات کو سیراب کیا جائے۔

اس کے ساتھ ساتھ قرآن نے اس بات کا بھی خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ پہاڑ سے بھی نہر اور کاریز کی صورت میں پانی نکل سکتا ہے اس کا نظارہ ہم صوبہ سرحد میں کوہاٹ، ضلع سوات میں اتھا پور اور بلوچستان میں مختلف مقامات پر کر سکتے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے۔

وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا یَشَّقَّقُ فَیَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ۔ سورۃ بقرہ۔ 2۔ آیت 74۔

"بعض پتھر یعنی پہاڑ ایسے ہیں جن سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں اور بعض ایسے ہیں جو پھٹتے ہیں اور ان سے پانی نکل آتا ہے۔"

نہروں کے بعد قرآن نے کنوؤں کا ذکر بھی مختلف انداز میں کیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

فَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِیَ ظَالِمَةٌ فَهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِیْدٍ۔ سورۃ حج۔ 22۔ آیت 45۔

"کتنی بستیاں ہیں جن کو ہم نے عذاب سے ہلاک کیا جن کی حالت یہ تھی کہ وہ نافرمانی کرتی تھیں اب ان کی کیفیت یہ ہے کہ وہ اپنی چھتوں پر گر پڑی ہیں اور اس طرح ان بستیوں میں بہت سارے کنویں جو پہلے آباد تھے اور بہت سے مضبوط محل بیکار پڑے ہیں۔"

سورۃ یوسف میں بھی کنویں کا ذکر ہوا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ۔ سورۃ یوسف۔ 12۔ آیت 15۔

"پس جب ان کے بھائی اس کو لے گئے تو انہوں نے اس کو کنویں میں ڈال دیا۔"

گویا کہ روز مرہ کے استعمال اور آبپاشی کے لئے کنوؤں سے پانی نکالنے کا تصور بہت پہلے سے ہے قرآن نے بھی اس تصور کو یہاں زندہ کیا ہے البتہ کنوؤں سے پانی نکالنے اور اس کے استعمال کا طریقہ کیا ہونا چاہئے۔ یہ قرآن نے انسانی عقل پر چھوڑ دیا ہے۔

آب رسانی کا تیسرا ذریعہ چشمہ بتایا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا۔ سورۃ بقرہ۔ 2۔ آیت 60۔

"ہم نے ان سے کہا اپنی لاٹھی سے اس پتھر کو مارو پس اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔"

ایک دوسری آیت میں ہے۔

وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُیُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓی اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ۔ سورۃ قمر۔ 54۔ آیت 12۔

"اور ہم نے زمین سے چشمے جاری کر دیئے پس اللہ تعالیٰ کے اندازے کے مطابق آسمان و زمین کا پانی اس کام کو پورا ہونے کے لئے مل گیا۔"

تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ ۖ اَحْیَیْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ یَاْكُلُوْنَ

وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ. سورۃ یٰسٓ۔ 36۔ آیت۔34 سے 35

"ان لوگوں کے لئے بے جان زمین میں ایک نشانی ہے ہم نے اس کو زندگی بخش دی اور اس سے غلہ نکالا جسے یہ کھاتے ہیں ہم نے اس میں سے کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کر دیئے اور اس کے اندر سے چشمے پھوٹ نکلے۔ یہ سب کچھ ان کے اپنے ہاتھ کا پیدا کیا ہوا نہیں ہے پھر کیا یہ شکر نہیں کرتے؟"

كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ. سورۃ الدخان 44۔ آیت 27۔

"کتنے ہی باغ اور چشمے اور فصلیں اور شاندار محل تھے جو وہ چھوڑ کر چلے گئے کتنے ہی عیش کے ساز و سامان جس میں وہ مزے کر رہے تھے ان کے پیچھے دھرے رہ گئے"

مذکورہ بالا آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ چشموں کے پانی کا اگر ایک طرف پینے کے لئے استعمال ہونے کا ذکر ہے تو دوسری طرف اس سے کھیت اور باغات کے سیراب ہونے کا ذکر بھی قرآن نے کیا ہے۔

ایک حدیث شریف میں یہ مفہوم بڑی وضاحت سے بیان ہوا ہے۔

عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ! قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ مَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهٖ مِنَ الْهُدٰى وَالْعِلْمِ كَمَثَلِ الْغَيْثِ الْكَثِيْرِ اَصَابَ اَرْضًا فَكَانَ مِنْهَا نَقِيَّةٌ قَبِلَتِ الْمَاءَ فَاَنْبَتَتِ الْكَلَاَ وَالْعُشْبَ الْكَثِيْرَ وَكَانَتْ مِنْهَا اَجَادِبُ اَمْسَكَتِ الْمَاءَ فَنَفَعَ اللّٰهُ بِهَا النَّاسَ فَشَرِبُوْا وَسَقَوْا وَزَرَعُوْا وَاَصَابَ مِنْهَا طَائِفَةً اُخْرٰى اِنَّمَا هِيَ قِيْعَانٌ لَا تُمْسِكُ مَاءً وَلَا تُنْبِتُ كَلَاً۔ بخاری

"ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا جس علم اور ہدایت کے ساتھ اللہ نے مجھے مبعوث کیا ہے اس کی مثال اس کثیر بارش کی طرح ہے جو کسی زمین پر برستی ہے پس زمین میں بعض اچھی ہیں، پانی جذب کرتی ہے فصل اور گھاس کثیر مقدار میں اگاتی ہے اور بعض زمین بنجر ہوتی ہے۔ صرف پانی روکتی ہے اللہ تعالیٰ اس سے لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے پھر لوگ اس پانی کو کنوؤں اور چشموں اور کاریز کی شکل میں دوبارہ حاصل کر کے پیتے ہیں کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں اور فصلیں بوتے ہیں اور یہی بارش زمین کے ایک ایسے ٹکڑے پر بھی برستی ہے۔ جو چٹیل میدان ہے نہ پانی روک سکتی ہے اور نہ فصل اگا سکتی ہے۔"

آب رسانی کا ایک اور ذریعہ پہاڑوں کے درمیان بند باندھ کر پانی جمع کرنا اور پھر اس کو مختلف مقاصد کے لئے استعمال کرنا ہے سورہ سبا میں سد مآب اور سیل العرم کا ذکر موجود ہے۔ مضمون ھٰذا میں زرعی انجینئرنگ کے تحت اس کی تفصیل دے دی گئی ہے۔

احمد بن محمد علی مسکویہ
(421ھ بمطابق 1032ء)

علم نباتات میں خصوصی مہارت رکھنے والے سائنس دان احمد بن علی مسکویہ کا نام محتاج تعارف نہیں۔ آپ ہر فن مولا ہیں اور ہر فن میں اپنی معلومات کتابی شکل میں مدون کرنے کی کوشش کی ہے۔ تجارت الامم جیسی کتاب آپ کی شاہکار ہے۔

یہاں زیر بحث اس کا فن نباتات و زراعت ہے۔ خصوصاً یہ بات کہ نباتات میں زندگی ہے اور یہ کہ نباتات میں تدریجی ارتقاء کا سلسلہ پایا جاتا ہے۔ اس کی وضاحت اس نے یوں کی ہے۔

پہلا درجہ:

1۔ ابتدائی درجے میں وہ نباتات شامل ہیں جو تخم کے بغیر پیدا ہو جاتے ہیں اور ہر قسم کی زمین سے اگتی ہیں۔ یہ نباتات تخم کے ذریعے اپنی نوع کو محفوظ نہیں رکھتے۔ اس لئے ان میں اور جمادات میں بہت کم فرق پایا جاتا ہے۔

2۔ ابتدائی درجے کے بعد زندگی کے اثر میں ترقی ہوتی ہے اور شاخ و برگ والے نباتات پیدا ہو جاتے ہیں جو اپنی نوع کو تخم کے ذریعے محفوظ رکھتے ہیں۔

نباتات میں یہ ارتقاء بتدریج آگے بڑھتا رہتا ہے۔

دوسرا درجہ:

1۔ جڑ، پتے اور پھل والے درخت پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ درخت پھل سے اپنی نوع کو محفوظ رکھتے ہیں۔

یہ درخت لگائے نہیں جاتے بلکہ جنگلوں، پہاڑوں اور میدانوں میں خود بخود اگتے ہیں اور ان کی نشوونما کافی عرصہ میں ہوتی ہے۔

2۔ ان درختوں میں درجہ بدرجہ مزید ترقی ہوتی ہے یہ لگائے بھی جا سکتے ہیں مگر ان کی پرورش قدرتی طور پر بھی ہوتی ہے۔

تیسرا درجہ:

1۔ نباتات کی ارتقائی زندگی کا آخری درجہ وہ ہے جس میں ایسے درخت پیدا ہوتے ہیں جن کے لئے عمدہ زمین، صاف پانی، ہوا اور روشنی کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان کے لئے معتدل اور خوشگوار موسم کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے زیتون، انار، سیب اور انجیر وغیرہ۔

2۔ اس درجے کی ترقی آگے بڑھ کر اپنی انتہا کو پہنچتی ہے۔ یہ درجہ نباتات کا آخری ارتقائی درجہ ہے

جس میں انگور اور کھجور شامل ہیں۔

لائن مسکوپ کے نزدیک کھجور کے درختوں میں کئی حیثیتوں سے حیوانی خصائص پائے جاتے ہیں۔ ان میں نر و مادہ الگ الگ ہوتے ہیں اور اس کے پھل لانے کے لئے اس میں عمل تولید کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان میں جڑ اور رگ و ریشہ کے علاوہ ایک اور چیز بھی ہوتی ہے جس کو "جمار" کہتے ہیں۔ اس "جمار" پہ ان کی زندگی کا دارو مدار ہے، یہ کٹ جائے تو درخت خشک ہو جاتے ہیں۔

حیاتیات
(BIOLOGY)

نباتیات
(BOTANY)

علم نباتات سے مراد وہ علم ہے جو نباتات اور ان کے جملہ متعلقات سے بحث کرتا ہے ماہرین فن نے ان کی بڑی شاخیں یوں بیان کی ہیں۔

1-Plant Morphology
2-Plant Physiology
3-Plant Ecology
4-Plant Taxonomy
5-Plant Pathology
6-Plant Genetics

قرآن مجید میں نباتات اور ان کی نشوونما سے مفید آیات آئی ہیں اور اگر معلم چاہے تو طالب علموں کو ان کی طرف متوجہ کر سکتا ہے۔ چند آیات رہنمائی کے لئے پیش کی جاتی ہیں۔

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ. سورة حجر۔15۔آیت۔19

اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس میں بھاری بھاری پہاڑ ڈال دیئے اور اس میں ہر قسم کی چیز ایک معین مقدار (In a balanced manner) میں اگائی ہے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے اہم نشان کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ نباتات کی ہر نوع میں تناسل کی اس قدر زبردست طاقت موجود ہے کہ اگر اس کے صرف ایک پودے کو زمین میں بڑھنے کا موقع مل جائے تو چند سال کے اندر روئے زمین پر بس وہی نظر آئے کسی دوسری قسم کی نباتات

کے لئے کوئی جگہ نہ رہتی مگر یہ ایک حکیم اور قادر مطلق اللہ کا سوچا سمجھا منصوبہ ہے۔ جس کے مطابق یہ بیشمار اقسام کی نباتات اس زمین پر اگ رہی ہیں اور ہر نوع کی پیداوار اپنی ایک مخصوص حد تک پہنچ کر رک جاتی ہے۔ اس منظر کا ایک پہلو یہ ہے کہ ہر نوع کی جسامت، پھیلاؤ، اٹھان اور نشوونما کی ایک حد مقرر ہے جس سے نباتات کی کوئی قسم بھی تجاوز نہیں کر سکتی صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے ہر درخت، ہر پودے اور ہر بیل بوٹے کے لئے جسم، قد، شکل، اور برگ و بار اور پیداوار کی ایک مقدار پورے ناپ تول اور حساب و شمار کے ساتھ مقرر کر رکھی ہے۔

ایک دوسرے زاویہ نگاہ سے اگر دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ نے نباتات کی شاخیں، پتے، پھول اور پھل میں زبردست موزونیت پیدا فرمائی ہے۔ یہ موزونیت کئی امور میں پائی جاتی ہے جن میں مندرجہ ذیل چار باتیں بہت اہمیت کی حامل ہیں۔

1۔ نباتات کے اندر اجزائے ترکیبی کی موزونیت۔
2۔ گرم سرد اور معتدل علاقوں کے لحاظ سے تو ترجیح۔
3۔ انسان اور حیوانات کی غذا، لباس، دوائی اور پھلوں کی موزونیت۔
4۔ بیجوں کے نظام میں موزونیت۔
5۔ جڑوں اور زمین کے باہر کے حصے کے درمیان موزونیت۔

ایک پودے کا جتنا حصہ زمین سے باہر ہوتا ہے اس سے زیادہ جڑیں زمین کے اندر ہوتی ہیں اور ان جڑوں ہی کی وجہ سے ایک تناور درخت زمین کے باہر سیدھا کھڑا ہو سکتا ہے۔

اس کے علاوہ سطح زمین پر پودوں اور جانوروں کے درمیان اتنی زبردست موزونیت پائی جاتی ہے۔ کہ اگر اس میں معمولی سی خرابی پیدا ہو جائے تو دونوں قسم کے جانداروں کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ مثلاً پودے ضیائی تالیف (Photosynhesis) کے ذریعے آکسیجن پیدا کرتے ہیں اور کاربن ڈائی آکسائیڈ استعمال کرتے ہیں پودے جو آکسیجن پیدا کرتے ہیں اس پر جانوروں اور پودوں دونوں کی زندگی کا انحصار ہے۔ اب اگر پودوں کا وجود اس دنیا سے ختم کیا جائے تو جانوروں کی زندگی آکسیجن کی کمی کی وجہ سے خود بخود ختم ہو جائے گی۔

جانوروں اور پودوں کے مردہ جسموں کی وجہ سے جتنا بھی (Organic Matter) زمین میں جمع ہوتا ہے اس کو (Bacteria) اور دوسری قسم کے چھوٹے خوردبینی پودے (Fungi) توڑ کر سادہ مرکبات میں تبدیل کرتے ہیں یہ مرکبات دوبارہ استعمال میں لائے جاتے ہیں۔

اب اگر بیکٹیریا اور فنجائی اپنا کام چھوڑ دیں تو انتہائی قلیل عرصے میں پوری زمین پودوں جانوروں کے مردہ جسموں سے بھر جائے گی۔ جن کا تعفن اور بدبو زمین پر زندگی کو ناممکن بنا دے گی۔

اس آیت سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر ہر وہ چیز اگانے کی صلاحیت پیدا

جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ جب لکڑی جل کر راکھ ہو جاتی ہے تو آپ راکھ کو تول لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس کا وزن لکڑی کے اصل وزن کا زیادہ سے زیادہ سات فیصد ہے۔ باقی وزن ہوا میں چلا گیا جہاں سے وہ آیا تھا۔ جب ہم لکڑی جلاتے ہیں تو ہمیں اس سے گرمی حاصل ہوتی ہے۔ یہ وہی گرمی ہے جو اس نے سورج سے حاصل کی تھی۔

تمام درخت سورج کی روشنی میں فضائی کاربن ڈائی آکسائڈ کو حاصل کر کے اپنی خوراک پیدا کرتے ہیں اور اس عمل میں آکسیجن گیس خارج کرتے ہیں۔ انسان کو سانس لینے کے لئے تندرست و توانا رہنے کے لئے آکسیجن گیس کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس کے لئے درخت ہمارے لئے صاف ستھرا ماحول مہیا کرتے ہیں۔ جس قدر درخت زیادہ ہوں گے اتنی ہی فضائی آلودگی کم ہوگی۔ گیسوں کی آلودگی فضا کی بالائی سطح پر زیادہ ہوتی ہے اور درخت اپنے قد و قامت کی وجہ سے بالائی سطحوں پر پاکیزگی کا عمل انجام دیتے ہیں۔

آواز کے فائدے سب کو معلوم ہیں مگر آواز ایک حد سے زیادہ تیز اور زوردار ہو جائے تو انسان کی موت واقع ہو سکتی ہے۔ شہر کے پرشور ہنگاموں کی طاقت 80 ڈیسیبل کے برابر ہوتی ہے۔ ڈیسیبل وہ پیمانہ ہے جس سے آواز کی تندی اور تیزی ناپی جاتی ہے۔ آواز کی طاقت 125 ڈیسیبل پر انسان کو بہرا بنا دیتی ہے۔ 180 ڈیسیبل کی طاقت پر آواز سن کر کوئی شخص زندہ نہیں رہ سکتا۔ درخت اس شور و غل کے ہنگامے کو کم کرتے ہیں۔ ایک سو مربع فٹ پر درختوں کی موجودگی سے چھ سے آٹھ ڈیسیبل آواز کم ہوتی ہے۔ اگر آج روئے زمین پر درخت نہ ہوں تو کوئی شخص زندہ نہیں رہ سکتا۔

گرد و غبار کے اثرات بھی درختوں کی موجودگی سے کم ہوتے ہیں۔ گرد و غبار سے اٹے ہوئے علاقوں میں جب درخت لگا کر دیکھا گیا تو گرد و غبار اور آندھیوں کے اسباب کم ہو گئے۔ درخت بارش کا سبب بھی بنتے ہیں۔ بارش ان بخارات سے ہوتی ہے جو گرمی کی وجہ سے سمندر سے اٹھتے ہیں۔ جب یہ بخارات اوپر جا کر کسی وجہ سے ٹھنڈے ہو جاتے ہیں تو بارش کی شکل میں برس پڑتے ہیں۔ انہیں ٹھنڈا کرنے میں پہاڑ اور درخت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ درخت سطح زمین پر پانی محفوظ رکھتے ہیں۔

اللہ علیم و حکیم نے درخت کو اپنی حفاظت کرنا بھی سکھلایا۔ جب چھاپے ایک درخت کے نرم و نازک اور سرسبز پتوں پر دھاوا بول دیتے ہیں اور ان کے درانتی جیسے تیز جبڑے سبز پتے کتر کتر کر درخت کی ہر شاخ ننگی کئے دیتے ہیں۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ گھنے درختوں میں سے چند ہی درخت کیڑوں کی اس غارت گری کا شکار ہوتے ہیں کیونکہ حکمت اللہ ہے کہ درخت اپنے سبز پیرہن سے محروم ہونے کی بجائے کیڑے مکوڑوں سے باقاعدہ جنگ لڑتے ہیں اور اس میں مہلک کیمیائی مادوں کا اسلحہ استعمال کرتے ہیں جو سبز پتوں کو ناقابل ہضم بنا دیتا ہے۔ وہ مادہ اتنا زہریلا ہوتا ہے کہ حشرات انہیں کھاتے ہی مر جاتے ہیں۔

کی ہے جو انسان کی کسی نہ کسی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس آیت سے آج کل کی زرعی اصطلاح کے مطابق (Plant Breeding) کا مفہوم نکلتا ہے۔ یعنی زمین میں ہر قسم کی چیز اگائی اور اس کو ترقی دی جا سکتی ہے۔

اس آیت میں ایک اہم مضمون اشجار و سبزیاں (Harticulture) کی طرف بھی اشارہ موجود ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ۔ سورۃ شعراء 26۔ آیت 7۔

''کیا وہ زمین کے عجائبات کو نہیں دیکھتے کہ ہم نے اس میں کس قدر عمدہ جڑی بوٹیاں اگائی ہیں بے شک یہ صاحب بصیرت لوگوں کے لئے عبرت کی نشانی ہے۔''

مطلب یہ کہ زمین میں اگنے والی بے شمار انواع و اقسام کی چیزیں جس کثرت سے اگ رہی ہیں، جن مادوں اور قوتوں کی بدولت اگ رہی ہیں، جن قوانین کے تحت اگ رہی ہیں پھر ان کے خواص اور صفات میں اور بے شمار مخلوقات کی بے شمار ضرورتوں میں جو صریح مناسبت پائی جاتی ہے ان ساری چیزوں کو دیکھ کر صرف ایک کوتاہ بین اس نتیجے میں پہنچ سکتا ہے کہ یہ سب کسی حکیم کی حکمت کسی علیم کے علم کسی قادر و توانا کی قدرت اور کسی خالق کے منصوبہ تخلیق کے بغیر بس یونہی آپ سے آپ ہو رہا ہے۔

اس کے علاوہ نباتات کی تقریباً 5 لاکھ اقسام دریافت ہوئی ہیں اور ہر قسم کے بے شمار فوائد مناظر اور خصوصیات جدا جدا ہیں۔

انسان اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے سب سے برتر مخلوق ہے۔ اس کے لئے اللہ نے ہر نباتات میں منافع رکھے ہیں۔ ''ان سے کھانا ہے'' ان کو بطور دوا استعمال کرتا ہے۔ ان سے عطریات حاصل کرتا ہے۔ مکانات کی تعمیر کرتا ہے۔ بحری جہاز بناتا ہے ان سے تیل نکالتا ہے اور ان کا پھل کھاتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ ہم درختوں کو صرف ایندھن کا یا تعمیر کے لئے لکڑی حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ لیکن تحقیق سے معلوم ہوا کہ درخت ہوا میں آکسیجن کی ضروری مقدار قائم رکھتے ہیں۔ ہوا ہماری زمین کے چاروں طرف ایک غلاف کی شکل میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں زیادہ مقدار نائٹروجن گیس کی ہے اور اس سے کم آکسیجن کی۔ لیکن آکسیجن گیس تمام جانداروں کے لئے نہایت ضروری ہے۔ ہم آکسیجن سانس کے ساتھ اندر لے جاتے ہیں اور جب سانس چھوڑتے ہیں تو کاربانک ایسڈ گیس باہر نکلتی ہے۔ جو زہریلی ہوتی ہے۔ درختوں کا عمل اس سے مختلف ہوتا ہے۔ وہ زہریلی گیس کھاتے ہیں اور مفید آکسیجن چھوڑتے ہیں۔ اس طرح ہوا میں آکسیجن کی ضروری مقدار موجود رہتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ درختوں کو مٹی سے کافی غذا ملتی ہے۔ لیکن درختوں کی ہزاروں من لکڑی مٹی سے نہیں بلکہ ہوا سے آتی ہے۔ اس کا خزانہ وہی کاربانک ایسڈ گیس ہے۔

اللہ ہی کی قدرت سے درختوں کو خطرے کا پیشگی احساس ہو جاتا ہے۔ جب ان کے ہمسائے پودے حشرات کے حملے سے تباہ ہو رہے ہوتے ہیں تو کیڑوں کی ان تک رسائی سے پہلے ہی اللہ ہی انہیں زہریلے کیمیائی مادے پیدا کرنے کا موقع عطا کر دیتا ہے اور دشمن کے مقابلے میں بھی ان کے دفاعی ہتھیار ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ اللہ کی قدرت دیکھیے کہ درخت ایک خاموش الارم دے کر کیڑے مکوڑوں کے حملے سے اپنے بھائی بندوں کو آگاہ کر دیتے ہیں۔ حملے کا شکار ہونے والے درخت فضا میں ایک مخصوص کیمیائی بو چھوڑ کر قریبی ساتھیوں کو خبردار کر دیتے ہیں۔ اس کے جواب میں صحیح سالم درخت زہریلے مادے کثرت سے پیدا کرنے لگتے ہیں۔ جس سے آمادہ فساد حشرات ان کا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ اگرچہ سائنسدان ابھی تک درختوں کے اس مواصلاتی عمل کی نوعیت کا سراغ نہیں لگا سکے۔ تاہم وہ ان زہریلے مادوں کے بارے میں بہت کچھ جان گئے ہیں۔

ماہرین حیاتیات کہتے ہیں کہ اسلحہ کی دوڑ عالمی طاقتوں میں ہی نہیں ہے نباتات اور حیوانات کے درمیان بھی جاری ہے۔ ایک درخت کوئی زہریلا دفاعی اسلحہ پیدا کرتا ہے۔ کیڑے اس کا توڑ ڈھونڈ لیتے ہیں۔ اب درخت کے لئے دو ہی راستے ہیں یا تو وہ نیا کیمیائی ہتھیار بنائے یا ہلاکت سے دوچار ہو جائے۔ چونکہ حشرات کی عمر کم ہوتی ہے۔ وہ بہت جلد ہر قاتل زہر کا مداوا تلاش کر لیتے ہیں چنانچہ ان کے وار کا مقابلہ کرنے کے لئے درخت کو سال بہ سال خالق رزاق تعالیٰ اسے مختلف قسم کا زہر تیار کرنے کی صلاحیت بخش دیتا ہے۔ ۵

آیت بالا میں پودوں کی اقسام یعنی (Plant Taxonomy) کی طرف بھی اشارہ ہے۔

وَأَنۢبَتۡنَا عَلَيۡهِ شَجَرَةً مِّن يَقۡطِينٖ. سورة صافات .37 آیت۔ 146

"اور ہم نے ان پر یعنی یونس پر ایک بیلدار درخت بھی اگا دیا تھا۔"

اس سے مراد وہ بیلدار درخت ہے جس نے حضرت یونس پر سایہ بھی کیا تھا۔ اس کا پھل ان کے لئے بیک وقت غذا اور پانی دونوں کا کام دیتا تھا۔

یقطین سے مراد ہر قسم کی بیل ہو سکتی ہے جو پھل دیتی ہے ان میں کدو، خربوزہ، تربوز، انگور اور اس قسم کے سارے بیلدار درخت شامل ہیں۔ یہاں پھلدار بیلوں سے پیداوار حاصل کرنے کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے اور نباتات میں ایک نوع کی طرف بھی اشارہ ہے۔

وَٱلۡأَرۡضَ مَدَدۡنَٰهَا وَأَلۡقَيۡنَا فِيهَا رَوَٰسِيَ وَأَنۢبَتۡنَا فِيهَا مِن كُلِّ زَوۡجِۭ بَهِيجٖ تَبۡصِرَةٗ وَذِكۡرَىٰ لِكُلِّ عَبۡدٖ مُّنِيبٖ سورة ق .50 آیت.7 سے 8

"ہم نے زمین کو بچھایا اور اس میں پہاڑ جمائے اور اس کے اندر ہر طرح کی خوش منظر نباتات اگا دیں۔ یہ ساری آنکھیں کھولنے والی اور سبق دینے والی ہیں۔"

ان نباتات میں ہر قسم کے پھلوں والے درخت، پھول، خوبصورت گھاس اور دوسرے ہر دو پودے

شامل ہیں جو آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں۔ بہار کے موسم میں بعض علاقوں میں خودرو پھولدار پودے اس طرح نظر آتے ہیں جیسے کسی نے ایک خوبصورت قالین بچھا دیا ہو۔

فَتَبَارَكَ ٱللَّهُ أَحۡسَنُ ٱلۡخَٰلِقِينَ. سورة مومنون۔23۔ آیت۔14

"کیسی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے۔"

وَنَزَّلۡنَا مِنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءٗ مُّبَٰرَكٗا فَأَنۢبَتۡنَا بِهِۦ جَنَّٰتٖ وَحَبَّ ٱلۡحَصِيدِ وَٱلنَّخۡلَ بَاسِقَٰتٖ لَّهَا طَلۡعٞ نَّضِيدٞ رِّزۡقٗا لِّلۡعِبَادِۖ وَأَحۡيَيۡنَا بِهِۦ بَلۡدَةٗ مَّيۡتٗاۚ كَذَٰلِكَ ٱلۡخُرُوجُ. سورة ق۔50۔ آیت 9 سے 11

"اور ہم نے برکت والا یعنی کثیر المنافع پانی نازل کیا۔ پھر اس سے (اشجار و اثمار) باغ اور (گندم، جو، چاول، چنے، مکئی، مٹر، مسور کی دال وغیرہ) جیسے فصل کے غلے اور بلند و بالا کھجور کے درخت پیدا کر دیے جن پر پھلوں سے لدے ہوئے خوشے تہ بہ تہ لگتے ہیں یہ بندوں کے لئے رزق کا انتظام ہے (جس طرح اللہ یہ ساری چیزیں خشک زمین سے نکالتا ہے) اسی طرح قیامت کے دن لوگ دوبارہ اٹھیں گے۔"

اس آیت میں POMOLOGY اور AGRONOMY کا ذکر ہوا ہے اور مختلف غلوں اور پھلوں کی پیداوار حاصل کرنے کی طرف بھی واضح اشارات ہوئے ہیں۔

أَنَّا صَبَبۡنَا ٱلۡمَآءَ صَبّٗا ثُمَّ شَقَقۡنَا ٱلۡأَرۡضَ شَقّٗا فَأَنۢبَتۡنَا فِيهَا حَبّٗا وَعِنَبٗا وَقَضۡبٗا وَزَيۡتُونٗا وَنَخۡلٗا وَحَدَآئِقَ غُلۡبٗا وَفَٰكِهَةٗ وَأَبّٗا مَّتَٰعٗا لَّكُمۡ وَلِأَنۡعَٰمِكُمۡ. سورة عبس 80.آیت 25۔ سے 32

"ہم نے خوب پانی لنڈھایا۔ پھر نباتات کے ذریعے زمین کو عجیب طرح سے پھاڑا پھر اس کے اندر تمہارے لئے اور تمہارے مویشیوں کے لئے سامان زیست کے طور پر غذائیت سے بھرپور غلے (مثلاً گندم، چاول، مکئی اور مختلف قسم کی دالیں) انگور، زیتون، کھجوریں، گھنے باغ اور طرح طرح کے پھل اور چارے اگائے۔"

اس آیت میں (Irrigation) آبپاشی (Olericulture) مختلف قسم کی پیداوار (Fodder Crops) پودوں اور نباتات کی افادیت (Oil Crops) اور مختلف باغات (Harticulture) کا ذکر ہوا ہے۔

وَإِذۡ قُلۡتُمۡ يَٰمُوسَىٰ لَن نَّصۡبِرَ عَلَىٰ طَعَامٖ وَٰحِدٖ فَٱدۡعُ لَنَا رَبَّكَ يُخۡرِجۡ لَنَا مِمَّا تُنۢبِتُ ٱلۡأَرۡضُ مِنۢ بَقۡلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا. سورة بقرہ۔2۔ آیت۔61

اور جب تم نے موسیٰ سے کہا کہ اے موسیٰ ہم روز ایک ہی قسم کے کھانے پر قناعت نہیں کریں گے آپ ہمارے لئے پروردگار سے دعا کریں کہ وہ ہمارے لئے ایسی چیزیں پیدا کریں جو زمین میں اگا کرتی ہیں۔

ساگ ہوا ککڑی ہوئی گیہوں ہوا مسور کی دال ہوئی اور پیاز ہوئی۔

اس آیت میں پیداوار (Plant Production) یعنی Olericulture کا ذکر ہوا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ۔ سورۃ یٰس ۔36 ۔ آیت ۔36

"پاک ہے وہ ذات جس نے جملہ اقسام کے جوڑے پیدا کئے خواہ وہ زمین کی نباتات میں سے ہوں یا خود ان آدمیوں میں سے ہوں یا ان چیزوں میں سے جن کو عام لوگ نہیں جانتے۔"

آج کل مختلف قسم کے کمپاؤنڈز میں بھی جوڑوں کا پتہ چلا لیا گیا ہے۔ مثلاً ایٹم اور سوڈیم کلورائیڈ ایٹم میں الیکٹرون منفی اور پروٹان مثبت اور نیوٹران، نیوٹرل کا کردار ادا کرتے ہیں۔ اسی طرح سوڈیم کلورائیڈ میں سوڈیم مثبت اور کلورائیڈ منفی کا کردار ادا کرتے ہیں۔ اسی طرح بجلی میں بھی منفی مثبت اور نیوٹرل موجود ہے۔

اس آیت میں حیاتیاتی وراثت (Plant Breeding & Genetics) اور پیداوار (Plant Producation) کا ذکر ہوا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ لَكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ۔ یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّیْتُوْنَ وَالنَّخِیْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ۔ سورۃ نحل ۔16 ۔ آیت ۔10 سے 11

"اللہ وہ ذات ہے جس نے آسمان سے تمہارے لئے پانی برسایا جس سے تم خود بھی سیراب ہوتے ہو اور تمہارے جانوروں کے لئے بھی چارہ پیدا ہوتا ہے وہ اس پانی کے ذریعے کھیتیاں اگاتا ہے اور زیتون اور کھجور اور انگور اور اسی طرح کے دوسرے پھل پیدا کرتا ہے۔ اس میں بڑی نشانی ہے۔ ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔"

اس آیت میں روزمرہ استعمال اور فصلوں کی کاشت کے لئے پانی کی اہمیت بیان ہوئی ہے۔ ساتھ ساتھ (Plant Improvement) اور Reserch کا تذکرہ بھی اس میں موجود ہے۔ مختلف میووں کے باغات Harticulture کا ذکر بھی ہوا ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ اُنْظُرُوْا اِلٰى ثَمَرِهٖ اِذَا اَثْمَرَ وَیَنْعِهٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۔ سورۃ انعام ۔6 ۔ آیت ۔99

"اور اللہ وہ ذات ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اس سے سبز شاخ نکالی کہ اس سے

ہم اوپر تلے چڑھے ہوئے دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے درختوں یعنی ان کے گچھوں میں سے خوشے نکلتے ہیں۔ جو مارے بوجھ کے نیچے جھکے جاتے ہیں اور انگور کے باغ اور زیتون اور انار کے درخت پیدا کئے جو ایک طرف سے ملتے جلتے بھی ہوتے ہیں اور ملتے جلتے نہیں بھی ہوتے۔ ذرا ہر ایک پھل کو تو دیکھو جب وہ پھلتا اور پھر اس کے پکنے کو دیکھو بے شک ان میں ایمان لانے والوں کے لئے بڑی عبرت موجود ہے۔"

اس آیت میں زراعت کے لئے پانی کی اہمیت مختلف قسم کے پھلوں کے باغات مختلف قسم کے پھلوں کے پیداوار اور درجہ بندی (Classification) اور ان کی کیفیت بیان ہوئی ہے۔

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰى۔ سورۃ طٰہٰ ۔20 آیت ۔53 سے 54۔

"اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لئے زمین کا فرش بچھایا اور اس میں تمہارے چلنے کو راستے بنائے اور اوپر سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعے مختلف اقسام کے نباتات پیدا کئے کھاؤ اور اپنے جانوروں کو بھی کھلاؤ یقیناً اس میں عقل رکھنے والوں کے لئے عبرت کی بہت سی نشانیاں ہیں۔"

اس آیت میں زمین (Soil) کی اہمیت اس میں آسانی سے چلنے کے لئے مختلف قسم کے ذرائع مواصلات کی ضرورت پھر مٹی سے پیداوار حاصل کرنے کے لئے پانی کے لابدی ہونے اور پانی کے ذریعے مختلف نباتات کے اگانے پھر انسانوں اور جانوروں کے لئے ان کی افادیت کا تذکرہ ہوا ہے۔

ان سب اشیاء پر اگر غور کیا جائے تو انسان خود اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور صنعت کا قائل ہو جاتا ہے اور بے ساختہ اس کے منہ سے نکل جاتا ہے۔

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ۔ سورۃ مومنون ۔23 ۔ آیت ۔14

علاوہ ازیں قرآن حکیم کی آیت وعلم آدم الاسماء کلھا کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت آدم کو اللہ تعالیٰ نے تمام نام سکھا دیئے اور ان ناموں کی خصوصیات بھی بتا دیں گویا کہ علم نباتات سمیت تمام علوم کی ابتداء کرہ ارض پر پہلے انسان کے وجود سے ہی ہو گئی تھی۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ۔ سورۃ انعام ۔6 ۔ آیت ۔141

وہ اللہ ہی ہے جس نے طرح طرح کے باغات پیدا کئے وہ بھی جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں جیسے انگور اور وہ بھی جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے یا تو اس لئے کہ بیلدار نہیں جیسے تناور درخت یا باوجود بیلدار ہونے کے ٹٹیوں پر چڑھنے کی عادت نہیں جیسے خربوزہ اور تربوز وغیرہ اور کھجور کے درخت اور کھیتی بھی اس

نے پیدا کئے جس میں کھانے کی چیزیں مختلف طرز کی حاصل ہوتی ہیں اور زیتون اور انار بھی اس نے پیدا کئے۔ ایک دوسرے کے مشابہ بھی ہوتے ہیں۔ اور کبھی ایک دوسرے کے مشابہ بھی نہیں ہوتے اور اللہ نے ان سب چیزوں کو پیدا کر کے اجازت دے دی ہے کہ ان سب کی پیداوار کھاؤ البتہ اس بات کا خیال ضرور رکھا جائے کہ جب ان کی فصل کاٹو تو اللہ کا حق ضرور ادا کرو اور اس حق کو دینے میں حد سے مت گزرو یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز میں حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

اس آیت میں حق تعالیٰ نے باغات میں پیدا ہونے والے درختوں کی دو قسمیں بیان فرمائیں ایک وہ جن کی بیلیں اوپر چڑھائی جاتی ہیں۔ دوسرے وہ جن کی بیلیں چڑھائی نہیں جاتیں یہاں اللہ اپنی حکمت بالغہ اور رموز قدرت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ایک ہی مٹی اور ایک ہی پانی اور ایک ہوا کے باوجود کیسے کیسے مختلف انداز کے پودے پیدا فرمائے پھر ان ہی پھلوں کی تیاری اور سبزی و شادابی اور ان میں رکھے ہوئے ہزاروں خواص و آثار کی رعایت سے کسی درخت کا مزاج ایسا کر دیا کہ جب تک اوپر نہ چڑھے اول تو پھل آتا نہیں اور آ بھی جائے تو بڑھتا اور باقی نہیں رہتا۔ جیسے انگور وغیرہ اور کسی کا مزاج ایسا بنا دیا کہ اس کی بیل کو اوپر چڑھانا بھی چاہو تو ایسا ممکن نہیں ہوتا یا پھر اس کا پھل کمزور ہو جاتا ہے۔ جیسے خربوزہ اور تربوز وغیرہ اور بعض درختوں کو مضبوط تنوں پر کھڑا کر کے اتنا اونچا لے گئے کہ آری کی صنعت اختیار سے اونچا لے جانا عادتاً ممکن نہ تھا اور درختوں کی نیرنگی محض اتفاقی نہیں بلکہ بڑی حکمت کے ساتھ ان کے پھلوں کے مزاج کی رعایت سے ہے۔ بعض پھل زمین اور مٹی ہی میں بڑھتے اور پکتے ہیں اور بعض کو مٹی لگنا خراب کر دیتا ہے۔ بعض کے لئے اونچی شاخوں پر لٹک کر مسلسل تازہ ہوا کھانا آفتاب کی کرنوں اور شعاعوں سے رنگ حاصل کرنا ضروری ہے ہر ایک کے لئے قدرت نے اس کے مناسب انتظام فرما دیا۔

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ سورۃ مومنون .23 ۔ آیت.14

کیسی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے۔

اس کے بعد خصوصی طور پر نخل اور زرع یعنی کھجور کے درخت اور کھیتی کا ذکر فرمایا کھجور کا پھل عام طور پر تفریحاً کھایا جاتا ہے اور بوقت ضرورت اس سے پوری غذا کا کام بھی لیا جا سکتا ہے اور کھیتی میں پیدا ہونے والی اجناس سے عموماً انسانوں کی غذا اور جانوروں کا چارہ حاصل کیا جاتا ہے۔ مختلفاً اکلہ میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ کھجوروں میں مختلف قسمیں ہیں اور ہر قسم میں مختلف ذائقہ ہے اور کھیتی میں تو سینکڑوں قسمیں ہیں اور ہر قسم کے ذائقے اور فوائد مختلف ہیں۔ ایک ہی آب و ہوا ایک ہی زمین سے نکلنے والے پھلوں میں اتنا عظیم الشان تفاوت اور پھر ہر قسم کے فوائد اور خواص کا حیرت انگیز اختلاف اور تنوع ایک ادنیٰ سی بصیرت رکھنے والے انسان کو بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ ان کو پیدا کرنے والی کوئی ایسی مافوق القیاس ہستی ہے۔ جس کے علم و حکمت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔

اس کے بعد دو چیزوں اور ذکر فرمائیں زیتون اور رمان یعنی انار اور زیتون کا پھل، پھل بھی ہے

ترکاری بھی اور اس کا تیل سب تیلوں سے زیادہ صاف شفاف اور نفیس ہونے کے ساتھ بے شمار فوائد و خواص پر مشتمل ہے۔ ہزاروں امراض کا بہترین علاج ہے اس طرح انار کے بھی بے شمار فوائد و خواص ہیں جن کو ہر عام و خاص جانتا ہے۔

ان تمام درختوں کا ذکر کر کے انسان کو وہ حکم دیے گئے ان درختوں اور کھیتوں کا پھل خود بھی کھاؤ مگر دوسروں کو بھی کھلانا مت بھولو۔

نباتات کے سلسلے میں کڑوے پھل، جھاؤ، ببول اور بیری کی قلیل سے درختوں کا ذکر بھی قرآن مجید میں ہوا ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

ذَوَاتَىْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَیْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ۔ سورۃ سبا .34 ۔ آیت.16

"جن میں کڑوے کسیلے پھل اور جھاؤ، ببول اور کچھ تھوڑی سی بیریاں۔"

خمط: خاردار اور کڑوے پھل والے درخت۔

اثل: جھاؤ کیکر اور ببول کا درخت۔

سدر: بیری ٹکی اور خود رو جنگلی۔

قرآن نے زقوم کا ذکر کیا ہے اور ان کی کئی قسمیں ہیں۔

ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِيْمِ۔

زقوم کا درخت گنہگار کا کھانا ہوگا۔

عبدالملک اصمعی 213ھ بمطابق 831ء

علم حیاتیات میں عبدالملک اصمعی 213ھ بمطابق 831ء کا نام سنہرے حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔ یہ پہلا مسلمان سائنسدان ہے۔ جس نے حیوانات کا بغور مطالعہ کیا اور ہر نوع پر ایک الگ کتاب تصنیف کی۔ اس میدان میں اس کی تصانیف کل پانچ ہیں۔ مثلاً

1۔ کتاب الخیل۔ گھوڑوں کے بارے میں ہے۔

2۔ کتاب الابل۔ اونٹوں کے بارے میں ہے۔

3۔ کتاب الشاۃ۔ بھیڑ بکریوں کے بارے میں ہے۔

4۔ کتاب الوحوش۔ جنگلی جانوروں کے بارے میں ہے۔

5۔ کتاب خلق الانسان۔ انسان کی تخلیق کے بارے میں۔

حیوانیات
(Zoology)

حیوانیات کے علم کی اہمیت کا اندازہ ایک تو اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کی چھ سورتیں، سورۃ بقرہ 2، سورۃ انعام 6، سورۃ نمل 27، سورۃ عنکبوت 29، اور سورۃ فیل 105 حیوانوں کے نام پر موسوم کی گئیں ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے اپنی پہلی وحی میں حیوان ناطق یعنی انسان کا ذکر کیا ہے ارشاد ربانی ہے:

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ سورۃ علق، 96۔ آیت 1 سے 2

"پڑھ اس رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے"

گویا اللہ تعالٰی نے انسان، خلاصہ کائنات کی توجہ سب سے پہلے اس کی اپنی تخلیق کی طرف مبذول کرائی اس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

"اللہ تعالٰی نے انسان کو پہلے اپنے تخلیقی عمل (Direct Creation) سے پیدا کیا اور اس کے بعد خود اس کے اندر یہ طاقت رکھ دی کہ اس کے نطفے سے ویسے ہی انسان پیدا ہوتے چلے جائیں۔ ایک کمال یہ تھا کہ زمین کے مواد کو جمع کر کے ایک تخلیقی حکم سے اس میں وہ زندگی اور شعور و عقل پیدا کر دیا جس سے انسان جیسی ایک حیرت انگیز مخلوق وجود میں آ گئی اور دوسرا کمال یہ ہے کہ آئندہ مزید انسانوں کی پیدائش کے لئے ایک ایسی عجیب مشینری خود انسانی ساخت کے اندر رکھ دی جس کی ترکیب اور کارگزاری دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

اس مفہوم کو ایک دوسری آیت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ سورۃ مومنون، 23، آیت 12 سے 14

"ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا پھر اسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کر دیا، پھر اس بوند کو لوتھڑے کی شکل دی پھر لوتھڑے کو بوٹی بنا دیا پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا پھر اسے ایک دوسری مخلوق بنا کر کھڑا کر دیا پس اللہ بڑا ہی بابرکت ہے اور سب کاریگروں سے اچھا کاریگر ہے۔"

کوئی خالی الذہن آدمی بچے کو ماں کے رحم میں پرورش پاتے دیکھ کر یہ تصور نہیں کر سکتا کہ یہاں وہ انسان تیار ہو رہا ہے جو باہر جا کر عقل و دانش اور دانائی اور صنعت کے کمالات دکھائے گا اور ایسی ایسی حیرت انگیز قوتیں اور صلاحیتیں اس سے ظاہر ہوں گی۔ وہاں وہ ہڈیوں اور گوشت کا ایک پلندہ سا ہوتا ہے جس میں وضع حمل کے آغاز تک زندگی کی ابتدائی خصوصیات کے سوا کچھ نہیں ہوتا نہ سماعت، نہ بصارت، نہ قوت گویائی، نہ عقل و خرد، نہ اور کوئی خوبی مگر باہر آ کر وہ چیز ہی کچھ اور بن جاتا ہے جس کو پیٹ والے جنین سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی اب وہ ایک سمیع و بصیر اور ناطق وجود ہوتا ہے۔ اب وہ تجربے اور مشاہدے سے علم حاصل کرتا ہے اب اس کے اندر ایک ایسی خودی ابھرنی شروع ہو جاتی ہے جو بیداری کے پہلے ہی لمحے سے اپنی دسترس کی ہر چیز پر تحکم جتاتی ہے اور اپنا زور منوانے کی کوشش کرتی ہے پھر وہ جوں جوں جوان ہوتا ہے تو بچپن کی بہ نسبت کچھ اور ہوتا ہے اور ادھیڑ عمر کا ہوتا ہے تو جوانی کے مقابلے میں کوئی اور چیز ثابت ہوتا ہے۔ بڑھاپے کو پہنچتا ہے تو نئی نسلوں کے لئے یہ اندازہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ اس کا بچپن کیا تھا اور جوانی کیسی تھی اتنا بڑا تغیر کم از کم اس دنیا کی کسی دوسری مخلوق میں نہیں ہوتا کوئی شخص ایک طرف کسی پختہ عمل کے انسان کی طاقتیں اور قابلیتیں اور کام دیکھے اور دوسری طرف یہ تصور کرے کہ پچاس، ساٹھ برس پہلے ایک روز جو بوند ٹپک کر رحم مادر میں گری تھی اس کے اندر یہ سب کچھ بھرا ہوا تھا۔

انسان کی تخلیق جن جن مراحل سے گزر رہی ہوتی ہے اس کا خاکہ مزید تفصیل سے یوں کھینچا گیا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِن مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ وَمِنكُم مَّن يُتَوَفَّىٰ وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِن بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا سورۃ حج 22۔ آیت 5

"لوگو! اگر تمہیں زندگی بعد از موت کے بارے میں کچھ شک ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے پھر نطفے سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر گوشت کی بوٹی سے جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بے شکل بھی۔ یہ ہم اس لئے بتا رہے ہیں تا کہ تم پر حقیقت واضح کریں ہم جس نطفے کو چاہتے ہیں ایک خاص وقت تک رحموں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر تم کو ایک بچے کی صورت میں نکال لاتے ہیں پھر تمہاری پرورش کرتے ہیں تا کہ تم اپنی پوری جوانی کو پہنچو اور تم میں سے کوئی پہلے بلا لیا جاتا ہے تا کہ سب کچھ جاننے کے بعد پھر کچھ نہ جانے۔"

اس انسان کو ایک دوسرے زاویے سے دیکھا جائے تو قدرت کے ایک بہت بڑے کارخانے کا راز کھل جاتا ہے اس انسان کی توانائی کی ضرورت پوری کرنے کے لئے بجلی گھروں کی طرح جنریٹرز (Generators) کام کرتے ہیں اس کی فیکٹریوں میں (پروٹین) لحمیات تیار ہو جاتے ہیں۔ اس تیار

شدہ سامان یعنی کیمیاوی اجزاء کو جسم کے تمام حصوں میں پہنچانے کے لئے ایک مواصلاتی نظام بھی ہے۔ خطرہ یا گزند پہنچنے پر اس کے سدباب کے لئے دفاعی اقدامات اور احکام صادر ہوتے ہیں ان میں نازک خلئے بھی ہیں جن کی جسامت ملی میٹر کے دس لاکھویں حصے کے برابر ہے پہلے جو تحقیق ہوئی تھی۔ اس کے مطابق سات سال میں اول خلیے ختم ہو کر دوسرے خلئے پیدا ہو جاتے ہیں۔ مگر اب معلوم ہوا کہ ہر گیارہ مہینے بعد کھربوں خلیوں پر مشتمل یہ پورے کا پورا نظام بدل جاتا ہے۔

بات صرف خلیوں پر ختم نہیں ہوتی خود خلیوں کے اندر پورا نظام حیات موجود ہے ہر خلئے کے اندر ایک مرکزہ (Nucleus) ہوتا ہے اور ہر مرکزہ میں باریک تاروں کا ایک جال بچھا ہوا ہوتا ہے یہ جال حقیقت میں کروموسوم (Chromosome) کا بنا ہوا ہوتا ہے ان کروموسوم کے اوپر مختلف سائز کے چھوٹے چھوٹے عوامل ہوتے ہیں جن کو (Genes) کہتے ہیں۔ سائنس نے پچھلے 25 برسوں میں یہ انکشاف کیا ہے جس کے نتیجے میں (Genetics) یعنی جینیات کی ایک پوری نئی سائنس ابھر کر سامنے آگئی ہے۔ دادا، پردادا، نانا اور ماں، باپ سے یہی جین (Gene) بچے میں منتقل ہوتے ہیں تو وہ کالا یا گورا ہوتا ہے اس کی آنکھیں نیلی یا بھوری یا سیاہ ہوتی ہیں اور اس کے بال کالے بھورے یا سنہرے ہوتے ہیں یہ اثرات تک اس کے کئی پشتوں کے جین لاتے ہیں ساری خصوصیات ان ہزار ہا جین کے اندر پنہاں ہوتی ہیں۔ ایک خلیہ اپنے اندر چھپائے ہوتا ہے ان جین سے پروٹین کی خصوصی قسم پیدا کرنے میں مدد بھی ملتی ہے۔ جو جسم کے خصوصی افعال کے لئے ضروری ہے۔

جینز (Genes) اصل میں ایک عجیب و غریب کیمیاوی سالمے (Molecules) سے ترتیب پاتے ہیں جو کچھ اس شکل کے لمبے سالمے ہوتے ہیں جیسے دو کچھوے ایک دوسرے میں بٹی کے دھاگے کی طرح لپٹ گئے ہوں ہر جانور، انسان یا پودے کی تمام ممکنات اس دھاگے کے اندر سموئی (Coded) ہوئی ہیں اس کیمیائی سالمے کو DNA کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جس کو زندگی کا دھاگہ کہنا ناموزوں نہ ہوگا اس کے اربوں یونٹ ایک خلئے میں موجود ہوتے ہیں۔

DNA نہ صرف نسل اور جینیات کی کنجی ہے بلکہ یہی وہ قوت ہے جو خلئے اور جینیات دونوں کو کنٹرول کرتا ہے ہر فرد کی پوری زندگی کا لائحہ عمل پہلے سے DNA کی ٹیپ میں ریکارڈ ہوتا ہے جس کی تفصیلات اگر تحریر میں لائی جائیں تو بڑے سائز کے ایک لاکھ صفحات میں سمائیں DNA جس کو دیکھنے کے لئے ایک چھوٹی خوردبین کام نہیں کر سکتی ان میں معلومات و ہدایات کا اتنا عظیم ذخیرہ محفوظ کر دینا اللہ کی قدرت کاملہ کا وہ عظیم کرشمہ ہے جس کے علم کے بعد اس کی نقل میں آج سائنسدان ایسا جس کے برابر ایسا بلوری کمپیوٹر تیار کرنے کی کوشش میں لگ گئے ہیں جس میں کروڑوں کتابوں کا مضمون ذخیرہ کیا جا سکے۔

جسم انسانی کے عجائبات میں سے کچھ یہ ہیں۔ انسانی دماغ میں 25 ارب سے زیادہ نیورون ہوتے ہیں، جو ہر وقت اپنا کام کرتے ہیں یہاں تک کہ نیند کے دوران بھی اپنا کام جاری رکھتے ہیں ساری دنیا کا

ٹیلیفون نظام بھی اس کے برابر کام نہیں کر سکتا۔

پھر انسان کا دل اندازاً نصف پونڈ کے برابر ہے لیکن اس میں دو پمپ لگے ہوتے ہیں ایک پھیپھڑوں کو تر سیل خون کے لئے تاکہ وہاں سے آکسیجن جذب کر کے صاف ہو جائے اور دوسرا اس صاف شدہ خون کو سارے بدن میں دوڑانے کے لئے ایک آدمی کی اوسط زندگی میں دل اندازاً لاکھوں ٹن خون پمپ کرتا ہے اس کے علاوہ یہ اپنی بجلی خود پیدا کرتا ہے ایک آدمی کا دل ستر سال کے عرصے میں 4 ارب دفعہ دھڑکتا ہے۔

اسی طرح ایک آدمی کی اوسط زندگی میں پھیپھڑے 50 کروڑ مرتبہ پھولتے اور سکڑتے ہیں انسان کی بنائی ہوئی مشین نہ ایسی مشقت برداشت کر سکتی ہے اور نہ ہی بغیر مرمت اتنے لمبے عرصے تک اپنا کام جاری رکھ سکتی ہے۔

انسانی آنکھ میں ایک کھرب سے زیادہ روشنی قبول کرنے والے ریشے ہوتے ہیں۔ یہ تعداد ان ستاروں کے برابر ہے جو "ملکی وے" نامی کہکشاں میں ہیں انسانی بدن میں خون کی شریانوں کو اگر ناپا جائے تو ان کی لمبائی 60 ہزار سے ایک لاکھ میل لمبی ریلوے لائن کے برابر نکلے گی۔

انسانی جسم 30 کروڑ کیمیاوی اجزاء پر مشتمل ہے اس کی مثال یوں ہے کہ اگر ان اعداد و شمار پر مشتمل اجزاء کو لفظوں میں لکھا جائے تو اس سے دس ہزار ضخیم کتابوں کی لائبریری بن جائے گی۔

انسان بذات خود ایک کائنات ہے اس کی خدمت کے لئے ساری اشیاء بشمول حیوانات پیدا کی گئی ہیں۔ قرآن مجید نے ان حیوانات کی درجہ بندی اور تقسیم کچھ یوں کی ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى أَرْبَعٍ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ

سورۃ نور 24، آیت 45

"اور اللہ نے ہر جاندار کو ایک طرح کے پانی سے پیدا کیا کوئی پیٹ کے بل چل رہا ہے تو کوئی دو ٹانگوں پر اور کوئی چار ٹانگوں پر اور اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے جو چاہے پیدا کر سکتا ہے۔"

آیت میں پانی کے لفظ پر زیادہ زور دیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حیوان جن مادوں سے مرکب ہے اس میں پانی سب سے اہم ہے پانی نہ ہو تو حیوان زندہ نہیں رہ سکتا یہی وجہ ہے کہ اللہ نے پانی جیسی عظیم نعمت کو زیادہ مقدار میں پیدا فرمایا ہے۔ زمین کا تین چوتھائی حصہ پانی پر مشتمل ہے اسی طرح انسانی جسم کا تقریباً 80 فیصد حصہ بھی پانی پر مشتمل ہے۔

یہاں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ سارے جانور خود بخود پیدا نہیں ہوئے بلکہ ان کا خالق اللہ ہے۔

آیت میں (Origin of Creation) کی طرف بھی اشارہ ہے جس میں تمام حشرات الارض اور پرند چرند سب شامل ہیں۔

سے مراد یہ ہے کہ مذکورہ حیوانات کے علاوہ اور بھی بہت سارے حیوانات اللہ نے پیدا کئے ہیں۔ جن میں چھ، چھ، آٹھ، آٹھ یہاں تک کہ چالیس، چالیس پاؤں والے جانور بھی ہیں۔

قرآن مجید میں جانور کی مزید درجہ بندی (Animal Classification) کچھ اس طرح کی گئی ہے۔ بھیڑ، بکری، اونٹ، بیل اور گائے (نر مادہ)

سورۃ الانعام۔ آیت 142 اور 144۔

"اور مواشی میں اونچے قد کے اور چھوٹے قد کے پائے جاتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے تم کو دیا ہے اس میں سے کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر مت چلو، بیشک وہ تمہارا صریح دشمن ہے اور مواشی کی آٹھ قسمیں ہیں، نر و مادہ دونوں کو ملا کر بھیڑوں میں نر مادہ دو قسمیں بکریوں میں نر و مادہ دو قسمیں اسی طرح اونٹوں میں نر و مادہ دو قسمیں اور گائے میں نر مادہ دو قسمیں ہیں"۔

گویا دنبہ، بکرا، بکری، اونٹ، اونٹنی اور بیل گائے آٹھ قسم کے جانور ہوئے۔

اس آیت میں جانوروں کی افادیت (Animal Husbendry) افزائش نسل یعنی پیداوار (Animal Breeding) اور جانوروں کی درجہ بندی (Animal Classifiction) کی طرف اشارہ ہے۔

گھوڑا، خچر اور گدھا

ارشاد ربانی ہے۔

وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔

سورۃ نحل۔ 16۔ آیت۔ 8

"اس نے تمہارے لئے گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا کئے تاکہ وہ تمہاری سواری کے کام آ سکیں اور یہ تمہارے لئے زینت بھی ہیں اور اللہ نے تمہارے فائدے کے لئے اور بھی بہت کچھ پیدا کیا ہے جن کا تمہیں علم نہیں۔"

اس آیت میں جانوروں کی افادیت اور اقسام (Animal Husbandary) اور تجارتی بنیادوں پر ان کی نسل کشی (Animal Calssification) (Animal Breding) کی طرف اشارہ ہے۔

اس کے علاوہ انعام میں گائے، بھینس، بھیڑ، اونٹ، گھوڑا، خچر، گدھا، درندے، وحوش، حشرات اور پرندے سارے کے سارے شامل ہیں۔ پھر وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کا جملہ بھی آیت میں غور طلب ہے گویا آئندہ مزید ترقی ہوگی اور ان جانوروں کا کام دوسرے ذرائع سے بھی لیا جا سکے گا اس لئے ان میں آج کل کے تمام ذرائع آمد و رفت مثلاً ہوائی جہاز، ریل گاڑی، بسیں، موٹر گاڑیاں، ٹرک، بحری جہاز،

ٹیلی فون، ٹیلی گرام اور ٹیلی ویژن وغیرہ شامل ہیں۔

جنگلی گدھا

كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ سورۃ مدثر 74 آیت 50

"گویا کہ جنگلی گدھے ہیں۔"

حیوانات کے فوائد

حیوانات کے ساتھ انسانی تعلق کے کچھ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (سورۃ نحل 16۔ آیت 5 سے 7)

"اس نے جانور پیدا کئے جن میں تمہارے لئے گرم لباس ہے اور ان میں تمہارے لئے بہت فائدے ہیں ان میں سے بعض کا تم گوشت کھاتے ہو ان میں تمہارے لئے جمال ہے جبکہ تم صبح انہیں چرانے کے لئے بھیجتے ہو اور جب شام انہیں واپس لاتے ہو وہ تمہارے لئے بوجھ اٹھا کر ایسے ایسے مقامات تک لے جاتے ہیں جہاں تم سخت جانفشانی اور مشقت کے بغیر نہیں پہنچ سکتے حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب بڑا ہی شفیق اور مہربان ہے"۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَا اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ (سورۃ نحل 16 آیت 80)

"اور اللہ نے تمہارے لئے تمہارے گھروں میں رہنے کی جگہ بنائی اور اس نے جانوروں کی کھال سے تمہارے لئے ایسے مکان پیدا کر دیئے جنہیں تم سفر اور قیام دونوں حالتوں میں ہلکا پاتے ہو۔ اس نے جانوروں کے صوف، اون اور بالوں سے تمہارے لئے پہننے اور برتنے کی بہت سی چیزوں کو پیدا کر دیا جو تمہارے لئے زندگی کی ایک مدت مقرر تک کام آتی ہیں"

اس آیت میں بھی جانوروں کی افادیت (Animal Husbandry) کا ذکر ہوا ہے۔

ایک دوسری جگہ رب کائنات فرماتا ہے۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ (سورۃ نحل 16 آیت 66)

بے شک مویشیوں میں تمہارے لئے ایک درسِ عبرت موجود ہے اس کے پیٹ سے گوبر اور خون کے درمیان سے ہم تمہیں خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے نہایت خوشگوار ہوتا ہے"

یہاں بھی جانوروں کی افادیت بیان ہوئی ہے۔

جانوروں کے بعض فائدوں کا ذکر اس آیت میں بھی ہوا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ وَ لَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَ لِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَ عَلَیْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ (سورۃ مومن 40آیت 79سے 80)

"اللہ نے تمہارے لئے یہ مویشی اور جانور بنائے ہیں تاکہ ان میں سے کسی پر تم سوار ہو اور کسی کا گوشت کھاؤ ان کے اندر تمہارے لئے اور بھی بہت سے منافع ہیں اور ان کا کام بھی آتے ہیں کہ تمہارے دلوں میں جہاں جانے کی حاجت ہو وہاں تم ان پر پہنچ سکو ان پر بھی اور کشتیوں پر بھی تم سوار کئے جاتے ہو"

زمین پر جو جانور انسان کی خدمت کر رہے ہیں خصوصاً گائے، بیل، بھینس، بھیڑ، بکری، اونٹ اور گھوڑے ان کو بنانے والے نے ایسے نقشے پر بنایا ہے کہ آسانی سے انسان کے پالتو خادم بن جاتے ہیں اور ان سے ان کی بے شمار ضروریات پوری ہوتی ہیں ان پر سواری کرتا ہے ان سے باربرداری کا کام لیتا ہے انہیں کھیتی باڑی کے کام میں استعمال کرتا ہے ان کا دودھ نکال کر اسے پیتا بھی ہے اور اس سے گھی، مکھن، کھویا، پنیر، سوہن حلوہ اور کھیر یا اور طرح طرح کی مٹھائیاں بناتا ہے ان کا گوشت کھاتا ہے ان کی چربی استعمال کرتا ہے ان کی اون، بال، کھال، آنتیں، ہڈی اور گوبر اور گوبر سے جلنے اور جلانے کے لئے گیس الغرض ہر چیز اس کے کام آتی ہے کیا یہ اس بات کا کھلا ثبوت نہیں ہے کہ انسان کے خالق نے زمین پر اس کو پیدا کرنے سے پہلے اس کی بے شمار ضروریات کو سامنے رکھ کر یہ جانور اس نقشے پر پیدا کر دیئے تھے تاکہ وہ ان سے فائدہ اٹھائے۔

اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَاۤ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ وَ ذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَ مِنْهَا یَاْكُلُوْنَ وَ لَهُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَ مَشَارِبُ اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ (سورۃ یٰس 36آیت 71سے 73)

"کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم نے اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چیزوں سے ان کے لئے مویشی پیدا کئے اور اب یہ ان کے مالک ہیں ہم نے انہیں اس طرح ان کے بس میں کر دیا ہے کہ ان میں سے کسی پر یہ سوار ہوتے ہیں کسی کا یہ گوشت کھاتے ہیں اور ان کے اندر ان کے لئے طرح طرح کے فوائد اور مشروبات ہیں پھر کیا یہ شکر گزار نہیں ہوتے"

اس آیت میں بھی جانوروں کی افادیت بیان ہوئی ہے۔

شیر

فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ (سورۃ مدثر 74آیت 51)

"جو شیر سے ڈر کر بھاگ پڑے ہیں"

ہاتھی

اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ (سورۃ فیل 105آیت 1)

"تم نے دیکھا نہیں کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟"

بندر

كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕیْنَ (سورۃ بقرہ 2آیت 65)

"ان کی شکلیں بندر کی طرح ہو گئیں"

کتا

وَ كَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَیْهِ بِالْوَصِیْدِ (سورۃ کیف 18آیت 18)

"اور ان کا کتا غار کے دہانے پر ہاتھ پھیلائے بیٹھا تھا"

خنزیر

وَ لَحْمَ الْخِنْزِیْرِ (سورۃ بقرہ 2آیت 173)

"اور خنزیر کا گوشت"

کوا

کوا (غراب) کوے کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ لِیُرِیَهٗ كَیْفَ یُوَارِیْ سَوْءَةَ اَخِیْهِ قَالَ یٰوَیْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوْءَةَ اَخِیْ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ (سورۃ مائدہ 5آیت 31)

"اللہ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کو کھود رہا تھا تا کہ اس کو دکھائے کہ بھائی کی لاش کیسے دفنائی جاتی ہے اس نے کہا افسوس میں اس کوے سے کمزور ہوں کہ اپنے بھائی کی لاش کو خود دفنا نہ سکا اس لئے وہ بہت پشیمان ہوا"

کہتے ہیں کہ کوا اجتماعی زندگی کا درس دیتا ہے یہ نہایت مفید پرندہ ہے خصوصاً کاشتکاروں کا بہت معاون ہے حشرات الارض اور غلے کے دشمن کیڑے مکوڑوں کو کھا کر ختم کر دیتا ہے طلب رزق کے لئے جماعت کی شکل میں نکلتا ہے جب کسی جگہ پیٹ بھرنے کے لئے اترتے ہیں تو ایک کو چوکیدار بناتے ہیں اور جب کسی قسم کا خطرہ محسوس کرتے ہیں تو دوسروں کو اس سے متنبہ کرتا ہے اس لئے سارے اس جگہ سے اڑ جاتے ہیں۔

ہد ہد

پرندوں میں ہد ہد کا ذکر قرآن حکیم نے کیا ہے ارشاد ہوتا ہے۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَالِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ (سورۃ نمل 27 آیت 20)

"حضرت سلیمانؑ نے پرندوں کی حاضری لی اور فرمایا ہد ہد کیوں غیر حاضر ہے"۔

یہاں اڑنے والے جاندار اشیاء پرندوں میں سے ایک خوبصورت پرندے کا ذکر ہوا جس کو ہد ہد کہتے ہیں اور جس نے حضرت سلیمانؑ کو ملکہ سبا جو مشرک تھی کے بارے میں اطلاع دی تھی اور جو بقول بعض علم صحافت کا بانی ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ (سورۃ انعام 6 آیت 38)

"زمین پر چلنے والے کسی جانور اور ہوا میں اڑنے والے کسی پرندے کو دیکھ لو۔ یہ دراصل تمہاری ہی طرح مختلف النوع امتیں ہیں"

یہاں پرندوں کی مختلف اقسام کی طرف اشارہ ہوا ہے اور یہ کہ پرندوں کی طرح باقی حیوان بھی الگ الگ جماعتوں کی شکل میں کثیر تعداد میں موجود ہیں' گویا کہ اس میں Animal and Brids (Animal Husbandry اور Classifications) کا ذکر بہت اچھے طریقے سے ہوا ہے زرعی فارم کا تصور بھی یہاں سے لیا جا سکتا ہے۔

مکھی

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ (سورۃ حج 22 آیت 73)

"جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تو اگر سارے اکٹھے بھی ہو جائیں تو ایک مکھی نہیں پیدا کر سکتے اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز لے جائے تو اس سے واپس نہیں لے سکتے"

مکھی بظاہر ایک گندی مخلوق نظر آتی ہے لیکن یہ بھی اگر ایک طرف انسان میں مختلف قسم کی بیماریوں کے پھیلانے کا باعث بنتی ہے تو دوسری طرف بہت ساری گندگیوں کو ختم بھی کر دیتی ہے گویا اس کا نفع نقصان حدیث کی رو سے برابر ہے۔

شہد کی مکھی

قرآن نے شہد کی مکھی کے بارے میں فرمایا ہے۔

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا (سورۃ نحل 16 آیت 68 سے 69)

"اور دیکھو تمہارے رب نے شہد کی مکھی کو حکم دیا ہے کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور گھروں میں اپنے گھر بنائے نیز بیلوں میں اپنے چھتے بنائے اور طرح طرح کے پھولوں کا رس چوس لے اور اپنے رب کی ہموار کی ہوئی راہوں پر چلتی رہے"

شہد کی مکھی کی افادیت کا ذکر قرآن نے یوں کیا ہے۔

يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (سورۃ نحل 16 آیت 69)

"اس مکھی کے پیٹ سے رنگ برنگ کا ایک شربت نکلتا ہے جس میں لوگوں کے لئے یقیناً شفا ہے یقیناً اس بات میں بھی ایک نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں"

الغرض حیوانات کے سلسلے میں قرآن نے جو کچھ فرمایا اس کی بنیاد پر تحقیق اور غور و فکر کے بیشمار میدان کھلے پڑے ہیں ان حیوانات میں ہر قسم کی جاندار اشیاء شامل ہیں۔

آیت میں شہد کی مکھیوں کی قسمیں (Classification of Bees) باعتبار مکان بیان ہوئی ہیں ایک وحشی مکھی جو پہاڑوں اور درختوں میں رہتی ہے دوسری اہلی (پالتو) جو بکسوں ہنڈیوں اور دوسری چیزوں میں گھروں میں پائی جاتی ہے اس طرح یہاں (Pollination) کی طرف بھی اشارہ ہے مختلف رنگوں سے مراد یہ ہے کہ جس طرح پھولوں کے رنگ مختلف ہوتے ہیں اس طرح شہد کے رنگ بھی مختلف ہوتے ہیں شہد کے اجزائے ترکیبی کچھ اس طرح ہیں۔

پانی	17 فیصد	پھلوں کا شکر	40.5 فیصد
گلوکوز	34 فیصد	گنے کا شکر	1 تا 3 فیصد
معدنی اجزاء	20 فیصد		

"رب کی ہموار کی ہوئی راہوں کا اشارہ اس پورے نظام اور طریق کار کی طرف ہے جس پر شہد کی مکھیوں کا ایک گروہ کام کرتا ہے ان کی چھتوں کی ساخت ان کے گروہ کی تنظیم ان کے مختلف کارکنوں کی تقسیم کار ان کی فراہمی غذا کے لئے پیہم آمد و رفت ان کا باقاعدگی سے شہد بنا بنا کر ذخیرہ کرتے جانا۔ یہ سب وہ راہیں ہیں جو ان کے عمل کے لئے ان کے رب نے اس طرح ہموار کر دی ہیں کہ انہیں کبھی سوچنے اور غور و فکر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی بس ایک مقررہ نظام ہے جس پر ایک لگے بندھے طریقے سے شہد کے یہ بے شمار چھوٹے چھوٹے کارخانے ہزار ہا برس سے کام کرتے چلے آتے ہیں"

مکڑی

مکڑی کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔

وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (سورة عنکبوت 29آیت 41)

"بیشک گھروں میں سب سے بودا گھر مکڑی کا ہوتا ہے کاش یہ لوگ علم رکھتے"

آیت میں ایک معمولی جانور اور اس کے گھر کا ذکر ہوا ہے جس کا مقصد انسان کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرانی مقصود ہے کہ اگر انسانیت کی ترقی کا راز صرف سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی میں مضمر سمجھا جائے تو اس میں ایک معمولی سا حیوان بھی انسان سے بہت آگے نکلا ہوا ہے کوئی بھی انسان مکڑی جیسا گھر نہیں بنا سکتا۔

اوھن کی اگر تھوڑی مزید وضاحت کی جائے تو مذکورہ بات کی مزید تائید ہو جاتی ہے کہتے ہیں کہ عنکبوت یعنی مکڑی سے باریک دھاگے نکلتے ہیں ہر ایک دھاگے میں چار باریک دھاگے ہوتے ہیں ان میں سے ہر دھاگے میں ہزار دھاگے ہوتے ہیں گویا کہ ہر ایک دھاگہ چار ہزار باریک دھاگوں پر مشتمل ہے جس کا وزن داڑھی کے ایک بال کے وزن کے برابر ہوتا ہے یہی اس کا مکان اور شکار گاہ ہے۔

مچھر

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا (سورة بقرہ 2آیت 26)

"بے شک اللہ تعالیٰ مچھر یا اس سے کم جانور کی مثال بیان کرنے سے نہیں شرماتا"

آیت میں مچھر کا ذکر ہوا ہے اس کے بارے میں مزید یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس کا جسم کتنا کمزور ہے مگر اس کا منہ اتنا مضبوط ہے کہ انسان کے جسم کے سخت سے سخت حصوں میں داخل ہوتا ہے اس کی باریکی کو دیکھ کر انسان حیران ہوتا ہے مگر پھر بھی اس کے اندر انسان کا خون اس کے جسم

میں آتا ہے دوسرے یہ کہ اس کا جسم کتنا معمولی ہے مگر پھر بھی اس میں وہ سارے اعضاء موجود ہیں جو کسی بھی جاندار میں موجود ہوتے ہیں اس کی اندر اعضاء کی ترتیب کے لئے باریک آلات درکار ہوں گے۔

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ (سورة مومنون 23آیت 14)

پتنگے (پروانے)

كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ (سورة قارعة 101آیت 4)

"بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح"

چیونٹی

ایک دوسرے حیوان چیونٹی کے نام کی قرآن میں ایک سورۃ موجود ہے جس کو سورت النمل کہتے ہیں اس کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔

حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (سورة نمل 27آیت 18)

"جب سلیمانؑ اور اس کا لشکر چیونٹیوں کی وادی میں آئے تو ایک چیونٹی نے کہا چیونٹیو! اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ کہیں سلیمانؑ اور اس کا لشکر لاشعوری طور پر تم کو پاؤں تلے روند نہ ڈالے"

ماہرین حشرات الارض کہتے ہیں کہ اللہ نے چیونٹی کو عقل اور فہم عطا فرمایا اور معاشرتی اور اجتماعی زندگی گزارنے کا سلیقہ بھی دیا ہے حیوانات کے اندر یہ وہ مخلوق ہے جو اپنے ہم جنسوں کا خیال رکھتی ہے اور روزمرہ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتی ہے اس طرح ایک باقاعدہ اور ایک منظم زندگی گزارتی ہے بادشاہوں کی طرح عمل کرتی ہے نظام سلطنت چلانے میں بڑی مہارت رکھتی ہے فن تعمیر میں انسانوں کی استاد ہیں غور کیجئے کیسے زمین کے اندر گاؤں کے گاؤں بناتی ہیں ان کی عمارات کی منزلیں ہوتی ہیں اور اپنی ضرورت کے مطابق اس میں کمرے بناتی ہیں خوراک کے گودام الگ ہوتے ہیں اور موسم سرما کے لئے غلہ ذخیرہ کرنے کے گودام الگ ہوتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ غلے کے گودام اس طریقے پر بناتی ہیں کہ سارا گھر اگر بارش کے پانی سے بھر بھی جائے مگر گودام تک ایک قطرہ بھی نہیں پہنچ پاتا۔

ٹڈی، گھن کا کیڑا اور مینڈک

سورۃ اعراف میں ٹڈی، دیمک کے کیڑے اور مینڈک کا ذکر کیا گیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ آيَاتٍ مُفَصَّلَاتٍ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُجْرِمِينَ (سورۃ اعراف 7 آیت 133)

"پھر ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈیاں اور دیمک اور مینڈک اور خون کی یہ سب کھلے کھلے معجزے تھے سو وہ تکبر کرتے رہے اور وہ لوگ تھے ہی جرائم پیشہ"

یہاں ان جاندار اشیاء کی افادیت از ان کا بحکم اللہ مضر ہونے کا ذکر ہوا ہے یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کرنے کی ہے کہ بعض اشیاء اپنی خلقت کے لحاظ سے بہت معمولی لگتی ہیں مگر ان کے اندر بڑی بڑی حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں اللہ چاہے تو مفید بھی ہو سکتی ہے اور چاہے تو مضر بھی۔

مچھلی

سورۃ کہف اور کئی دوسری آیات میں مچھلی کا ذکر موجود ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا (سورۃ کہف 18 آیت 61)

"پس جب چلتے چلتے دونوں دریاؤں کے جمع ہونے کے موقع پر پہنچے تو اپنی مچھلی بھول گئے اور مچھلی نے سمندر میں اپنی راہ لی اور چل دی"

سانپ

سانپ کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔

قَالَ أَلْقِهَا يَا مُوسَىٰ فَأَلْقَاهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ (سورۃ طٰہٰ 20 آیت 19 سے 20)

"ارشاد ہوا کہ اس کو زمین پر ڈال دو سو انہوں نے اس کو ڈال دیا کہ یکایک وہ اللہ کی قدرت سے ایک دوڑتا ہوا سانپ بن گیا"

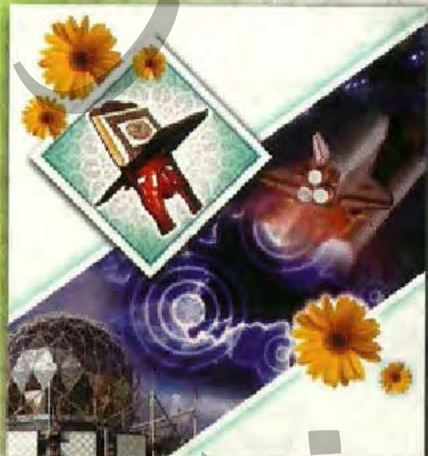
یہاں رینگنے والے جانوروں میں سے سانپ کا ذکر ہوا ہے۔

اژدھا

اژدھے کے بارے میں ارشاد ربانی ہے

فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُبِينٌ (سورۃ اعراف 7 آیت 107)

"وہ دفعتاً صاف ایک اژدھا بن گیا"



قرآن اور جدید سائنس

شرکۃ الامتیاز
غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور۔
0321-4277761
0334-9962148